سید المحدثین امیر المومنین فی الحدیث

اور صحیح بخاری کی خصوصیات

تالیف:

مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

جمعیۃ المعارف الاسلامیۃ

ٹیگور مارگ، نزد دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

فون نمبر:9984778800

E-mail:JMI_LKO@YAHOO.CO.IN

(جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں)

طبع اول

رجب المرجب ۱۴۴۴ھ-فروری ۲۰۲۳ء

نام کتاب	:	سید المحدثین امیر المومنین فی الحدیث اور صحیح بخاری کی خصوصیات
مؤلف	:	مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری
صفحات	:	۲۷۲
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
طباعت	:	ورک لائن پریس، لکھنؤ
قیمت	:	۲۵۰/روپے

ناشر

جمعیۃ المعارف الاسلامیۃ

شیگور مارگ، نزد دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

فون نمبر:9984778800

E-mail:JMI_LKO@YAHOO.CO.IN

فہرست مضامین

سید المحدثین امیر المومنین فی الحدیث

اور صحیح بخاری کی خصوصیات

	مضامین		صفحہ
۱	مقدمہ	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ	۱۳
۲	پیش لفظ	حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی	۱۴
۳	تقریظ	حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی	۱۸
۴	تاثرات	حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی	۲۳
۵	عرضِ حال	مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری	۲۶
	باب اول **سیرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ**		۲۹
۶	نام ونسب، ولادت باسعادت		۳۰
۷	امام بخاریؒ کی پیدائش		۳۱
۸	بخاریٰ ایک تاریخی شہر		۳۱
۹	بچپن میں بصارت کا فقدان اور عود کرنا		۳۲
۱۰	آغاز تعلیم		۳۳
۱۱	امام بخاریؒ کا طلب علم میں لگنا		۳۴

۱۲	امام بخاریؒ کے اسفار عالیہ	۳۴
۱۳	۱۷ رسال کی عمر میں درس دینا	۳۵
۱۴	۱۸ رسال کی عمر میں تصنیف کا آغاز	۳۵
۱۵	امام بخاریؒ کا قد اور جسم	۳۵
۱۶	حضرت امام بخاری کا علمی شوق	۳۶
۱۷	امام بخاری کا قوتِ حافظہ اور ملکۂ یادداشت	۳۶
۱۸	محمد بن سلام بیکندی کی مدح	۳۸
۱۹	امام بخاریؒ امام مالک کے مشابہ تھے	۴۰
۲۰	مسئلہ خلق قرآن	۴۲
۲۱	امام بخاری کا نیشاپور تشریف لانا	۴۳
۲۲	امام بخاری کی عبادت، زہد وتقویٰ	۴۵
۲۳	امام بخاری کا غیبت سے اجتناب کرنا	۴۶
۲۴	امام بخاریؒ کا تقویٰ و پرہیز گاری	۴۷
۲۵	امام بخاریؒ کے تقویٰ کے واقعات	۴۹
۲۶	سوال سے احتراز اور نصرت الٰہی	۴۹
۲۷	بغیر تنخواہ خدمت حدیث	۵۰
۲۸	قرض خواہ کے ساتھ رحم دلی کا معاملہ	۵۱
۲۹	بیع میں تقویٰ	۵۲
۳۰	اعلیٰ درجہ کی قناعت وصبر	۵۲
۳۱	امام بخاریؒ مستجاب الدعوات تھے	۵۲

۳۲	امام بخاری کی سخاوت، جود وکرم	۵۳
۳۳	آپ اپنے اصحاب پر بہت زیادہ خرچ کرنے والے تھے	۵۴
۳۴	حضرت امام کا عفو ودرگذر	۵۴
۳۵	حضرت امام کا کمال تیراندازی	۵۵
۳۶	امام کا کمالِ اخلاق	۵۶
۳۷	دورِ ابتلاء وآزمائش	۵۶
۳۸	وفات حسرت آیات	۶۱
۳۹	بعد دفن قبر سے خوشبو پھیلنا	۶۲
۴۰	دوسری بڑی کرامت قبر پر نور کا مینار	۶۳
۴۱	امام بخاری پر رسول ﷺ کی روحانی توجہ	۶۳
۴۲	امام بخاریؒ کے مزار کی برکات	۶۴
۴۳	مسلک امام بخاریؒ	۶۵
۴۴	امام بخاریؒ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ	۶۶
۴۵	تصانیف امام بخاریؒ	۶۸
۴۶	الجامع الصحیح	۶۹
۴۷	نام کتاب	۶۹
۴۸	سبب تالیف کتاب	۷۰
۴۹	سنِ تالیف	۷۱
۵۰	کُل زمانہ تصنیف	۷۱
۵۱	مقامِ تصنیف	۷۱

۵۲	تالیف میں ادب کا اہتمام	۷۲
۵۳	فضیلت کتاب و برکات	۷۲
۵۴	حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب	۷۳
۵۵	انتہائی درجہ مقبولیت	۷۴
۵۶	مقصودِ کتاب	۷۵
۵۷	اسلوبِ کتاب	۷۶
۵۸	شروطِ بخاری	۷۷
۵۹	مرتبہ کتاب	۷۸
	باب دوم **خصوصیات و امتیازات**	۸۱
۶۰	صحیح بخاری کی خصوصیات و امتیازات	۸۲
۶۱	(۱) تسمیہ	۸۳
۶۲	(۲) تراجم	۸۳
۶۳	تمریض	۸۳
۶۴	حافظ ابن حجر کا تعاقب	۸۴
۶۵	قال فلان	۸۴
۶۶	ثلاثیات	۸۵
۶۷	نحن الآخرون السابقون	۸۶
۶۸	باسنادہ	۸۷

۶۹	باختیارہ (رجحان ذہنی کی طرف اشارہ	۸۸
۷۰	عدم تکرار	۸۸
۷۱	اشارۃ الی اختتام الکتاب اوالحیاۃ	۹۱
۷۲	مناسبت بین الابتداء والانتہاء	۹۲
۷۳	اشارہ الی زمانہ نزول حکم	۹۲
۷۴	استخارہ	۹۳
۷۵	الفاظ قرآنیہ کی تفسیر	۹۳
۷۶	التزام علو	۹۳
۷۷	عادات بخاریؒ	۹۳
۷۸	تعلیقات البخاری	۹۹
۷۹	تعلیق کی اصطلاحی تعریف اور مختلف صورتیں	۹۹
۸۰	تعلیقات کی اقسام اوران کی مفصل بحث	۱۰۰
۸۱	تعلیقات مرفوعہ کی دو قسمیں	۱۰۰
۸۲	تعلیق بصیغۃ الجزم کی چار قسمیں اوران کی تفصیل	۱۰۱
۸۳	تعلیقات ظاہر کرنے کی تین وجوہات	۱۰۲
۸۴	امام بخاریؒ پر تدلیس کا الزام اوراس کی حقیقت	۱۰۳
۸۵	امام بخاریؒ کی احتیاط سے متعلق ایک دقیق بات	۱۰۴
۸۶	تعلیق بصیغۃ التمریض کی پانچ قسمیں اوران کی تفصیل	۱۰۵
۸۷	تعلیقات موقوفہ	۱۰۷
۸۸	تراجم بخاری	۱۰۷

۸۹	مقصد تراجم	۱۰۸
۹۰	نوعیت تراجم صحاح ستہ	۱۰۸
۹۱	اہمیت تراجم بخاری	۱۱۰
۹۲	فقہ البخاری فی تراجمہ کی مراد	۱۱۱
۹۳	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے ذکر کردہ اصول تراجم	۱۱۱
۹۴	شاہ ولی اللہؒ کے اصول تراجم	۱۲۳
۹۵	تراجم کی قسمیں	۱۲۴
۹۶	اصول شیخ الہند	۱۲۹
۹۷	باب بلا ترجمہ	۱۳۵
۹۸	قرآن کریم کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہادی منہج	۱۴۰
۹۹	کتاب اللہ کی تعریف	۱۴۰
۱۰۰	آیات کو سند بناتے ہوئے احکام کا استنباط کرنا	۱۴۴
۱۰۱	قرآن کریم کے متعلقات (علوم القرآن) سے بحث قراءت متواترہ وشاذہ	۱۴۶
۱۰۲	مختلف قراءات جن سے مجتہدین کے استنباط میں تبدیلی ہوتی ہے	۱۴۸
۱۰۳	قراءات کا ذکر	۱۴۸
۱۰۴	نسخ کی مختلف صورتیں	۱۵۰
۱۰۵	کتاب کا کتاب سے نسخ	۱۵۱
۱۰۶	سنت کا سنت سے نسخ	۱۵۱
۱۰۷	سنت کا کتاب سے نسخ	۱۵۲
۱۰۸	کتاب کا سنت سے نسخ	۱۵۲

۱۰۹	کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کا اجماع یا قیاس سے نسخ	۱۵۲
۱۱۰	نسخ کی معرفت کے صحیح طریقے	۱۵۲
۱۱۱	نسخ کی معرفت کے غیر صحیح طریقے	۱۵۳
۱۱۲	ایک آیت سے دوسری آیت کا نسخ (دونوں کی تلاوت کے باقی رہنے کے ساتھ)	۱۵۴
۱۱۳	ایک آیت کے بعض حکم (جزئی) کا دوسری آیت سے نسخ	۱۵۵
۱۱۴	آیت کی تلاوت منسوخ ہو لیکن حکم باقی رہے	۱۵۶
۱۱۵	ایسی آیت کی تلاوت منسوخ ہونا، جس پر کوئی حکم مرتب نہ ہوا ہو	۱۵۶
۱۱۶	آیت کا حکم باقی رہنے کی تاکید اور منسوخ ہونے کی نفی	۱۵۶
۱۱۷	شان نزول کے بارے میں اہتمام	۱۵۷
۱۱۸	شریعت کے مصدر ثانی کی حیثیت سے امام بخاریؒ کا سنت پر اعتماد کرنا	۱۵۸
۱۱۹	افعال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۵۹
۱۲۰	تقریر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۶۱
۱۲۱	ارادۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۶۲
۱۲۲	احادیث قولیہ، فعلیہ اور تقریر سے استدلال	۱۶۲
۱۲۳	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سنت قولیہ کی طرح سنت فعلیہ سے بھی استدلال کیا ہے	۱۶۴
۱۲۴	خبر واحد اور امام بخاری	۱۶۶
۱۲۵	حدیث ضعیف سے احتجاج کے سلسلہ میں امام بخاریؒ کا منہج	۱۶۸
۱۲۶	حدیث ضعیف اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے مطابق نہ ہونے والی احادیث سے استدلال اور حدیث ضعیف کے معنی کی صحت اور معمول ہونے کی بنیاد پر استدلال	۱۶۸

۱۲۷	روایت بالمعنی	۱۷۲
۱۲۸	معلقات میں روایت بالمعنی	۱۷۳
۱۲۹	حدیث شریف کا اختصار اور تقطیع	۱۷۶
۱۳۰	مسند احادیث کو روایت بالمعنیٰ نقل کرنا	۱۷۶
۱۳۱	حدیث منسوخ	۱۷۷
۱۳۲	سنت کی توضیحانہ شان	۱۷۹
۱۳۳	سنت سے قرآن کریم کی وضاحت	۱۷۹
۱۳۴	حدیث سے حدیث کی وضاحت (عام، مجمل، مطلق)	۱۸۰
۱۳۵	آیات کی روشنی میں احادیث کی وضاحت	۱۸۱
۱۳۶	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت	۱۸۱
۱۳۷	سنت کی تشریح و بیان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے	۱۸۲
۱۳۸	قیاس سے استدلال میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقۂ کار اور قیاس کی تعریف	۱۸۲
۱۳۹	رائے اور قیاس کا فرق	۱۸۴
۱۴۰	قیاسی احکام کی تخریج و تحقیق کے سلسلہ میں مجتہد کے تین کام ہیں	۱۸۵
۱۴۱	تحقیق، تنقیح مناط اور تخریج مناط	۱۸۵
۱۴۲	تحقیق مناط	۱۸۵
۱۴۳	تنقیح مناط	۱۸۶
۱۴۴	تخریج مناط	۱۸۷
۱۴۵	قیاس سے استدلال میں امام بخاریؒ کا طریقۂ کار	۱۸۸

۱۴۶	امام بخاریؒ کا قیاس کی مختلف انواع سے استدلال کرنا	۱۹۲
۱۴۷	قیاس ادنی کی مثالیں	۱۹۲
۱۴۸	قیاس مساوی کی مثالیں	۱۹۳
۱۴۹	علامہ کشمیریؒ اور امام بخاریؒ قیاس واجتہاد	۱۹۷
۱۵۰	تنقیح مناط اور قیاس کے درمیان لطیف فرق	۱۹۷
۱۵۱	امام بخاری اور اجماع کا ثبوت	۲۰۱
۱۵۲	اجماع سکوتی	۲۰۴
۱۵۳	استحسان	۲۰۵
۱۵۴	استحسان کی تعریف	۲۰۵
۱۵۵	احناف کے نزدیک استحسان کی حقیقت	۲۰۶
۱۵۶	استحسان کا ثبوت امام بخاری کی نظر میں	۲۰۸
۱۵۷	اقوال صحابہ	۲۰۹
۱۵۸	اقوال صحابہ کی چند صورتیں	۲۱۰
۱۵۹	صحابۂ کرام کے اقوال وافعال	۲۱۱
۱۶۰	اقوال صحابہ سے نص کی تائید	۲۱۱
۱۶۱	جس مسئلہ میں کوئی خاص نص وارد نہ ہوئی ہو یا صراحت نہ ہو اس میں صحابۂ کرام کے اقوال نقل کرنا	۲۱۱
۱۶۲	نص کے خلاف صحابہ کے قول کی مثالیں	۲۱۲
۱۶۳	افعال صحابۂ کرام نقل کرنے کا اہتمام	۲۱۳

	باب سوم تخریجات مع تدریبات	۲۱۵
۱۶۴	بخاری شریف کی دس احادیث کی تخریج اور سندی مباحث مع فوائد	۲۱۶
۱۶۵	حدیث نمبر ۱۔	۲۲۱
۱۶۶	حدیث نمبر ۲۔	۲۲۶
۱۶۷	حدیث نمبر ۳۔	۲۲۹
۱۶۸	حدیث نمبر ۴۔	۲۳۲
۱۶۹	حدیث نمبر ۵۔	۲۴۰
۱۷۰	حدیث نمبر ۶۔	۲۴۶
۱۷۱	حدیث نمبر ۷۔	۲۵۴
۱۷۲	حدیث نمبر ۸۔	۲۶۰
۱۷۳	حدیث نمبر ۹۔	۲۶۰
۱۷۴	حدیث نمبر ۱۰	۲۶۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی
(صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

امام بخاریؒ کی عظیم شخصیت رہتی دنیا تک مذہب اسلام کے اس بنیادی سرچشمۂ علم یعنی حدیث شریف کے ان کے اعلیٰ مجموعہ کے ساتھ لوگوں کے ذہن میں رہے گی، امام بخاریؒ نے یہ مجموعۂ حدیث جس عرق ریزی اور امانت داری ومحنت سے تیار کیا تھا، اس کو اہل علم کا سارا طبقہ تسلیم کرتا ہے، امام بخاریؒ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم جعفی بخاری کے نام سے معروف ہیں، امام بخاری شہر بخارا میں پیدا ہوئے اور وہ ان کی علمی زندگی کا مستقر رہا، تدفین سمرقند کے ایک مضافاتی قصبہ خرتنگ میں ہوئی، سمرقند و بخارا دونوں اس علاقہ کے بڑے شہر ہیں۔

امام بخاریؒ اپنی دس سال کی عمر میں علمی اشتغال اور ذہانت وحافظہ میں نمایاں ہونا شروع ہوگئے تھے، انہوں نے اس وقت کی اسلامی علمی دنیا میں سفر کر کے صحیح حدیثیں سننا اور حافظہ میں محفوظ کرنا شروع کر دیا تھا، انہوں نے حافظہ کی طاقت کا ایسا ثبوت دیا جو اپنی مثال آپ تھا، انہوں نے جلد ہی بہت وسیع ذخیرۂ حدیث اپنے حافظہ میں اکٹھا کر لیا، اس ذخیرہ سے چن چن کر انتہائی درجہ کی احتیاط کے ساتھ کتاب تیار کی، جو قرآن کریم کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب مانی جاتی ہے اور دنیا کی تمام اعلیٰ تعلیم کی درس گاہوں میں پڑھائی جاتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحیح بخاری کو ایسی مقبولیت عطا کی ہے کہ یہ کتاب ہر دور میں علمائے امت کی توجہ کا مرکز بنی رہی ہے اور اب تک اس کی بے شمار شرحیں منظر عام پر آچکی ہیں،

جو بجائے خود علم حدیث کے باب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ اسی طرح علم حدیث کا بہت سے ذوق رکھنے والوں نے صرف صحیح بخاری کے تراجم ابواب پر ہی ضخیم جلدیں تیار کر دیں۔

ہمیں خوشی ہے کہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے ممتاز استاد حدیث مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری نے صحیح بخاری پر وقیع علمی خدمت انجام دی اور اس کو اپنی تحقیق وتصنیف کا موضوع بنایا اور صحیح بخاری کی خصوصیات وامتیازات پر بھی گفتگو کی اور اس کے اہم مضامین پر کلام کیا اور قیمتی باتیں جمع کر دیں، جو ان شاء اللہ صحیح بخاری سے اشتغال رکھنے والوں کے لیے مفید ثابت ہوں گی، ہم موصوف کو اس علمی سوغات پر مبارک باد دیتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کتاب کو نافع بنائے اور مقبول کرے۔ آمین!

محمد رابع حسنی ندوی
ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ
۲۶ محرم الحرام ۱۴۴۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

عزیزی گرامی مولانا محمد خالد صاحب ندوی غازی پوری استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ''امام بخاری اور اُن کی کتاب کی خصوصیات'' کے عنوان پر ایک رسالہ مرتب کیا ہے، چونکہ موصوف قریب نصف صدی سے جامع صحیح بخاری کو پڑھا رہے ہیں، اس کتاب کی فنی خصوصیات اور اُن کے پیچیدہ مسائل واسرار سے پوری طرح مطلع ہیں۔ صحاح ستہ میں اس کتاب کا سب سے اُونچا مقام ہے، کسی استاذ حدیث کے امتیازات اور اُس کے کارنامے جاننے کے لئے اس کتاب میں اختصاص ضروری ہے، خاص طور پر ہمارے ہندوستان کے مدارس جہاں صحاح ستہ کی تدریس کا رواج ہے بلکہ اہتمام ہے، یہ سلسلہ ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ لائے انہوں نے مکمل کتاب کی تدریس کا رواج ڈالا اور بخاری شریف کے تراجم پر ایک رسالہ لکھا جس سے اُن کے اسرار سمجھنے میں پوری مدد ملتی ہے، چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے آگے چل کر اس کے پندرہ اصول بیان کئے اور اُن سب کو سامنے رکھ کر ہمارے استاذ وشیخ ومربی حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے غور وفکر کر کے ان تراجم کی روشنی میں اور اپنی ذاتی تحقیقات اور اپنے اکابر خاص طور پر امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کی تحقیقات کو شامل رکھ کر بخاری شریف کے تراجم کو سمجھنے کے لئے اصول (۷۰) ستر تک پہنچا دیئے جس سے کتاب کو سمجھنے میں ترجمۃ الباب اور حدیث کے درمیان ربط وتعلق معلوم کرنے کے لئے سہولت پیدا ہوگئی، کیوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقاصد میں احادیث صحیحہ کو جمع کرنا ہے اور استنباط مسائل وآداب بھی ہے، یہ درحقیقت ترتیب ربانی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ''إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ'' (الحجر: ۹) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور اس سے یہ بھی لازم آیا کہ اس کی شرح وبیان کی حفاظت کا ذمہ ہے، اس

کو اس طرح بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ یہ دین جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اس کا اللہ تعالیٰ محافظ ہے، جس زمانے میں اس دین کے لئے جس طرح کے افراد کی ضرورت تھی اس کو پیدا فرمایا اور الہامی طور پر اُن علماء کے دل میں اس کا الہام فرمایا جس کی زمانے کو ضرورت تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں احادیث شریف کا مجموعہ انفرادی طور پر لکھا گیا اور یہ سلسلہ آخر حیات تک باقی رہا پھر جب قرآن شریف کو رسمی طور پر جمع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، بیشک قرآن کریم کے صحابۂ کرام میں بہت سے حفاظ موجود تھے، ضرورت اس کی محسوس کی گئی کہ قرآن کریم کو بین الدفتین جمع کیا جائے، اسلام آئندہ عرب سے نکل کر عجم میں پھیلنے والا تھا وہاں اختلاف کا اندیشہ تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات ڈالی اور اُن کے اصرار پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور جماعت صحابہ کے قلوب میں یہ بات ڈالی اور ان کو اس پر شرح صدر ہو گیا کہ قرآن کریم بین الدفتین جمع کیا جائے۔

اسی طرح جب اسلام کو ضرورت تھی کہ حدیث شریف کی تدوین سرکاری طور پر عمل میں آئے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۱ھ کو کھڑا کر دیا، اسی طرح جب اسلام کو ضرورت تھی کہ احادیث صحیحہ کا مجموعہ تیار کیا جائے اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا وجود عمل میں آئے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجوسی اور مزارع خاندان سے جن کے پردادا کے والد مغیرہ اسلام لائے، اسی خاندان سے محمد بن اسماعیل کو پیدا فرمایا جو پیدائش کے بعد نابینا ہو گئے تھے، پھر اپنی والدہ کی دعاؤں کی برکت سے بینا ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن سے اتنی عظیم الشان کتاب کی تالیف کرنے کی سعادت نصیب فرمائی جس کو علماء امت نے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا لقب دیا جن کے شاگردوں کی تعداد نوے ہزار (۹۰۰۰۰) پہنچی ہے۔

مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری صاحب اوائل امام بخاری کے حالات تحریر کئے، ثانیاً انہوں نے حضرت امام بخاری کی کتاب کا دراسہ کیا، کتاب کے مزایا اور خصائص کو بیان کیا اور اس طرح سے اس کو پیش کیا کہ طلبہ اور اہل علم کے لئے یہ کتاب زیادہ سے زیادہ مفید بن سکے۔

یہ ناچیز اپنی صحت اور کثرت اشغال کی بنا پر پوری کتاب تو نہیں پڑھ سکا البتہ کچھ

صفحات پر جستہ جستہ نظر ڈال کر یہ تحریر لکھ رہا ہوں، ان شاء اللہ جس مقصد کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے زیادہ سے زیادہ اس سے فائدہ پہونچے گا، اللہ تعالیٰ طلبہ مدارس کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا عزیز کی کتاب کو قبول فرمائے اور اُن کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ ''وماذلک علی اللہ بعزیز''۔

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی
پروفیسر حدیث جامعہ محمد بن زید العلوم الانسانیہ، ابوظہبی
معتمد تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔
ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ۔

۱۲/۸/۲۰۲۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین أما بعد۔

امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ (۱۹۴ھ-۲۵۶ھ-۸۱۰ء-۸۷۰ء) ان عظیم شخصیات میں شامل ہیں، جنہوں نے احادیث رسول ﷺ کی خدمت میں وہ عظیم کارنامہ انجام دیا، جس کی بنا پر حضرت امام بخاریؒ کو رہتی دنیا تک یاد کیا جاتا رہے گا اور امام موصوف کی تصنیف کردہ کتاب "الجامع الصحیح" کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقبولیت عطا فرمائی ہے کہ اس کے بعد کسی کتاب کو ایسی شہرت اور قبولیت حاصل نہیں ہوئی، جس کے متعلق کہا جاتا ہے: "أصح الکتب بعد کتاب اللہ" امام نووی فرماتے ہیں: اتفق العلماء علی أن أصح الکتب بعد القرآن الکریم الصحیحان: صحیح البخاری، وصحیح مسلم، وتلقتھما الأمۃ بالقبول"، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وأمّا کتب الحدیث المعروفۃ مثل البخاری ومسلم فلیس تحت أدیم السماء کتاب أصح من البخاری ومسلم بعد القرآن"، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: "وکتاب البخاری الصحیح أجمع علی قبولہ وصحتہ مافیہ أھل الاسلام"، امام ذہبی فرماتے: "وأما جامع البخاری الصحیح فأجل کتب الاسلام وأفضلھا بعد کتاب اللہ تعالیٰ"۔

امام بخاری کا نسب یوں بیان کیا جاتا ہے: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بنت بردزبہ الجعفی الیمانی، آپ کی کنیت "ابوعبداللہ" ہے، اسی نام سے آپ کو شہرت حاصل

ہوئی، آپ کے پردادا حضرت مغیرہ نے والیٔ بخارا کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور آپ کے والد اسماعیل بن ابراہیم کا شمار اپنے وقت کے بڑے علماء میں ہوا کرتا تھا، وہ امام مالک کے شاگردوں میں تھے۔

امام بخاریؒ کی ولادت شہر بخاریٰ میں ہوئی جو ازبکستان کے شہروں میں بڑی مقبولیت اور شہرت رکھتا ہے، امام صاحب کو بچپن ہی سے حدیث شریف کے یاد کرنے کا شوق رہا اور جیسے جیسے آپ بڑے ہوتے گئے، یہ شوق مزید پروان چڑھتا گیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو حافظہ بھی بلا کا دیا تھا کہ جو بات سن یا دیکھ لیتے وہ ذہن میں محفوظ ہوجاتی، آپ کی ذہانت کے بہت سے واقعات کتابوں میں درج ہیں، آپ نے محض سولہ سال کی عمر میں حضرت عبداللہ بن مبارک جو کبار محدثین وعارفین میں ہیں کی کتابیں یاد کرلی تھیں، اسی طرح امام وکیع جو امام شافعی کے استاد ہیں کی کتابیں بھی یاد کرلی تھیں، آپ نے حرمین شریفین میں قیام کیا اور وہاں کے کبار محدثین سے علم حاصل کیا، علاوہ ازیں آپ نے حصول علم کے لئے مختلف ملکوں کا سفر بھی کیا جو اس زمانہ میں علم کے مراکز سمجھے جاتے تھے، جیسے بلخ، نیشاپور، بصرہ، کوفہ، مصر، شام، عراق، بغداد، حمص وغیرہ بقول امام بخاری کہ میں نے ایک ہزار سے زائد مشائخ سے استفادہ کیا ہے۔

امام بخاریؒ کی تصانیف میں "الجامع الصحیح" سب سے زیادہ مقبول اور معروف کتاب ہے، بڑے بڑے علماء ومحدثین نے اس کتاب کے معانی ومطالب اور شرح بیان کرنے میں اپنی عمر کا قیمتی سرمایہ لگایا ہے، اس کتاب کی فضلیت، اہمیت اور عظمت کا اندازہ ہم اس طرح لگا سکتے ہیں کہ امام صاحب جب بھی کوئی حدیث رواۃ واسناد کے اعتبار سے اس کی پوری تحقیق کرنے کے بعد اپنی کتاب میں درج کرنا چاہتے تو سب سے پہلے غسل کرتے، دو رکعت نماز پڑھتے، بعض روایت میں ہے کہ استخارہ بھی کرتے پھر اس کو کتاب میں تحریر فرماتے، حدیث کے اخذ کرنے میں آپ کی احتیاط کا عالم یہ تھا کہ اگر تھوڑا سا بھی کہیں شبہ ہوتا تو حدیث کو نہ لیتے، ایک مرتبہ ایک محدث کے پاس اخذ حدیث کی غرض سے گئے، ان محدث کا گھوڑا چھوٹ کر بھاگا تو محدث صاحب نے کپڑا اس طرح دکھایا کہ گھوڑا سمجھا کہ مجھے دانہ دیا

جائے گا، امام صاحب نے پوچھا کیا آپ کے کپڑے میں واقعی دانہ ہے، انہوں نے کہا: نہیں ،میں نے اس تدبیر سے اس کو بلایا ہے، امام صاحب نے فرمایا: "لاآخذ الحديث عمن يكذب على البهائم " (کہ جو شخص جانوروں کو دھوکا دیتا ہے، کیا وہ انسان کو دھوکہ نہیں دیتا ہوگا)۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں بہت سے علوم کو یکجا کردیئے ہیں، جن میں سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط ومناقب، یہ آٹھ علوم ہیں، اسی بنا پر امام بخاری نے اپنی صحیح کا نام الجامع رکھا، سب سے اہم بات یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنی کتاب میں صحیح احادیث کا حددرجہ اہتمام کیا ہے، بقول امام صاحب کہ "ماكتبت في الصحيح الاماصح وتركت كثيراً من الصحاح لحال الطول" امام قسطلانی رحمہ اللہ امام بخاری کا قول نقل فرماتے ہیں: "خرجته من نحو ستمائة ألف حديث وصنفته في ست عشرة سنة وجعلته حجة فيما بيني وبين الله" کہ میں نے ٦ لاکھ حدیثوں میں سے اس کتاب کا انتخاب کیا ہے (جبکہ کتاب میں بشمول مکررات ۷ ہزار پانچ سو ترسٹھ احادیث موجود ہیں) اور ١٦ رسال کا عرصہ اس کو لکھنے میں لگا ہے اور اس کو میں نے اپنے اور اپنے رب کے درمیان حجت بنایا ہے۔

بخاری شریف کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ اسے پڑھے بغیر کوئی عالم نہیں کہلاتا، دنیا بھر کے تمام مدارس میں یہ عظیم کتاب داخل نصاب ہے، بڑے بڑے محدثین متقدمین میں ہوں یا متاخرین میں اس کتاب پر کام کیا ہے اور ہر ناحیہ سے اس پر کام ہوتا رہا ہے، کوئی پہلو اس کا تشنہ نہیں ہے، اس کتاب میں بہت سے علوم اور خصوصیات موجود ہیں، جیسے "تراجم ابواب" ایک موضوع ہے، اس میدان میں امام بخاری سب سے ممتاز اور فائق نظر آتے ہیں، اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ "فقہ البخاری فی تراجمہ" اور ترجمۃ الباب سے حدیث کا تعلق اور مناسبت، بلاعنوان کے باب قائم کرنا، وغیرہ اسی طرح باب کے اختتام پر حدیث شریف کا انتخاب "براعة الامام البخاري في الأحاديث من اللفظ أو المعنى

مایشیر الی التأخیر و الختام"

اسی طرح تکرار احادیث کا موضوع ہے، امام صاحب ایک ہی حدیث کئی کئی جگہ بیان کرتے ہیں، لیکن ہر جگہ اس کا مقصد اور مطلوب مختلف ہوتا ہے۔ "لم یکن البخاری یکرر الأحادیث الا لفائدة فان منهجه قائم علی تقطیع الأحادیث ,و استنباط فوائدها ,قال ابن الملقن: وفائدته اظهار دقائق الحدیث ,و استنباط لطائفه وما اشتمل علیه من الفصول و الفروع ,و الزهد ,و الأمثال ,وغیرها من الفنون , وهذا هو مقصود البخاری بهذا الصحیح" حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث غزوہ خیبر کے سلسلہ میں امام بخاری نے ۳۶ مرتبہ مکرر ذکر کی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ان کے حج اور حیض سے متعلق ۳۵ مرتبہ ذکر کی ہے۔

بخاری شریف کی شرحیں سیکڑوں کی تعداد میں ہیں، بعض مشہور و معروف شرحوں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے: "فتح الباری فی شرح البخاری از حافظ ابن حجر عسقلانی، "ارشاد الساری" از امام شہاب الدین قسطلانی، "عمدۃ القاری" از علامہ بدرالدین عینی "الکوثر الجاری" از علامہ محمد کورانی شافعی ثم حنفی، "مصابیح الجامع" از علامہ الدمامینی، "منح الباری" از علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی شیرازی" الکواکب الدراری" از علامہ کرمانی، "فیض الباری" علامہ انور شاہ کشمیری، ان کے علاوہ بڑی تعداد ہے جنہوں نے بخاری شریف پر مختلف پہلوؤں سے کام کیا اور آج تک امام بخاریؒ اور آپ کی الجامع الصحیح پر عربی اردو کے علاوہ بھی مختلف زبانوں میں کام ہو رہا ہے اور امام بخاریؒ کے علوم کی نشر و اشاعت اور مکتبوں، لائبریریوں کی زینت کا سامان فراہم کیا جا رہا ہے۔

اس وقت راقم الحروف کے سامنے "صحیح بخاری کی خصوصیات" کے نام سے ایک کتاب موجود ہے، جو اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس کو ہمارے فاضل دوست مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری (استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے تالیف کیا ہے، مولانا موصوف کافی عرصہ سے دارالعلوم میں حدیث کی بڑی کتابوں کا درس دے رہے ہیں، آپ حدیث شریف

سے خاص اشتغال رکھتے ہیں، مولانا موصوف نے اردو زبان میں بخاری شریف کی خصوصیات کو ترتیب دے کر عوام وخواص اور خصوصا ہمارے عزیز طلباء کے لئے اچھا مواد جمع کر دیا ہے، مولانا نے بخاری شریف کی اکثر خصوصیات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اس طرح یہ مجموعہ حدیث شریف سے اختصاص اور اس سے اشتغال رکھنے والے حضرات کے لئے ایک بہترین تحفہ ہے، جس سے ان کے لئے استفادہ کرنا آسان ہوگا اور یہ کتاب ان شاء اللہ خدمت حدیث کے سلسلہ میں ایک عظیم سوغات ثابت ہوگی۔

راقم الحروف مولانا موصوف کو اس عظیم خدمت پر مبارک باد پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائیں مقبول بنائیں اور مولانا کے لئے ذخیرۂ آخرت اور حدیث شریف کی برکات سے مالامال فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

سعید الرحمن اعظمی ندوی
مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء
وایڈیٹر ماہنامہ ''البعث الاسلامی''
۴ر ذیقعدہ ۱۴۴۳ھ - ۵ر جون ۲۰۲۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاثرات

تمام امتوں میں اس امت کا یہ سب سے نمایاں امتیاز ہے کہ جب جیسی ضرورت پیش آئی اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے افراد تیار فرما دیے، فتنہ ارتداد سے لے کر فتنہ اعتزال تک تاریخ میں اس کی تاب ناک مثالیں موجود ہیں اور اس کے بعد بھی موجودہ دور تک ہر جگہ اور ہر زمانہ میں جیسے فتنے کھڑے ہوئے اس کے مقابلہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح ایسے افراد کھڑے کر دیے جنہوں نے ان فتنوں کا مقابلہ کیا اور امت کو صحیح غذا فراہم کی، اسلام کی پوری تاریخ دعوت وعزیمت ایسے اصحابِ دعوت وارشاد اور اصحابِ علم وعرفان سے روشن ہے جن کی نظیر دوسری قومیں پیش کرنے سے قاصر ہیں، صرف ایک شرح بخاری فتح الباری ہی کو لے لیجئے علم کا وہ ایسا سمندر ہے کہ دنیا کی کوئی قوم ایسی کتاب پیش نہیں کر سکتی، یہ امت امتِ علم ہے، علم کے وہ سوتے اس امت کے افراد سے جاری ہوئے ہیں جن سے ساری دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے اور قیامت تک فائدہ اٹھاتی رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام اس دین کے حامل وترجمان تھے، ان کے سینوں میں ارشادات نبوی کا وہ خزانہ تھا جس پر اس دین کی بنیاد ہے، جب وہ اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو پہلا مرحلہ ان ارشادات کی تدوین وحفاظت کا تھا، اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد پیدا فرمائے جنہوں نے چھان پھٹک کر احادیثِ رسول اللہ ﷺ کو لکھنا شروع کیا، دفتر کے دفتر تیار ہو گئے، امام زہری کی علمی خدمات کا اندازہ حضرت معمر کے اس بیان سے ہوتا ہے:

''ہم سمجھتے تھے کہ زہری سے ہم نے بہت کچھ حاصل کر لیا، لیکن جب ولید بن یزید کا قتل ہوا تو سرکاری خزانہ سے زہری کے علمی دفاتر سواریوں پر بار کر کے لائے گئے۔'' (تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ امام زہری)

احادیث رسول اللہ کے ساتھ اقوال صحابہ بھی شامل کیے گئے لیکن پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ۔

ابتداء کی دوصدیوں میں یہ کام ہوا اور خوب ہوا کہ دوسری صدی میں جب قویٰ کمزور ہونے لگے تو اس کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی کہ احادیث کے ایسے مختصر مجموعے تیار ہونے چاہئیں جن سے استفادہ آسان ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے بھی ایک ایسی جماعت تیار کردی جو ایک طرف علمی جہت کی شناور اس کی فنی باریکیوں کی ماہر تھی تو دوسری طرف زہد وتقویٰ اور اخلاص واحتیاط میں اس کو بلند مقام حاصل تھا، اس کے علاوہ اس جماعت کی بڑی خصوصیت اس کی وہ انتھک محنت اور مسلسل جدوجہد ہے جو بجائے خود قابل صد رشک ہے، اس جماعتِ محدثین نے حدیث کے خزانے کو جانچا اور پرکھا اور لاکھوں حدیثوں کا انتخاب امت کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے امت کے سامنے پیش کیا۔

اس جماعت کے سرخیل حضرت امام بخاریؒ ہیں جن کو اس پوری جماعت میں اولیت و تقدم حاصل ہے، ان کی سب سے بڑی خصوصیت صحیح ترین روایات کا انتخاب ہے، دوسرا ان کا سب سے بڑا امتیاز ان کے وہ تراجم ابواب ہیں جو علوم کا خزانہ ہیں اور اس سے امام صاحب کے تفقہ واستنباط کی زبردست صلاحیت سامنے آتی ہے۔

پوری اسلامی تاریخ میں صحابہ کرام کے بعد جو چند گنے چنے نقوش قیامت تک کے لیے سرمایۂ افتخار ہیں، ان میں امام بخاریؒ کا نام نامی بھی شامل ہے، ان کا احسان پوری امت پر یہ ہے کہ انہوں نے منتخب احادیث کا ایسا مجموعہ امت کے سامنے پیش کیا جس پر "**أصح الكتاب بعد كتاب الله**" کی مہر ثبت کردی گئی، علمائے امت نے قرآن مجید کے بعد اس کتاب کی جتنی خدمت کی کوئی دوسری کتاب اس کے قبول عام میں اس کی شریک نہیں، یہی وجہ ہے کہ امام صاحبؒ کی محبت احادیث وسنت سے شغف رکھنے والے ہر مسلمان کے دل میں ہے، بلکہ ایک عامی بھی کسی نہ کسی درجہ دل میں ان کے لیے ایک دھڑکن محسوس کرتا ہے، ان کو بجا طور پر "امیر المومنین فی الحدیث" کا لقب حاصل ہے، ان کی اس مقبولیت میں ان کی ذہانت، قوت حافظہ، محنت شاقہ کے علاوہ تقویٰ، دیانت داری، خشیت الٰہی اور اخلاص وللّٰہیت کو خاص دخل ہے، اکل حلال کے اہتمام کا بھی ان کی اس مقبولیت میں خاص حصہ ہے، جو صرف امام صاحبؒ ہی کا نہیں بلکہ ان کے خاندان کا امتیاز تھا۔

امام بخاری کی تصنیفات بیس سے زائد ہیں، لیکن جس کتاب نے امام صاحب کو چہار دانگ عالم میں شہرت بخشی، وہ ان کی مشہور زمانہ کتاب صحیح بخاری ہے، اس کی تین ایسی خصوصیتیں ہیں جن میں کوئی اس کا ہم سر نہیں، ایک اصحیت کتاب، دوسری جامعیت اور تیسری خصوصیت تراجم ابواب کی ہے، جس کو امام صاحب نے ایک مستقل فن بنا دیا ہے، وہ تراجم علوم وفنون کا خزانہ ہیں۔

کتاب کی اہمیت ضرورت اور افادیت کے پیش نظر علماء نے ہمیشہ ہر لحاظ سے اس کتاب کا اہتمام رکھا، اس کی جتنی شرحیں لکھی گئیں اس میں کوئی کتاب اس کی شریک نہیں، بعض محققین نے اس کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور شمار کی کوشش کی تو جو کتابیں صحیح بخاری سے متعلق لکھی گئیں، ان کی تعداد سات سو سے تجاوز کر گئی، جن میں صرف شروح کی تعداد تین سو سے زائد ہے۔

مقام مسرت ہے کہ استاد محترم مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری مدظلہ نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا اور خاص طور پر صحیح بخاری کے علوم ومعارف اور اس کے حقائق ودقائق کو پیش فرمایا، اپنے موضوع کے لحاظ سے یہ کتاب ممتاز ہے کہ اس میں بہت سی وہ باتیں وضاحت سے آگئی ہیں جو شاید بین السطور سے سمجھی جا سکتی تھیں، خاص طور پر بخاری پڑھنے والوں کے لیے یہ ایک بیش قیمت تحفہ ہے، مولانا کو حدیث پڑھاتے ہوئے چار دہائیاں گذر رہی ہیں، صحیح بخاری کا درس بھی عرصہ دراز سے وہ دے رہے ہیں، یہ ان کے علمی سفر کی ایک اچھی سوغات بھی ہے، جس سے انشاء اللہ فائدہ اٹھایا جائے گا، اللہ تعالیٰ مولانا کی عمر وصحت میں برکت عطا فرمائے اور اس کتاب کو قبول کرے۔ آمین!

بلال عبدالحی حسنی ندوی
مرکز الامام أبی الحسن الندوی، دار عرفات
وناظر عام
دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
۲۹/ ذی قعدہ ۱۴۴۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ حال

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد!

اللہ عزوجل نے اپنے دین کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے، لہٰذا وعدہ کے مطابق دین ابتدا سے آج تک اوران شاء اللہ قیامت تک اپنی اصالت کے ساتھ قائم رہے گا، اور ہر زمانے میں دین کے خادم پیدا ہوتے رہیں گے، اور شریعت حقہ کی مشاطگی کا فریضہ انجام دینے والے آتے رہیں گے، اُن کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی اور نہ اُن کا کام کسی زمانہ میں موقوف ہوسکتا ہے۔

پیغمبر آخر الزماں ختم الرسل سید الاوّلین والآخرین کے ذریعہ جو شریعت دنیا کو ملی اس کی تشریح وتوضیح آپ کے ارشادات کی روشنی میں کی جاتی رہی ہے، اللہ عزّوجلّ کا ارشاد ہے۔ "**وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا**" جو رسول اللہ تم کو حکم دیں اُسے قبول کرو اور جس سے منع کریں اس کے کرنے سے باز رہو۔

بعد کے ادوار خصوصاً تیسری صدی ہجری میں شرح وبسط کے ساتھ حدیث شریف کی خدمت کرنے والے سامنے آئے، جن میں ممتاز شخصیت امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ کی ہے، وہ اُن موفق حضرات میں ہیں جن سے دین وشریعت کی حفاظت اور حدیث وسنت کی خالص نہج پر تدوین کا عظیم الشان کارنامہ انجام پایا ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح ترین احادیث کو صرف جمع کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ آپ کے اخاذ ذہن، فکر رسا، دقت نظری اور شان اجتہاد نے علم ومعرفت کا ایسا دریا بہادیا ہے کہ اس کی تہوں میں چھپے ہوئے درہائے آبدار کی تلاش میں ہر زمانہ کے اہلِ علم و کمال کی جماعت سرگرم عمل رہی اور فیاض ازل نے جسے جس قدر علم ودانش سے نوازا ہے وہ اس اعتبار سے امام بخاری کے کمالات واجتہادات پر سر دھنتے رہے ہیں۔ خصوصاً امام بخاریؒ کے قائم کردہ تراجم

کے تعلق سے محدثین کی ایک جماعت نے بڑی قیمتی خدمات انجام دی ہے۔

پیش نظر کتاب سید المحدثین امیر المومنین فی الحدیث اور صحیح بخاری کی خصوصیات انہیں کاوشوں پر مشتمل ایک مختصر جائزہ ہے، جس میں اس فن پر کام کرنے والے متقدمین اور متاخرین کے رشحات قلم کا عطر کشید کر کے پیش کرنے کی کوشش کی گئی، اور اردو زبان میں اس کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خاص طور پر طلبا اس سے استفادہ کریں گے۔ اور اس فن کے مبتدی اساتذہ کے لئے بھی ایک خاصہ کی چیز ہوگی۔

اس کتاب کی تیاری میں بہت سے مراجع سے استفادہ کیا گیا ہے خاص طور سے جناب مولانا خالد سیف اللہ قاسمی صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ رشید العلوم گنگوہ کی سید المحدثین کا خاصہ حصہ بھی اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔

اسی طرح جناب مولانا محمد اقبال صاحب ٹنکاروی زید مجدہ کی مایۂ ناز کتاب امام بخاری کا طریقہ استدلال سے بھی بہت کچھ اخذ کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ ان کے ذریعہ آنے والی نسلوں کی علمی رہنمائی اور فقہی بصیرت کا سامان میسر آرہا ہے۔

اس کتاب کی تالیف میں دار العلوم کے استاد جناب مولانا عبد الرشید ندوی راجستھانی کا بھی بہت تعاون رہا ہے اللہ تعالیٰ اُن کے علم میں اضافہ فرمائے اور مزید علمی کاموں خصوصاً حدیث شریف کی خدمت کی توفیق سے نوازے، ہم مشکور ہیں اپنے مخدومین مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء دامت فیوضہم اور حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن الاعظمی ندوی مدظلہ مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء کہ انہوں نے اپنی عدیم الفرصتی اور ضعف ونقاہت کے باوجود مؤثر اور جامع مقدمہ تحریر فرما کر اس کتاب کی قیمت میں اضافہ فرمایا ہے۔

اس طرح محدث جلیل حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مدظلہ العالی معتمد تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء، حال مقیم العین ابوظہبی کے بھی مشکور ہیں کہ آں حضرت نے اس مجموعہ کو بنظر تحسین دیکھا اور بعض قیمتی مشوروں سے بھی نوازا اور پر مغز تقریظ سے اس کو سنوارا ہے، فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے ناظرِ عام نوجوان فاضل یگانہ خطیب جناب مولانا بلال

عبدالحی ندوی صاحب حفظہ اللہ کے بھی مشکور ہیں کہ انہوں نے اس مجموعہ کی تحسین فرمائی، اور بیش قیمت اپنے تأثرات سے کتاب کی افادیت میں اضافہ فرمایا۔

آخر میں طباعت کی ذمہ داری اور مصارف کے تعلق سے جن اہل خیر نے تعاون کیا ان سب کے خصوصاً مشکور ہیں جناب حافظ ادریس میمن صاحب صدر مسجد زکریا بولٹن برطانیہ کے جن کا اس سلسلہ میں خصوصی کرم فرمائی حاصل رہی، اور جناب ناصر الدین بن تقی الدین الندوی کے بھی مشکور ہیں کہ موصوف کی خصوصی عنایت سے طباعت کا مرحلہ آسان ہوا، اسی طرح جناب مولانا کلام الدین ندوی صاحب مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے مشکور ہیں کہ اُن کی خصوصی توجہ سے یہ کتاب قارئین کے ہاتھوں میں پہونچ سکی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلصین کو اس کا صلہ اور اجرِ عظیم عطا فرمائے اور بندہ کی حقیر کوشش اس موضوع پر قابل قبول ہو جائے۔ (آمین) فللہ الحمد علی ذلک۔

محمد خالد ندوی غازی پوری
استاد حدیث وعمید کلیۃ الدعوۃ والاعلام
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۲ ربیع الاول ۱۴۴۴ھ - ۲۹ ستمبر ۲۰۲۲ء

باب اول

سیرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب، ولادت باسعادت

امام عالی مقام کا اسم گرامی محمد ہے، والد بزرگوار کا نام اسماعیل ہے، دادا کا نام ابراہیم، ان کے والد مغیرہ ہیں، ان کے والد بردِزبہ ہیں، نسب اس طرح ہے: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ بن بردِزبہ الجعفی الیمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت کی کنیت ابوعبداللہ ہے بقول علامہ ذہبیؒ بردِزبہ کے معنی بخاری زبان میں زرّاع یعنی کاشتکار کے ہوتے ہیں، جیسا کہ اہل بخاریٰ کہتے تھے۔

بردِزبہ مجوسی تھے، مسلمان نہیں ہوئے، مجوسیت پر ہی ان کا انتقال ہوا تھا۔ آپ کے اجداد میں سب سے پہلے اسلام کی سعادت حضرت مغیرہ کے حصہ میں آئی وہ اس دور کے والیٔ بخاریٰ یمان الجعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور بخاریٰ میں ہی قیام پذیر ہو گئے تھے، اس وجہ سے نسبت ولاء اسلام کی وجہ سے جعفی اور بخاریٰ کی طرف نسبت کی وجہ سے بخاری کہلاتے تھے، اس کی طرف امام رحمۃ اللہ علیہ منسوب کئے جاتے ہیں۔

اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جو کوئی شخص کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا اس کی طرف منسوب ہوتا تھا اور یہ طریقہ ودستور روایت کے مطابق ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے جلد ثانی ص ۳۱ر پر باب قائم کیا ہے۔ "باب ماجاء فی الرجل یسلم علی یدی الرجل"۔

عن تمیم الداری قال سألت رسول اللہ ﷺ ماالسنة فی الرجل من اھل الشرک یسلم علی ید رجل من المسلمین فقال ھو اولی الناس بحیاته ومماته۔

اسی روایت کے مطابق احنافؒ کا مسلک ہے، امام بخاری کے والد بزرگوار حضرت اسماعیل بن ابراہیم بڑے عالم آدمی تھے، بقول امام بخاریؒ کے میرے والد صاحب امام مالکؒ کے شاگرد تھے، ان سے احادیث شریفہ کا سماع کیا تھا اور انھوں نے حضرت حماد بن زیدؒ کی زیارت کی تھی اور حضرت عبداللہ بن المبارکؒ سے مصافحہ کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔ علامہ ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں امام بخاری کے والد

بزرگوار کو طبقہ رابعہ میں ذکر کیا ہے۔

علامہ ذہبی نے تاریخ الاسلام میں فرمایا ہے کہ امام بخاری کے والد بزرگوار متقی علماء میں سے تھے، اور بڑے مالدار غنی آدمی تھے، احمد بن حفص کہتے ہیں کہ آپ کے تورع اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ میں امام بخاری کے والد بزرگوار اسماعیل بن ابراہیم کے نزع کے عالم میں ان کے پاس تھا، اس وقت انھوں نے فرمایا کہ میرے مال میں ایک درہم بھی مشتبہ اور مشکوک مال نہیں ہے، سب کا سب مکمل حلال اور طیب ہے، یہ سن کر میں اپنے آپ کو صغیر اور حقیر محسوس کرنے لگا کہ میں اس مرتبہ کا آدمی نہیں ہوں جس مرتبہ کے یہ بزرگ ہیں، **فقال احمد فتصاغرت الیٰ نفسی عند ذلک**۔ (قسطلانی، ج اول ص ۳۱)

واقعہ بھی یہی ہے کہ عالم اور عابد ہونا آسان ہے مگر مال کے معاملہ میں محتاط اور پرہیزگار رہنا آسان کام نہیں ہے، یہ کامل التقویٰ اور خاشع اور خائف من اللہ انسان ہی کا حال ہوسکتا ہے، فی زمانا یہ چیز عنقا ہوتی جارہی ہے، اسی وجہ سے علم کے اثرات بھی کم ہوتے جارہے ہیں، امام بخاری کے دادا حضرت ابراہیم کے بارے میں حافظ الدنیا علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہمیں ان کے حالات کا علم نہیں ہے۔

امام بخاری کی پیدائش

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب بستان المحدثین ص ۲۶۷ رمیں فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی ولادت باسعادت یوم جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد ہوئی، اللہ پاک نے سیدالمحدثین کے لئے سیدالایام کو منتخب فرمایا، اس میں اس طرف اشارہ ہوسکتا ہے کہ سیدالایام میں پیدا ہونے والا یہ بچہ اپنے وقت کا سیدالمحدثین امام الکاملین قدوۃ الراسخین ہوگا۔ جائے ولادت بخاریٰ ہے، بخاریٰ ماوراء النہر کا ایک عظیم الشان تاریخی مقام ہے۔

بخاریٰ ایک تاریخی شہر

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بخاری محض چند صدیاں پرانا شہر نہیں ہے، یہ تو

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے بھی تین سو تیس سال پرانا ہے، جب اسکندر اعظم یہاں سے گزرا یہ اس وقت بھی تجارت وثقافت کا اہم مرکز تھا، ابتداء میں یہاں بدھ مت سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد تھے انہوں نے اپنی عبادت گاہ کا نام دیہارہ رکھا جو وقت کے ساتھ بے خارہ اور پھر بخاریٰ بن گیا، اسی نام سے یہ شہر مشہور ہوا۔

آٹھویں صدی تک یہ شہر زرتشت مذہب والوں کا اہم مرکز تھا، جب ۷۱۱ء میں محمد بن قاسم بحیرۂ عرب پار کر کے سندھ میں داخل ہوئے عین اسی وقت ایک عرب جرنیل قتیبہ ابن مسلم، ''آمو'' دریا پار کر کے وسط ایشیا میں داخل ہوئے، دو برس کے اندر بخاری وسمرقند کو فتح کرتے ہوئے مشرق میں سنکیانگ اور کاشغر تک پہونچ گئے، یہ اس علاقے کی فوجی فتح تھی ورنہ دین اسلام تو یہاں بہت پہلے حضرت قثم ابن عباسؓ اور حضرت سعید بن عثمان بن عفان کے ذریعہ سے آچکا تھا۔

بچپن میں بصارت کا فقدان اور عود کرنا

بچپن میں کسی بیماری کی وجہ سے امام بخاری کی نظر چلی گئی تھی، یہ دیکھ کر آپ کی والدہ ماجدہ کو بیحد صدمہ اور دکھ ہوتا تھا، انھوں نے اللہ پاک کے سامنے خوب رو رو کر دعائیں کیں یہاں تک کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کو خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کا شرف نصیب ہوا۔

وہ فرماتے تھے کہ اے اللہ کی بندی! دیکھ تیری دعاؤں اور رونے کی وجہ سے اللہ پاک نے تیرے بیٹے کی بینائی لوٹادی، صبح ہوئی تو آپ کی نظر بالکل صحیح ہوگئی تھی۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۳۹۳ ج ۱۳)

اس واقعہ سے امام بخاریؒ کی والدہ ماجدہ کی کرامت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ کس قدر اللہ والی خاتون تھیں اور عابدہ، زاہدہ ومستجاب الدعاء عورت تھیں، امام بخاریؒ کے والد کا انتقال ہوگیا تھا اور ابھی آپ بچے ہی تھے، اس لئے آپ کی ساری تربیت والدہ ماجدہ نے فرمائی تھی۔

آغاز تعلیم

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ امام بخاری سے معلوم کیا کہ حضرت ہمیں بتایئے کہ آپ کے معاملہ کی شروعات کیسے ہوئی؟ یعنی آپ نے علم حدیث کا آغاز کیسے کیا؟ اس پر حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا کہ جب میں مکتب میں بچوں کے ساتھ پڑھتا تھا تب ہی سے حدیث پاک حفظ کرنے کا شوق میرے دل میں منجانب اللہ ڈالا گیا، میں نے پوچھا کہ حضرت آپ کی عمر اس وقت کتنی تھی؟ فرمایا صرف دس سال یا اس سے بھی کم تھی۔

مکتب سے نکل کر میں نے محدث داخلی وغیرہ کے یہاں جانا شروع کر دیا تھا، ایک دن محدث داخلیؒ لوگوں کے سامنے حدیث بیان کر رہے تھے، حدیث بیان کرتے وقت انھوں نے فرمایا: سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم اس سند پر میں نے اپنے استاذ محترم سے عرض کیا کہ حضرت یہ اس طرح نہیں ہے، کیوں کہ ابوزبیر کا سماع ابراہیم سے نہیں ہے، اس پر انھوں نے بچہ سمجھ کر جھڑک دیا، بخاری کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت اصل نسخہ دیکھ لیجئے، اندر تشریف لے گئے اور اصل نسخہ دیکھ کر آئے اور مجھ سے فرمایا: اے بچے! پھر کس طرح ہے؟ میں نے عرض کیا: زبیر بن عدی عن ابراہیم ہے، حضرت الاستاذ نے قلم لیا اور اپنی کتاب کو صحیح کیا جس میں پڑھا رہے تھے اور بات کی تصدیق فرمائی، محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت امام اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی جب آپ نے استاذ صاحب کو لقمہ دیا تھا اور تصحیح فرمائی تھی؟ فرمایا اس وقت میری عمر کُل گیارہ سال تھی۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۳۹۳ ج ۱۲)

اس واقعہ سے امام بخاری کا استحضار اور جرأت علمی دونوں کا اندازہ ہوتا ہے اور محدث داخلی کی سلامت طبع اور تواضع کا بھی پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے ایک صغیر السن بچہ کی بات کو بھرے مجمع کے سامنے قبول کر لیا جب ان کو احساس ہو گیا کہ یہ صحیح کہتا ہے، اس سے امام بخاری اور ان کے استاذ گرامی دونوں کی رفعت شان کا اندازہ ہوتا ہے، اس کے بعد سے استاذ کی نظر میں شاگرد کی اہمیت اور بھی زیادہ ہو گئی تھی۔

جب آپ کی عمر مبارک ۱۶ رسال کی تھی، اس وقت آپ نے حضرت عبداللہ بن المبارکؒ جو کبار محدثین وفقہاء وعارفین میں سے ہیں، ان کی کتب یاد کر لی تھیں، اسی طرح امام وکیع استاذ امام شافعی تلمیذ امام اعظم کی کتب کو حفظ فرمالیا تھا، عبداللہ بن المبارک اور امام وکیع دونوں امام اعظم کے خاص شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں، دونوں اپنے دور کے بزرگ اور ائمہ دین مانے جاتے تھے، گویا بچپن ہی میں امام بخاری کو امام اعظم کا فیضان علمی بواسطہ ان کے تلامذہ کی کتب کے حاصل ہوا پھر وہ امام اعظمؒ سے تکدر کس طرح رکھ سکتے ہیں؟۔

بلکہ خود اعتراف فرماتے ہیں **وعرفت کلام ھولاء یعنی أصحاب الرأی** یعنی میں اصحاب الرای کے کلام کو جاننے لگا اور اس سے استفادہ کرتا تھا، اگر چہ امام بخاری نے بعد میں اپنے اجتہاد سے بعض مقامات پر مخالفت بھی کی ہے، یہ علمی اور معنوی اختلاف ہے، مخالفت نہیں ہے، ان کو بلکہ ہر مجتہدین وقت کو حق ہوتا ہے جو انھوں نے استعمال فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ علمی دیانت اور رسوخ کا متقاضی ہے۔

خود امام اعظمؒ کے تلامذہ نے بہت سے مقامات پر آپ سے اختلاف کیا ہے اور امام اعظم نے منع نہیں فرمایا بلکہ قسم دے کر فرمایا کہ دلائل کو دیکھو، صرف میری رائے اور کلام کی تقلید نہ کرنا، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے رسم المفتی میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

امام بخاریؒ کا طلب علم میں لگنا

کچھ بڑے ہو کر امام بخاریؒ اپنے بھائی احمد اور اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ مکہ معظمہ حج کے لئے گئے، بھائی صاحب والدہ صاحبہ کے ساتھ واپس آ گئے اور امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ میں علم حدیث کی طلب میں وہیں رہ گیا اور وہاں کبار مشائخ سے استفادہ کرتا رہا۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۴۰۰ ج ۱۲)

امام بخاریؒ کے اسفار عالیہ

حرمین شریفین کے علاوہ امام بخاری نے اس وقت کے تمام بلاد اسلامیہ کا سفر کیا

اور سخت تکلیفیں اور پریشانیاں برداشت کر کے ہر جگہ کے مشائخ سے علم حاصل کیا۔ بلخ، نیشاپور، بصرہ، کوفہ، مصر، شام، عراق، بغداد، مرو، واسط، دمشق، قیساریہ، عسقلان، حمص جہاں بھی کوئی محدث معلوم ہوتا وہاں جاتے اور استفادہ کرتے، اسی وجہ سے آپ کے اساتذہ کی تعداد ہزار سے متجاوز ہوگئی، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ۱۰۸۰ (ایک ہزار اسی) مشائخ سے استفادہ کیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۳۹۵ ج ۱۲)

بغداد شریف علماء، محدثین، فقہاء، صلحاء کا مرکز تھا، اس وجہ سے وہاں امام بخاریؒ تقریباً ۸ رمرتبہ گئے، امام احمد کا قیام بغداد میں ہی تھا، ان سے کثرت سے ملاقات کر کے فیض یاب ہوتے تھے، امام احمدؒ جیسے محدث، فقیہ بغداد ہی میں رہنے پر اصرار کرتے تھے، اور فرماتے کہ اے ابوعبداللہ! علم اور اہل علم کو چھوڑ کر تم کہاں خراسان جا رہے ہو، بعد میں امام بخاری کہتے تھے کہ اب میں امام احمد کے قول کو یاد کرتا ہوں۔

۱۷ رسال کی عمر میں درس دینا

ابوبکر الاعین بیان کرتے ہیں کہ ہم نے محمد بن یوسف فریابی کو دیکھا کہ دروازہ پر امام بخاریؒ سے احادیث سن کر لکھتے حالانکہ امام بخاریؒ کے چہرہ پر داڑھی کا ایک بال بھی نہ تھا اور اس وقت ان کی عمر کل ۱۷ رسال تھی۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۰۱ ج ۱۲)

۱۸ رسال کی عمر میں تصنیف کا آغاز

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ جب میں ۱۸ رسال کا تھا تو میں نے قضایا الصحابہ والتابعین اور ان کے اقوال کو جمع کیا اور یہ عبیداللہ بن موسیٰ کا زمانہ تھا اور میں نے کتاب التاریخ روضۂ اقدس کے قریب بیٹھ کر چاندنی راتوں میں لکھی اور ہر محدث کا کوئی نہ کوئی واقعہ مجھے معلوم تھا مگر میں نے تطویل کتاب کے خوف سے ترک کر دیا۔

امام بخاریؒ کا قد اور جسم

امام بخاریؒ نحیف جسم کے بزرگ تھے اور قد معتدل اور متوسط انداز کا تھا جیسا کہ

بستان المحدثین میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا ہے کہ:

نحیف الجثہ بود نہ دراز قامت نہ پست بلکہ میانہ قامت کہ آپ کمزور جسم کے تھے اور نہ کوتاہ قد بلکہ درمیانہ قدر کھتے تھے۔ (بستان المحدثین، ص ۲۶۶)

حضرت امام کا علمی شوق

علمی شوق کا یہ عالم تھا کہ صرف سولہ سال کی عمر میں آپ نے عبداللہ بن المبارک کی کتابوں کو اور امام وکیع کی کتابوں کو حفظ کر لیا تھا، عباس دوری کہتے ہیں کہ میں نے علم حدیث کی طلب میں محنت کرنے والا محمد بن اسماعیل جیسا نہیں دیکھا، ہر شئی لکھا کرتے تھے، لہٰذا اے لوگو! تم بھی محمد بن اسماعیل بخاری سے جو سنا کرو لکھا کرو۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۴۰۶ ج ۱۲)

امام بخاری کا قوتِ حافظہ اور ملکۂ یادداشت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو علمِ حدیث میں ایک محیر العقول کارنامہ آپ سے کرانا تھا، اس لئے آپ کو ایسا حافظہ عنایت فرمایا گیا جس کو اگر کرامت کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا اور یہ بھی درحقیقت معجزہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ آپ کی امت کے ایک فرد کو اور وہ بھی جو عجمی النسل ہے، عربی نہیں ہے، ایسا دل ودماغ اور قوتِ حفظ، ضبط واتقان کی صلاحیت عطا فرمائی گئی جس نے لوگوں کو حیران وششدر کر کے رکھ دیا، درحقیقت یہ حفظِ دین کے لئے ضروری تھا، محمد بن احمد جن کا لقب غنجار ہے، جو بخاری کے باشندہ ہیں اور بڑے زبردست مؤرخ ہیں، تاریخ بخاری کے مؤلف ہیں، اپنی سند کے ساتھ تاریخ بخاری میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے فرمایا کہ میں نے ایک ہزار علماء اور مشائخ حدیث سے علم حدیث سیکھا اور روایات لی ہیں، اور ہر ایک سے دس ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ روایات میرے پاس ہیں اور ہر ایک حدیث کی مکمل سند مجھے یاد ہے۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۴۰۷ ج ۱۲۔ طبقات الشافعیہ، ص ۲۲۲ ج ۲)

اس طرح یہ ذخیرۂ روایات واحادیث ۱۰/لاکھ بنتا ہے جو امام بخاریؒ کو یاد تھا جس سے امام نے انتخاب فرمایا۔

اس قدر قوی حافظہ اللہ اکبر، اللہ پاک کی ایک خاص رحمت اور ایک خاص عنایت اور کرم وفضل سے ہی کسی بندہ کو مل سکتا ہے، جس سے کوئی بڑا کام لینا ہو چنانچہ آپ سے جو کارنامہ وجود پذیر ہوا وہ سب نے دیکھ لیا اور آپ کا فیضان بڑے سمندروں کی طرح جاری ہو گیا، جس طرح بڑے بڑے سمندروں سے دنیا سیراب ہوتی ہے۔

اسی طرح بخاری شریف جو علم حدیث کا ایک گہرا سمندر ہے، دنیا سیراب ہو رہی ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک سیراب ہوتی رہے گی۔

محمد بن ابی حاتم ورّاق کہتے ہیں کہ میں نے حاشد بن اسماعیل اور دوسرے بزرگوں کو سنا کہتے تھے کہ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ہمارے ساتھ مشائخ بصرہ کے پاس جاتے تھے اور وہ ابھی بچے تھے، صرف سنتے تھے لکھتے نہیں تھے، یہاں تک کہ کچھ روز اسی طرح گذر گئے تو ہم نے ان سے کہا کہ تم ایسے ہی وقت ضائع کرتے ہو صرف سنتے ہو، لکھتے کچھ بھی نہیں ہو، تمہیں کیا فائدہ ہو رہا ہے تو انھوں نے ہم سے کہا تم لوگوں نے مجھ کو اس بارے میں پریشان ہی کر دیا ہے، اچھا دکھاؤ تم نے کیا لکھا ہے ہم نے دکھایا جو ہمارے پاس تھا۔

وہ سب پندرہ ہزار احادیث کا مجموعہ بنتا تھا جو ہم نے ان کے سامنے رکھا، کہا اب سنو اور یہ فرمایا کہ انھوں نے وہ سب ہم کو سنانا شروع کر دیا اور ہم اپنے لکھے ہوئے سے ملاتے جاتے تھے، ہم نے بالکل درست پایا، پھر فرمایا کہ تم میرے آنے جانے کو بالکل فضول و بے کار سمجھتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ میں اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ ہم سب نے جان لیا ان سے کوئی آگے نہیں بڑھ سکتا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۴۰۸ ج ۱۲۔ طبقات الشافعیہ ص ۲۱۷ ج ۲)

اور لکھتے ہیں کہ بصرہ کے ماہرین علم بخاری کے پیچھے دوڑتے تھے حالانکہ وہ نوجوان تھے اور ان کو کسی جگہ بٹھا لیتے، اور ہزاروں آدمی وہاں جمع ہو جاتے، اکثر حضرات ان سے سن کر احادیث شریفہ لکھا کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۰۸ ج ۱۲)

چند ہی روز میں امام بخاری کی شہرت آسمان پر پہنچ گئی جو سنتا، دیکھنے، زیارت و

ملاقات کرنے اور سننے اور لکھنے کے لئے بیتاب ہوجاتا۔

مؤرخ بخاریٰ غنجارؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ علی بن حسین بیکندیؒ کہتے ہیں کہ امام بخاری قدس سرہ ہمارے پاس تشریف لائے، ہم سب آپ کے ساتھ جمع ہوگئے، ہم میں سے بعض نے کہا کہ میں نے محمد بن اسحاق بن راہویہ (امام کے استاذ ہیں) سے سنا کہ الحمدللہ مجھے ۷۰ ہزار روایات ازبر یاد ہیں، گویا وہ سب احادیث میری نظروں میں گھوم رہی ہیں جو میری کتابوں میں محفوظ ہیں یہ سن کر امام بخاری نے فرمایا کہ تم اس پر تعجب کرتے ہو حالانکہ اس دور میں ایک ایسا بھی انسان ہے جس کو دو لاکھ روایات یاد ہیں، اس سے حضرت امام بخاریؒ نے اپنی ذات ہی کو مراد لیا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۴۱۶ ج ۱۲۔ طبقات الشافعیہ ص ۲۱۸ ج ۲)

محمد بن سلام بیکندی کی مدح

محمد بن سلام بیکندی امام بخاری کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں، سُلیم بن مجاہد کہتے ہیں کہ ایک روز میں محمد بن سلام کے پاس بیٹھا تھا تو فرمایا کہ اگر تم کچھ دیر قبل آتے تو تم کو اپنا ایک شاگرد جو نہایت قلیل العمر ہے ایسا دکھاتا جو ایک معجزہ ہے (ستر ہزار احادیث جس کو یاد ہیں) کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں خود ان کی تلاش میں نکل گیا یہاں تک کہ میں نے ان کو پالیا اور ان سے معلوم کیا تمہیں ستر ہزار احادیث حفظ ہیں تم ایسا دعویٰ کرتے ہو؟ کہا کہ یہ بات صحیح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ احادیث یاد ہیں، اور جس صحابی اور تابعی کی روایت بیان کروں گا ان کی پیدائش کی تاریخیں اور ان کی وفات کی تاریخیں اور ان کے ٹھکانے بھی بتادوں گا، اور جو بیان کروں گا اس پر کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دلیل بھی قائم کروں گا۔ محمد بن سلام کہا کرتے تھے کہ مجھ پر اپنے شاگرد کا رعب رہتا ہے جب تک وہ چلے نہ جائیں۔ (طبقات الشافعیہ، ص ۲۲۲ ج ۲)

کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں چار بزرگ حفظ کی قوت میں مشہور تھے، خراسان میں امام ابوزرعہ رازیؒ، بخاریٰ میں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ، سمرقند میں عبداللہ بن عبدالرحمن

الداریؒ، اور بلخ میں حسن بن شجاعؒ۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۲۳۴ ج ۱۲۔ تاریخ دمشق ص ۲۴ ج ۲۲)

آپ کے ضبط و اتقان کی قوت اور یادداشت میں استحکام کی طاقت کو آپ کے اساتذہ کبار بھی تسلیم کرتے تھے، یہاں تک کہ بڑے بڑے اساتذہ اپنی کتابوں کی اصلاح و درستگی آپ سے کرایا کرتے تھے، چنانچہ عبداللہ بن یوسف کہا کرتے تھے: اے محمد بن اسماعیل! ہماری کتابوں کو دیکھ لو اور جہاں اس میں کوئی بات ناقابلِ اعتبار سمجھو اس کو ختم کر دو اور مجھے بتاؤ کہ کہاں کہاں اس میں غلطیاں ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۱۹ ج ۱۲)

امام بخاری کہتے ہیں کہ جب میں اپنے استاذ جلیل سلیمان بن حرب کے پاس جاتا تو وہ مجھ سے فرمایا کرتے کہ امام شعبہ کی اغلاط کی نشاندہی کرو۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۴۱۹ ج ۱۲)

حاشد ابن اسماعیل کہتے ہیں کہ محمد بن اسماعیل ایک بار اپنے استاذ و شیخ سلیمان بن حرب کی خدمت میں آئے، حضرت سلیمان نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ ایک زمانہ میں محمد بن اسماعیل کی شہرت بامِ عروج پر ہوگی۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۲۰ ج ۱۲)

اللہ پاک نے حضرت امام کو عجیب و غریب قوتِ حافظہ عطا فرمایا تھا، اس کو سن کر لوگ حیران ہو جاتے، بعض یقین کر لیتے اور بعض امتحان لینے کے لئے تیار ہو جاتے، چنانچہ کئی موقعوں پر لوگوں نے آپ کا امتحان لیا مگر اللہ پاک نے ہر جگہ آپ کو کامیاب فرمایا۔

قوتِ حافظہ کے امتحان کا ایک قصہ سمرقند میں پیش آیا، جس کی تفصیل اس طرح ہے، سُلیم بن مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا کہ جب امام بخاری قدس سرہ سمرقند تشریف لائے تو چار سو علماءِ حدیث جمع ہو گئے اور سات دن تک مشورے کرتے رہے، پروگرام بناتے رہے کہ کس طرح محمد بن اسماعیل کا امتحان لیا جائے، آخر کار یہ طے پایا کہ کچھ حدیثوں کی سندوں اور متون میں تغیر و تبدل کر کے پیش کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، بہت سی روایتوں کی سندوں میں اور بہت سی روایتوں کی متنوں میں تبدیلی کر دی گئی اور وہ آپ کے سامنے پڑھی گئی لیکن امام بخاریؒ نے اس سب کو سنا اور کسی کے مغالطہ میں نہ

آئے اور آپ نے ہر ایک چیز صاف صاف اور بالکل واضح طور پر بیان کر دی، اس کو دیکھ کر لوگ حیران رہ گئے۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۴۱ ج ۱۲)

اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ بغداد میں پیش آیا چنانچہ ابن عدی کہتے ہیں کہ میں نے بہت سے مشائخ سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ امام بخاریؒ جب بغداد تشریف لائے تو آپ کی شہرت کی وجہ سے وہاں علماء و مشائخ حدیث کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا اور انھوں نے آپ کا امتحان لینے کے لئے سو حدیثیں منتخب کیں ان کی سندوں اور متنوں میں تبدیلی کی اور ہر ایک نے دس دس روایات امام کے سامنے رکھیں، امام بخاری نے ہر ایک کے جواب میں فرمایا: لا اعرفہ یہ سن کر لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور کہہ رہے تھے یہ شخص سمجھ گیا ہے، اور بعض نے یہ سمجھا کہ امام نے اپنے عاجز ہونے کا اقرار کر لیا ہے، جب حضرت نے ان کی بیان کردہ تمام روایات کو سنا دیا اور پھر صحیح سندوں اور صحیح متنوں کے ساتھ سنایا تو لوگ حیران رہ گئے اور ساتھ ساتھ آپ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ اے فلاں! تو نے یہ روایت ایسے بیان کی اور صحیح اس طرح ہے اس کو دیکھ کر سب لوگ آپ کے قوتِ حافظہ کے قائل اور معترف ہو گئے۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۴۰۹ ج ۱۲۔ طبقات الشافعیہ ص ۲۱۹ ج ۲)۔

سبحان اللہ العظیم اس قصہ سے آپ کی بے مثال قوتِ حفظ کا کمال ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے صحیح روایات کو بھی سنایا اور محض ایک دفعہ سن کر ان کی بیان کردہ غلط روایات بھی سنا دیں جو بڑی عجیب بات ہے۔

امام بخاریؒ امام مالک کے مشابہ تھے

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مجھے ابو مصعب الزھری نے بتایا کہ محمد بن اسماعیل البخاری ہماری نظر میں امام احمد بن حنبل سے زیادہ بڑے فقیہ اور محدث ہیں، یہ سن کر میں نے کہا کہ تم نے حد سے تجاوز کر لیا ہے، کہنے لگے نہیں اگر تم امام مالکؒ کو پاتے اور ان کو دیکھ کر امام بخاری کو دیکھتے تو تم کہتے کہ دونوں حدیث و فقہ میں ایک جیسے ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۴۲۰ ج ۱۲)۔

ویسے بھی امام بخاریؒ کو امام مالک کے ساتھ عادات و اخلاق اور علم کی قدر و اہمیت میں بھی بڑی مشابہت تھی، جس پر یہ قصہ دلالت کرتا ہے جو فضل الباری، ص ۶۷ ج اول میں مذکور ہوا ہے۔

لکھتے ہیں خلیفہ ہارون الرشید امام مالکؒ کا معتقد تھا اور بہت ہی ادب کرتا تھا، ایک مرتبہ اپنے بیٹوں امین و مامون کو ساتھ لے کر امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اپنی کتاب مؤطا سے کچھ ہمیں سنایئے۔

امام مالک کا طریقۂ درس یہ نہیں تھا کہ استاذ پڑھے اور طلبہ سنیں بلکہ عام عادت امام کی اس کے برعکس تھی، البتہ احیاناً کسی خصوصیت کی بنا پر اپنی اس عادت کے خلاف خود ہی سناتے تھے چنانچہ امام محمد بن الحسن صاحب خلیفہ کو امام مالک نے پانچ سو احادیث پڑھ کر سنائیں، یہ امام کی خصوصیت تھی، امام مالک نے خلیفہ ہارون رشید کی درخواست کے جواب میں فرمایا کہ میں نہیں سناؤں گا اگر مجھ سے استفادہ چاہتے ہو تو پڑھ کر سناؤ میں سنوں گا، خلیفہ نے اس کو منظور کر لیا لیکن یہ خواہش کی کہ اس درس میں عام طلبہ کو شریک نہ کیا جائے۔

امام مالکؒ نے اس بات کو بھی پسند نہ کیا اور فرمایا کہ جن علومِ دین سے خواص کی رعایت کی بنا پر عوام کو روکا جائے تو خواص کو بھی ان سے نفع نہیں پہنچتا، امام مالک نے درسِ حدیث کے آداب کو اس قدر ملحوظ رکھا کہ خلیفہ کی بھی اس بارے میں پرواہ نہ کی۔

اسی طرح ایک واقعہ امام بخاریؒ کو بھی پیش آیا تھا امام سفر سے بخارا واپس آنے والے تھے، اہلِ بخاریٰ کو امام کی آمد کا حال معلوم ہوا، تمام اہلِ بخاریٰ نے شاندار استقبال کی تیاری کی دور دور تک سرِ راہ قبّے قائم کئے گئے، لوگ ہزاروں کی تعداد میں جب استقبال کے لئے نکلے تو خالد بن محمد ذھلی حاکم بخاریٰ بذاتِ خود امام کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکل آیا اور بہت تعظیم و تکریم کی امام کے پاس طلبۂ حدیث جمع ہو گئے مسجد میں درس ہونے لگا۔

حاکم بخاریٰ نے امام بخاری سے درخواست کی کہ میرے بیٹوں کو شاہی محل میں آ کر حدیث پڑھانا منظور فرمالیں، امام نے انکار کیا اور فرمایا کہ حدیث پڑھنی ہے تو

مسجد میں آکر شریک درس ہونا چاہئے، حاکم نے قبول کیا لیکن یہ خواہش کی شہزادوں کو تنہا پڑھائیں دوسرے طلبہ کو ان کے ساتھ شامل نہ کیا جائے، امام نے اس کی اس خواہش کو بھی رد کر دیا اور فرمایا کہ درسِ حدیث میں ایسی خصوصیت نامناسب ہے، اس میں عام و خاص سب برابر ہیں کسی کو روکا نہیں جاسکتا، اس پر حاکم بخاریؒ کو بہت غصہ آیا اور امام کے درپے آزار ہوگیا۔

جب امام کو اس کی طرف سے مسلسل تکلیفیں پہنچیں تو امام نے اس کے حق میں بددعاء کی، امام کی بددعاء اس کے حق میں قبول ہوئی، نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک ماہ بھی نہ گذرا تھا کہ اس کا منہ کالا کیا گیا اور گدھے پر سوار کر کے گلیوں میں گھمایا گیا۔ سیر اعلام النبلاء ص ۲۶۳ ج ۱۲ میں علامہ ذھبی نے اس قصہ کا تذکرہ کیا ہے۔

مسئلہ خلق قرآن

اس مسئلہ میں امام بخاری قدس سرہ سے قبل امام احمد بن حنبل قدس سرہ پر مصیبت آچکی تھی مگر حضرت امام احمد بن حنبل نے جس زبردست صبر و تحمل کا مظاہرہ فرمایا تھا اس کی برکت سے اہلِ حق کی فتح ہوگئی تھی اور حضرت امام احمد بن حنبل کی مقبولیت اس درجہ پہنچی کہ امام کا مقام حاصل ہوگیا۔

اور فرمان باری تعالیٰ " وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ " کا مصداق بن گئے۔

لیکن امام بخاری کے قول کو معتزلہ کے عقیدہ کے رنگ میں پیش کیا گیا حالانکہ امام بخاری نے اپنی کتاب بخاری شریف میں معتزلہ کی بہت تردید فرمائی ہے۔

اور اہل سنت والجماعت کے مسلک و مذہب کو بہت مدلل فرمایا ہے مگر یہ فرماتے کہ ہماری قرأت اور کتابت یہ ہمارے افعال ہیں اور ہم مخلوق ہیں، اسی طرح ہمارے افعال بھی مخلوق اور حادث ہیں۔

ہماری حرکات، اصوات، تلاوت، کتابت مخلوق ہیں اور وہ قرآن جو تلاوت کیا

جاتا ہے سینوں میں محفوظ ہے، لوح محفوظ میں موجود ہے، صفتِ باری تعالیٰ ہے ازلی اور قدیم ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۵۵ ج ۱۲)

امام بخاری کا نیشاپور تشریف لانا

حضرت امام المحدثین نے جب نیشاپور کا قصد فرمایا تو وہاں کے لوگ شرف ملاقات وزیارت کے لئے بے حد مشتاق ہو گئے اور چار ہزار افراد نے شہر سے باہر آپ کا استقبال کیا جو گھوڑوں پر سوار تھے ان کے علاوہ جو خچروں اور گدھوں پر سوار تھے پیدل تھے، وہ ایک بہت بڑی تعداد میں الگ تھے۔ (سیر اعلام النبلاء، ۷، ۴۳ ج ۱۲)

نیشاپور علماء، صلحاء، محدثین، فقہاء، صوفیاء کا شہر اور قیام گاہ تھا، وہاں بڑے بڑے محدثین موجود تھے، ان میں شیخ محمد بن یحییٰ ذھلی کا بہت زیادہ چرچا اور شہرہ تھا، وہ اپنے دور کے محدث اور امام مانے جا رہے تھے، جب ان کو معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ جا کر ان سے استفادہ کرو۔

چنانچہ لوگوں نے نو وارد امام کی طرف خوب التفات کیا اور امام بخاری تھے ہی اس قابل کہ جہاں جاتے مرجع خلائق بن جاتے، لوگ سب کو بھول جاتے اور امام بخاری سب پر چھا جاتے دوسرے علماء محدثین کے حلقے پھیکے پڑ جاتے۔

یہاں بھی ایسا ہی ہوا محمد بن یحییٰ ذھلی کا حلقہ درس پھیکا پڑ گیا اور مجلس کی رونق چلی گئی اور لوگ امام بخاری کے یہاں جمع ہونے لگے۔

طبقات الشافعیہ ص ۲۲۸ ج ۲ میں لکھا ہے کہ یہ دیکھ کر ان کو حسد ہونے لگا اور انھوں نے امام بخاری کے بارے میں کلام کرنا شروع کر دیا جس سے کہ لوگ بدظنی میں مبتلا ہو جائیں اور ان کی طرف سے ہٹ جائیں۔

اس کے لئے انھوں نے مسئلہ خلق قرآن کو اٹھایا، یہ اس دور کا معرکۃ الاراء مسئلہ تھا اور اس میں بڑے بڑے اعلام امت کا امتحان ہو چکا تھا کہا کہ ان سے یہ مسئلہ معلوم کرو، کیا کہتے ہیں چنانچہ اگلے روز جب امام بخاری کا حلقہ درس شروع ہوا اور لوگ کثیر تعداد میں جمع

تھے تو ایک شخص نے یہ مسئلہ معلوم کیا کہ اے ابوعبداللہ اس بارے میں کیا کہتے ہو تو امام بخاری نے اعراض فرمایا، اس نے پھر پوچھا امام نے پھر اعراض کیا اس نے پھر پوچھا تو امام بخاری نے التفات فرمایا اور کہا: **القرآن کلام اللہ غیر مخلوق، و افعال العباد مخلوقة والامتحان بدعة** کہ قرآن اللہ کا پاک کلام غیر مخلوق ہے اور ہمارے افعال (قرأت) مخلوق وحادث ہیں اور امتحان لینا بدعت ہے۔

اس پر لوگوں نے شور وشغب کر دیا اور لوگ ان کے پاس سے جدا ہونا شروع ہو گئے نتیجہ یہ نکلا کہ امام بخاری اپنے گھر میں بیٹھ گئے۔

اور ان کے کلام کا مطلب غلط کر کے پھیلا دیا گیا جس سے لوگوں میں ان سے بدظنی پیدا ہوگئی اور ان کی صحیح مراد کو چھپالیا گیا۔

امام فرماتے کہ میرا مطلب ایسا نہیں تھا مگر پروپیگنڈہ کی دنیا چھا گئی اور حقیقت کو دبا دیا گیا، اللہ کی پناہ حسد ایسی بُری بلا ہے۔

امام بخاری نے فرمایا تھا لفظی بالقرآن مخلوق یعنی میرا تلاوت کرنا قرآن کریم کی، مخلوق ہے، کیوں کہ یہ ہمارا فعل ہے اور افعال عباد مخلوق ہیں، حادث ہیں اور کلام الٰہی جو صفت ہے باری تعالیٰ کی، وہ قدیم ہے، ازلی ہے۔

خود محمد بن یحییٰ ذھلی بھی ایسا ہی سمجھتے تھے، کیوں کہ اگر وہ یہ سمجھتے کہ الفاظ جو منہ سے نکلتے ہیں قدیم ہیں تو یہ خود ایک بڑا خطرناک مسئلہ ہو جاتا اور ان کے بارے میں ایسی ناسمجھی کا تصور نہیں ہوسکتا ہے۔

باوجود اس کے وہ یہ کہتے تھے کہ ایسا کہنے والا بدعتی ہے اور اس لائق نہیں ہے کہ اس کے پاس بیٹھا جائے اور اس سے کلام کیا جائے اور جو قرآن کریم کو مخلوق جانے وہ کافر ہے، انھوں نے اس بارے میں وہ مراد لیا جو امام احمدؒ نے مراد لیا تھا کہ اس بارے میں زیادہ غور وفکر کرنا اچھا نہیں ہے۔ (طبقات الشافعیہ، ص ۲۳۰ ج ۲)

علامہ ذھبی کہتے ہیں کہ اس قول کو لے کر محمد بن یحییٰ ذھلی نے کہنا شروع کر دیا کہ بخاری کا قول خطرناک ہے، اور جھمیہ سے بھی بُرا ہے۔

احمد بن سلمہ کہتے ہیں کہ امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے ان سے کہا کہ یہ شخص اس شہر میں جو لوگوں کے درمیان مقبول ہے، اس طرح کا پروپیگنڈہ کر رہا ہے، اور ہم اس کو سمجھانے سے قاصر ہیں، یہ سن کر امام بخاری نے اپنی داڑھی پر ہاتھ رکھا، افسوس کی حالت میں اور کہا افوض امری الی اللہ، ان اللہ بصیر بالعباد، یا اللہ آپ جانتے ہیں کہ میرا نیشاپور میں کوئی خاص مقصد نہیں تھا کہ یہاں بڑائی یا عزت وشہرت، یا حصول مال کے لئے آیا ہوں بلکہ میں نے اپنے وطن میں مخالفین کی وجہ سے جانا پسند نہیں کیا، بس یہ بات ہے اور کچھ نہیں ہے، اور یہ شخص میرے علم کی وجہ سے بلا وجہ مجھ سے حسد کر رہا ہے اور میں یہاں سے نکل چلا جاؤں گا۔

پروپیگنڈہ اتنا زبردست ہو چکا تھا کہ سب لوگوں نے امام بخاری کا ساتھ چھوڑ دیا اور مشایعت کرنے کے لئے سوائے میرے اور کوئی ساتھ نہ نکلا۔

پورے شہر کے علماء میں صرف حضرت امام مسلم قدس سرہٗ نے آپ کا ساتھ دیا اور جب محمد بن یحییٰ ذہلی اور امام بخاری کے درمیان یہ نفرت کا قضیہ رونما ہو گیا تو امام مسلمؒ نے چادر اٹھائی اور محمد بن یحییٰ ذہلی کے پاس سے نکل گئے اور جو کچھ ان سے سنا تھا، وہ سب ان کو واپس کر دیا اور امام بخاری کے ہم مسلک ہو کر ان کی طرح کہنے لگے اور آخر تک امام بخاری سے محبت اور عقیدت کا تعلق رکھا اور بہت زیادہ احترام فرمایا کرتے تھے۔

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ایک شخص امام بخاری قدس سرہ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ حضرت فلاں شخص آپ کو کافر کہہ رہا ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا قال الرجل لاخیہ یا کافر فقد باء بہ احدھما۔

امام بخاری کی عبادت، زہد وتقویٰ

(امام بخاری کی نماز) مؤرخ بخاری غنجار لکھتے ہیں کہ بکر بن منیر نے کہا ہے کہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ایک رات نماز میں مشغول تھے، بچھو نے ۱۷ بار ڈنک مارا، جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا دیکھو کس چیز نے مجھے کاٹا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۴۱ ج ۱۲)

طبقات الشافعیہ میں ہے کہ نہ حضرت نے نماز توڑی اور نہ متغیر ہوئے بدستور نماز

میں مشغول رہے۔ (طبقات الشافعیہ،ص ۲۲۳ ج ۱۲)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امام کی نماز میں کتنا استغراق و انہماک ہوتا تھا اور کس قدر لذت ومحویت کا عالم طاری رہتا تھا، نماز کی لذت نے تکلیف کو بھلا دیا، اسی قصہ کو مزید بیان کرتے ہوئے محمد بن ابی حاتم لکھتے ہیں کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری کو ایک باغ میں بلایا گیا جب آپ نے اپنے اصحاب کو ظہر کی نماز پڑھا دی تو سنن کے بعد بعض احباب سے فرمایا دیکھو میری قمیص کے نیچے کیا ہے تو ایک بچھو تھا جس نے ۱۶-۱۷ جگہ ڈنک مارا تھا تو بعض احباب نے کہا کہ حضرت آپ نے نماز کیوں نہ توڑ دی شروع ہی میں جب اس نے ڈنک مارا تھا، حضرت نے فرمایا کہ میں نے ایک سورت شروع کر رکھی تھی میں نے اس کو چھوڑنا پسند نہیں کیا۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۴۴۲ ج ۱۲-تاریخ دمشق ۷ ج ۲۲)

حضرت امام بخاریؒ اتنی علمی مشغولیات کے باوجود ہمیشہ تہجد پڑھا کرتے تھے جو اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ آپ عابد وزاہد، ولی کامل، متبع رسول محدث تھے۔

سخت سردی کا زمانہ ہوتا یا بارش وغیرہ کا، سفر ہو یا حضر، ہر حال میں امام بخاریؒ تہجد پڑھا کرتے تھے اور رات کے وقت خود بیدار ہوتے مگر اپنے خادم کو بیدار نہ کرتے تھے محمد ابن حاتم ورّاق کہتے ہیں کہ حضرت امام بخاری قدس سرہ تہجد کی مستقلاً تیرہ رکعات پڑھا کرتے تھے اور میں سفر میں حضرت کے ساتھ ہوا کرتا تھا تو آپ مجھے بھی بیدار نہ کرتے تھے میں نے عرض کیا کہ آپ خود ہی بہت تکلیف اٹھاتے ہیں، کسی کام کے لئے مجھ کو بیدار نہیں کرتے ہیں تو فرماتے کہ تم ابھی نوجوان ہو میں تمہاری نیند کو خراب نہیں کرنا چاہتا۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۴۴۱ ج ۱۲)

اس واقعہ سے جہاں امام بخاریؒ کی عبادت کا اندازہ ہوتا ہے وہیں ان کے اخلاق عالیہ کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے، اللہ پاک ان کے درجات کو بہت بلند فرمائے اور ہمیں بھی ان جیسی عبادت، علم واخلاق عطا فرمائے۔

امام بخاری کا غیبت سے اجتناب کرنا

غیبت جس پر قرآن کریم نے بہت سخت وعید بیان کی ہے اور اس کو اپنے مردہ حقیقی

بھائی کے گوشت کھانے سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے اور روایت میں اس کو زنا سے سخت بتایا گیا ہے، اور آج بہت کم لوگ ہیں جو اس مرض سے بچے ہوں گے مگر حضرت امام بخاری نے اتنے سخت حالات آنے کے باوجود بھی کسی کی غیبت نہیں کی یہ بہت اونچا مقام ہے جو امام کو حاصل تھا محمد بن ابی حاتم ورّاق کہتے ہیں کہ امام بخاری نے مجھ سے فرمایا کہ اس بارے میں آخرت میں میرا کوئی خصم اور مقابل نہ ہوگا، میں نے کسی کی غیبت کبھی نہیں کی، میں نے کہا کہ آپ نے اپنی کتاب التاریخ میں جو بہت سے لوگوں پر نقد کیا ہے اس میں تو لوگوں کی غیبت ہے فرمایا کہ وہ تو میں نے دوسروں کے اقوال نقل کئے ہیں میں نے اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا بئس مولی العشیرۃ یا بئس اخو العشیرۃ ایک شخص کے بارے میں پوری روایت اس طرح ہے کہ ایک بار ایک شخص نے آپ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو فرمایا بئس اخو العشیرۃ قبیلہ کا برا آدمی ہے مگر اجازتِ ملاقات دے دی اور جب وہ آ گیا تو بہت اچھی طرح باتیں کی اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ آپ نے پہلے تو ایسا فرمایا اور بعد میں جب وہ آ گیا تو خوب اچھی طرح گفتگو کی، فرمایا وہ برا ہے تو میں کیوں برا بنوں وہ شخص برا ہے جس کو لوگ اس کے شر سے بچنے کے لئے ترک کر دیں بخاری، ترمذی میں یہ روایت موجود ہے۔

امام بخاریؒ کا تقویٰ و پرہیز گاری

کوئی بھی عالم اور ولی تقویٰ کے بغیر صاحب کمال نہیں بن سکتا ہے، تقویٰ ہی سے انسان عروج پر پہنچتا ہے۔

اللہ پاک نے اپنے نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے اس وصف کا خاص طور پر تذکرہ فرمایا ہے اور بار بار اس کی تاکید فرمائی ہے، اللہ پاک نے متقین کے لئے سعادت دنیویہ اور کرامت اخرویہ کے تعلق سے ۱۲/ انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے:

(۱) تقویٰ کو اللہ پاک نے بڑے کاموں میں سے شمار فرماتے ہوئے تعریف کی قال اللہ تعالی وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور کہ اگر صبر کرو اور

تقویٰ سے کام لوتو یہ بڑے حوصلہ کی بات ہے۔

(۲) تقویٰ کی وجہ سے منجانب اللہ حفاظت ہوتی ہے قال اللہ تعالیٰ وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئاً کہ اگر صبر کرو اور تقویٰ سے کام لوتو کفار و فجار کے مکر و فریب اور غلط تدبیریں تم کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔

(۳) تقویٰ سے اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون بیشک اللہ پاک ان لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں (مدد و تائید) کے ساتھ جو ان سے ڈرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں۔

(۴) تقویٰ کی برکت سے رزق کی دشواریاں دور ہوتی ہیں، جیسا کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب جو حق تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ پاک اس کے لئے پریشانیوں سے نکلنے کے لئے راستہ نکال دیتے ہیں اور اس کو اس طرح رزق عطا فرماتے ہیں جس کا اس کو گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔

(۵) تقویٰ کی برکت سے انسان کے سب کام درست ہو جاتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں یا ایھاالذین امنوا اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیدا یصلح لکم اعمالکم کہ ایمان والو اللہ پاک سے ڈرو اور سچی بات کہو اللہ پاک تمہارے سارے کام صحیح اور درست کر دیں گے۔

(۶) تقویٰ کی برکت سے گناہوں کی معافی ہو جاتی ہے اللہ پاک فرماتے ہیں ویغفرلکم ذنوبکم کہ اللہ پاک تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔

(۷) تقویٰ کی برکت سے اللہ پاک کی محبت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان اللہ یحب المتقین کہ اللہ پاک متقی حضرات سے محبت کرتے ہیں۔

(۸) تقویٰ کی برکت سے اعمال کی قبولیت ہوتی ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم بیشک

تم میں سب سے زیادہ قابل اکرام اللہ پاک کے یہاں وہ ہوگا جو تم میں زیادہ متقی ہوگا۔

(۹) متقی حضرات کا اکرام و اعزاز ہوتا ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم بیشک تم میں سب سے زیادہ قابل اکرام اللہ پاک کے یہاں وہ ہوگا جو تم میں زیادہ متقی ہوگا۔

(۱۰) ''موت کے وقت بشارت حاصل ہوتی ہے'' اللہ پاک فرماتے ہیں ''الذین آمنوا و کانوا یتقون، لھم البشریٰ فی الحیاۃ الدنیا و فی الآخرۃ'' وہ لوگ جو ایمان اور تقویٰ اختیار کئے ہوئے ہیں ان کو دنیا میں بھی بشارت حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں بھی بشارت حاصل ہوگی۔

(۱۱) نجات تقویٰ کے ساتھ وابستہ ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں ثم ننجی الذین اتقوا پھر ہم ان کو نجات دے دیں گے جو اللہ پاک سے ڈرتے تھے۔

(۱۲) ''جنت میں دائمی نعمتیں متقیوں ہی کو حاصل ہوں گی'' ان للمتقین مفازاً حدائق و اعناباً الخ بیشک متقی حضرات کے لئے کامیابی ہے اور باغات ہوں گے اور انگور ہوں گے۔

امام بخاری کے تقویٰ کے واقعات

حضرت امام بخاری قدس سرہ کے والد ماجد بہت بڑے مالدار، غنی و متمول آدمی تھے اور دولت کی کثیر مقدار چھوڑ کر فوت ہوئے تھے، امام کو اپنے والد ماجد کے ترکہ میں سے کافی دولت ملی تھی مگر وہ تمام دولت آپ نے فی سبیل اللہ طلب علم میں خرچ کی حتی کہ بعض اوقات امام کو فاقہ کی وجہ سے گھاس کھانے کی نوبت آگئی تھی۔ (فضل الباری، ص ۶۵ ج ۱)

سوال سے احتراز اور نصرت الٰہی

علامہ شمس الدین الذہبی سیر اعلام النبلاء ص ۴۴۸ ج ۱۲ میں بحوالہ محمد بن ابی حاتم لکھتے ہیں کہ میں نے امام بخاری کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس درمیان میں کہ میں اپنے

استاذ و شیخ حضرت آدم بن ابی ایاس کے پاس علم میں مشغول تھا میرے پاس خرچے ختم ہو گئے اور مجھے گھاس کھا کر گذارہ کرنا پڑا مگر میں نے اپنی حالت کا کسی سے اظہار نہیں کیا جب تین روز اسی حالت میں گزر گئے تو رات میں ایک شخص آیا جس کو میں جانتا نہ تھا، اس نے مجھے ایک دینار سے بھری تھیلی دی اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ اس کو اپنے اوپر خرچ کر لیا کرو۔

حسین بن محمد سمرقندی فرماتے ہیں کہ امام بخاری قدس سرہ کے اندر تین بڑی ممتاز صفات ہیں ان عمدہ صفات کے ساتھ جو وہ اپنے اندر رکھتے تھے۔

(۱) قلیل الکلام تھے۔

(۲) لوگوں کے مال و دولت پر ان کی نظر طمع بالکل نہ تھی، وہ مستغنی آدمی تھے۔

(۳) وہ لوگوں کی طرح مختلف معاملات میں اپنا وقت خراب نہ کرتے تھے ان کی تمام مشغولیات علم کے سلسلہ میں ہوتی تھی، کل شغلہ کان فی العلم۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۴۴۸ ج ۱۲)

بغیر تنخواہ کے خدمتِ حدیث

سلیم بن مجاہد کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ خالص اللہ پاک کی رضا جوئی کے لئے لوگوں کو علم حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے، اس تعلیم پر وہ لوگوں سے کچھ لیا نہیں کرتے تھے اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میں نے امام بخاری جیسا فقیہ اور محدث اور بزرگ تقویٰ و پرہیز گاری میں کامل انسان نہیں دیکھا اور آپ بڑے عابد و زاہد ولی انسان تھے۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۴۹ ج ۱۲)

حضرت الامام قدس سرہ العزیز کا مزید تقویٰ، حسن نیت، صدق عزیمت اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک بار امام کی خدمت میں کچھ ہدایا پیش کئے گئے، ایک تاجر نے حاضر ہو کر ان ہدایا کو خریدنے کی خواہش ظاہر کی اور پانچ ہزار درہم نفع کے لگائے امام نے فرمایا کل آؤ اس وقت سوچ کر جواب دوں گا وہ تاجر چلا گیا، امام نے اپنے دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ اس معاملہ کو قبول کر لوں گا اس کے بعد ایک دوسرا تاجر آیا اور اس نے دس ہزار درہم نفع کے لگائے۔

ظاہر ہے کہ فتویٰ کے اعتبار سے امام پر کوئی پابندی نہیں تھی کیوں کہ آنے والے تاجر سے کوئی معاملہ صراحۃً طے نہیں ہوا تھا امام نے صرف یہ فرمایا تھا کہ کل آنا تب جواب دوں گا۔

مگر دل میں اس کے ساتھ معاملہ کرنے کے لئے ارادہ ہوگیا تھا اس وجہ سے آپ نے دوسرے تاجر سے معذرت فرمادی حالانکہ آپ کو نفع میں دس ہزار درہم زیادہ مل رہے تھے یہ آپ کا کمال تقویٰ ہے، اور فرمایا لا احب ان انقض نیتی۔ (تاریخ دمشق، ص ۲۸ ج ۲۲)

اور یہ صرف اس وجہ سے کہ اعمال کا ایک وجود مخفی طور پر عنداللہ نیت سے ہوجاتا ہے اگرچہ اس پر فقہی احکام مرتب نہیں ہوتے ہیں، اس دقیق تحقیق کی بناء پر امام بخاریؒ نے اپنے آپ کو اللہ پاک کے سامنے کاذب ہونے سے بچایا۔

سبحان اللہ حضرت امام قدس سرہ کی نظر کس قدر دقیقہ رس تھی اگرچہ یہ چیز لوگوں سے مخفی ہے۔ (فضل الباری، ص ۶۶ ج ۱)

حضرت علامہ ذھبی نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۴۷ ج ۱۲)

قرض خواہ کے ساتھ رحم دلی کا معاملہ

علامہ ذھبی فرماتے ہیں کہ آپ کا ایک صاحب کے ذمہ ۲۵ ہزار روپیہ بطور قرض تھا، مگر وہ بہت تنگ کرتا تھا اور ادھر ادھر بھاگتا رہتا تھا، دوسرے حضرات نے امام صاحب سے بارہا کہا کہ ہم اس کو پکڑ لیں اور اس کے لئے فلاں فلاں اس دور کے حکام و سلاطین سے بات کریں گے اور ہم نے حضرت کو بتائے بغیر جب اس کے بارے میں حکام و سلاطین سے بات کی اور سختی کرانی چاہی تو حضرت نے منع فرمادیا اور اس کو بہت سہولت دے دی کہ تم ہر سال صرف دس درہم دے دیا کرو، اللہ اکبر، امام بخاری کا تقویٰ کتنا تھا اور اخلاق کس قدر وسیع تھے، ۲۵ ہزار درہم میں کتنے حضرت کو وصول ہوئے ہوں گے اللہ ہی جانتا ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۴۶ ج ۱۲)

حضرت امام بخاری قدس سرہٗ ایک صاحب کے مکان میں بطور کرایا دار رہتے تھے اور کافی زمانہ رہے مگر فرماتے تھے کہ میں نے کبھی اس کی دیوار اور زمین میں سے کچھ

لے کر استنجے کی ضرورت پوری کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا اس بات کا خیال رکھا کہ مکان دوسرے کا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۴۷ ج ۲)

بیع میں تقویٰ

حضرت امام کو باندی کی ضرورت تھی، آپ ایک صاحب کو ساتھ لے کر باندیاں دیکھنے گئے، وہاں خوبصورت سے خوبصورت باندیاں تھیں مگر ایک باندی جو صورت وشکل میں زیادہ اچھی نہ تھی آپ نے اس کو دیکھا اور دیکھتے ہوئے آپ کا ہاتھ اس کی تھوڑی پر لگ گیا۔

آپ نے ساتھی سے فرمایا کہ اسی کو خرید لو، ساتھی نے کہا کہ دوسری اور باندی خوبصورت اور کم قیمت کی بھی موجود ہیں مگر حضرت امام نے اسی کو خریدا اور فرمایا اب یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی جب اس کو مس کر لیا گیا تو اب اسی کو خریدنا ہے چنانچہ اسی باندی کو خریدا گیا حالانکہ آپ کو قیمت زیادہ ادا کرنی پڑی۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۴۷ ج ۱۲)

اعلیٰ درجہ کی قناعت وصبر

عمر بن حفص الاشقر کہتے ہیں کہ ہم لوگ محمد بن اسماعیل کے ساتھ بصرہ میں محدثین کے پاس علم سیکھتے تھے اور لکھتے تھے اچانک محمد بن اسماعیل چند روز ہمیں نظر نہ آئے ہم نے ان کو تلاش کیا تو وہ ہمیں ایک مکان میں ملے جس میں وہ تنہا تھے اور ان کے پاس کپڑے نہ تھے جو ان کے پاس تھے وہ سب ختم ہو چکا تھا ہم نے ان کے لئے دراہم جمع کئے اور ان کو پہنائے تب وہ باہر نکلے۔

اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سخت سے سخت ضرورت میں بھی امام دور طالب علمی میں بھی کس قدر محتاط رہتے تھے اور سوال سے بچتے تھے جب کہ آج کل کے طلبہ میں یہ چیز عنقاء ہوتی جارہی ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۴۸ ج ۱۲)

امام بخاریؒ مستجاب الدعوات تھے

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری کو سنا فرماتے تھے کہ

مسلمان کو ایسی حالت میں نہ ہونا چاہئے کہ وہ دعا کرے اور وہ قبول نہ ہو، یہ سن کر ان کے بھائی کی اہلیہ نے کہا کہ شیخ کیا آپ کو اپنے بارے میں اس کا تجربہ ہے اور اپنے بارے میں اس کا علم ہے جو آپ یہ فرمارہے ہیں فرمایا جی ہاں! مجھے اس کا تجربہ ہے، میں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دو بار دعا کی اور دونوں بار قبول ہوئی اس کے بعد میں دعا کم کرتا ہوں یہ خیال کر کے کہ اگر ایسا ہوتا رہا تو میرے اعمال صالحہ کے بدلہ وعوض مجھے دنیا ہی میں مل جائے گا یا میرا اجر وثواب کم ہو جائے گا جو میرے لئے نقصان کی بات ہوگی، پھر فرمایا مسلمان کو جھوٹ بولنے اور بخل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۴۸ ج ۱۲)

امام بخاری کی سخاوت، جود وکرم

اللہ پاک نے حضرت امام کو جہاں علمی کمالات سے نوازا تھا، وہیں آپ کی فطرت سلیمہ میں جود وسخاوت بھی اعلیٰ درجہ کی رکھی تھی۔

اور علم کے ساتھ ساتھ جود وسخاوت کا وصف بہت کم خوش قسمت لوگوں میں جمع ہوتا ہے، محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ امام بخاری کے پاس کچھ آراضی تھی جس کو آپ کرایہ پر دیا کرتے تھے اس کا سالانہ کرایہ سات سو درہم آپ کو وصول ہوتا تھا جو اس دور کی بڑی رقم ہوتی تھی وہ شخص جس کے پاس آپ کی زمین کرایہ پر تھی کبھی کبھی آپ کی خدمت میں اپنے کھیت میں سے کچھ ککڑیاں بھیج دیا کرتا تھا اور آپ کو عمدہ ککڑیوں کا شوق تھا اس کے عوض میں حضرت امام بخاری اس کو سو درہم کا عطیہ دیا کرتے تھے جب کہ ان کی قیمت معمولی ہوتی تھی۔

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام بخاری کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک زمانہ میں میری ہر ماہ کی آمدنی پانچ سو درہم ہوتی تھی مگر میں یہ سب رقومات علم پر خرچ کر دیا کرتا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۴۹ ج ۱۲)

حضرت امام بخاریؒ نے بخاریٰ کے قریب ایک رباط (سرائے) بنوائی تھی جس کے تعاون کے لئے آپ کے بہت سے متعلقین ومحبین جمع ہو گئے تھے اور اس کی تعمیر میں امام نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی، اینٹیں وغیرہ خود لگاتے تھے اور جب لوگوں نے آپ

سے عرض کیا کہ حضرت ہم کرلیں گے تو آپ نے فرمایا کہ اس کا نفع ہمیں بھی درکار ہے پھر آپ نے سب موجود افراد کی دعوت فرمائی جو سو سے زیادہ افراد تھے جس میں آپ کا کافی مال خرچ ہوا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۵۰ ج ۱۲)

اس میں امام بخاری کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر تھا جیسا کہ مسجد نبوی شریف کی تعمیر میں خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصہ لیا تھا جب کہ حضرات صحابہ کرام عرض کرتے کہ ہمیں کرنے دیجئے مگر فرماتے کہ میں بھی ثواب کا محتاج ہوں، أو کما قال۔

آپ اپنے اصحاب پر بہت زیادہ خرچ کرنے والے تھے

اپنے دوستوں اور شاگردوں پر خرچ کرنے میں آپ کا ہاتھ بہت وسیع تھا، اکثر و بیشتر دیتے رہتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۴۵۰ ج ۱۲)

الغرض جود وسخاوت میں آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر چلنے کی پوری کوشش کرتے تھے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بڑے سخی تھے۔ آپ کی سخاوت وعطا ہواؤں سے بھی زیادہ تھی: کان أجود من الریح المرسلة (بخاری)۔

اور بڑے اولیاء اللہ کا حال ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ اپنا مال خرچ کر کے قرب باری تعالیٰ تلاش کرتے ہیں اور بلند مراتب حاصل کرتے ہیں کہ کیوں کہ سخی اللہ پاک سے قریب تر ہوتا ہے بہ نسبت بخیل کے اس وجہ سے جاہل سخی اللہ پاک کو عابد بخیل سے زیادہ پسندیدہ ہے اور جود وسخا ایک ایسی شاخ ہے جس کا براہ راست تعلق جنت سے ہے یہ شاخ آدمی کو جنت میں پہنچاتی ہے اور اس کو بلند درجات عطا ہوتے ہیں۔

حضرت امام کا عفو ودرگذر

عبداللہ بن محمد صارفی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت امام بخاری کے پاس تھا ان کے گھر میں باندی آئی وہ گھر میں داخل ہونا چاہتی تھی، حضرت امام کے سامنے روشنائی کی دوات رکھی تھی وہ اس کے پاؤں سے گر گئی، آپ نے غصہ کی حالت میں فرمایا کیسے چلتی ہو؟ اس نے جواب دیا جب جگہ ہی نہ ہو تو کیسے چلوں: إذا لم یکن طریق کیف أمشی آپ

نے بجائے غصہ کرنے اور مارنے کے ہاتھ پھیلائے اور فرمایا جاؤ ہم نے تم کو آزاد کر دیا، لوگوں نے کہا اس نے آپ کو غصہ میں ڈالا اور آپ نے اس کو آزاد فرما دیا، فرمایا جو میں نے کیا ہے میں اس پر راضی وخوش ہوں کیوں کہ معاف کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۲۵۲ ج ۱۲)

حضرت امام کا کمال تیراندازی

حضرت امام بخاری قدس سرہ کو جذبۂ جہاد کی وجہ سے تیراندازی سے بہت زیادہ دلچسپی تھی اور اس فن میں بہت زیادہ مہارت رکھتے تھے کہ عمر بھر میں آپ کے صرف دو تیروں نے خطا کی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت امام اپنے ساتھیوں کے ساتھ جن میں محمد بن ابی حاتم ورّاق بخاری بھی تھے، تیراندازی کے لئے نکلے اور شہر فربر کے باہر باب فرضہ پر پہنچے، سب نے تیراندازی کی، حضرت امام نے تیر چلایا، وہ پل کے ایک ستون پر لگا جس نے اس ستون کو نقصان پہنچایا۔

حضرت امام اپنے گھوڑے سے اترے اور وہاں سے تیر نکالا اور پھر تیراندازی چھوڑ دی اور ہم سے فرمایا واپس چلو ہم گھر آئے اور ہمیں پل والے کے پاس لے گئے اور ہم سے فرمایا کہ اس سے کہو کہ ہمیں دوسرا ستون بنانے کی اجازت دے دو، کیوں کہ ہم نے تمہارا نقصان کر دیا ہے یا اس کا عوض قبول کر لو یا ہمیں معاف کر دو۔

آپ کے ساتھیوں نے اس سے کہا تو اس نے کہا کہ حضرت کو کہو کہ میرا سارا مال ودولت آپ پر قربان ہے، میں نے معاف کر دیا ہے، ہم نے حضرت کو ان کا یہ پیغام پہنچایا، یہ سن کر حضرت امام کا چہرہ خوشی کے مارے چمکنے لگا اور بہت زیادہ خوش ہوئے اور اس خوشی میں آپ نے تین سو درہم خیرات کئے اور پانچ سو روایات املا کرائیں۔

سبحان اللہ تیراندازی کے ساتھ ساتھ ورع وتقویٰ کس درجہ کا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۴۴۴ ج ۱۲)

امام کا کمالِ اخلاق

محمد بن ابی حاتم ورّاق کہتے ہیں کہ میں حضرت امام کے ساتھ ایک سفر میں شریک تھا اور بطور خادم ہوتا تھا، آپ رات میں ۱۵-۲۰ مرتبہ بیدار ہوئے، ہر مرتبہ خود ہی آگ جلاتے تھے اور احادیث شریفہ پر نشان لگا دیتے تھے اور درمیان میں کچھ کچھ آرام بھی فرمایا لیا کرتے اور پھر اخیر شب میں تہجد بھی پڑھتے مگر مجھے بیدار نہ فرمایا کرتے تھے۔

میں نے یہ سب جان لیا اور عرض کیا آپ نے خود ہی سب تکلیف فرمائی۔

دورِ ابتلاء و آزمائش

اس عالم فانی میں جو دارالامتحان اور دارالمحن اور سجن مؤمن ہے، ابتلاؤں اور پریشانیوں سے کوئی بچ پاتا ہے خاص طور پر اس کے نیک بندے جن کے لئے ایسے حالات کا آنا کوئی نیا معاملہ نہیں ہے جن میں انہیں صبر وضبط تحمل و برداشت کرنا پڑتا ہے اور صابرین کے لئے جو بشارتیں منجانب اللہ تعالیٰ مقرر اور موعود ہیں، وہ انہیں حاصل ہوتی ہیں، اسی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ نے صبر کو نصف ایمان قرار دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ صبر بہت اعلیٰ صفت ہے جس میں انسان کا مخفی جوہر ظاہر ہوتا ہے اور اس کے درجات بلند ہوتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے صبر وتقویٰ کی وجہ سے بہت سے حضرات کو امامت کا منصب عطا فرمادیا اور بار بار بشارت اور بلند درجات کا ذکر فرما کر اس صفت حسنہ پر ابھارا ہے، اگر ان تمام آیات اور روایات کو یہاں لکھا جائے تو بات بہت طویل ہوجائے گی، بہرحال صبر وتحمل کے معاملہ میں حضرات انبیاء سب سے بڑھے ہوئے ہیں جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أشد بلاء الأنبیاء ثم الأمثل فالأمثل حضرات انبیاء علیہم السلام میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر تکالیف اور امتحانات کا ایک طویل دور گذرا اور انہوں نے بے مثال صبر کا مظاہرہ فرمایا، ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل کا صبر جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین سے ذکر فرمایا پھر حضرت یعقوبؑ کا صبر وتکلیف

یہاں تک کہ فرمایا گیا ''وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم''۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا صبر حضرت یحییٰؑ کی شہادت اور ان کا صبر وضبط حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر وضبط، بیماریوں کی وجہ سے خواص کا دور ہو جانا اور سوائے زوجہ کے سب کا الگ ہو جانا، حضرت موسیٰؑ کا صبر وضبط یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رحم اللہ موسیٰ لقد أوذی باکثر من ھذا فصبر۔

اور سید الاولین والآخرین رحمۃ العالمین کا ضبط وتحمل وعفو وصبر یہاں تک کہ فرمایا لقد اخفت فی اللہ وما یخاف أحد ولقد أوذیت فی اللہ ولم یوذ أحد (ترمذی، ص ۷۳ ج ۲) (مجھے اس قدر ڈرایا گیا اتنا اور کسی کو نہیں ڈرایا گیا اور مجھے اس قدر ایذا پہونچائی گئی اتنی کسی اور کو نہیں پہونچائی گئی)۔

پھر حضرت صحابہ کرام کے صبر وضبط، تحمل وعفو کے حالات پھر ائمہ کبار امام اعظم، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے اوپر آنے والے امتحانات کی ایک طویل داستان ہے۔ مرشد کامل حضرت مولانا شاہ محمد احمدؒ فرماتے ہیں:

محبت ہماری محبت نہیں ہے
وہ جب تک نہ لیں امتحانِ محبت

امام بخاریؒ کے درجات بلند ہونے تھے، اسی وجہ سے ان کو ان حالات سے گذرنا پڑا، اسباب اسی قسم کے بنتے چلے گئے، قیام نیشاپور میں وہاں کے بعض بڑے علماء کی طرف سے جو آپ کے شیخ واستاذ بھی ہوتے تھے، حسد کے معاملات سامنے آئے جن کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے چونکہ یہ وہ دور تھا کہ آپ کا طوطی بول رہا تھا اور ہر خاص و عام کے قلب ودماغ پر آپ ہی کا تسلط تھا، آپ کا اقبال پورے عروج پر تھا، ہر شخص کی زبان پر بخاری، بخاری رہتا تھا، جس کی وجہ سے دوسرے علماء حسد میں مبتلا ہو گئے۔

بقول حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کے کہ کسی ممتاز شخصیت کی عظمت اور شہرت جس قدر زیادہ ہوتی ہے اسی قدر اس کے مخالف اور حاسد بھی پیدا ہو جاتے ہیں

کیوں کہ اس کی فائق عظمت وشہرت کے سامنے احساس کمتری انہیں تکلیف دینے لگتا ہے اور یہ چیز بسا اوقات حسد پیدا کر دیتی ہے حتّٰی کہ بعض اوقات اکابر بھی بمقتضائے بشریت اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (فضل الباری، ص ۶۸ ج ۶)

بالکل یہی صورتِ حال امام بخاری قدس سرہ کے ساتھ پیش آئی۔ نیشاپور میں ایک زمانہ میں ایسا شاندار و جاندار استقبال ہوا تھا تاریخ میں ایسا احترام و اکرام کسی اور کا نہیں ہوا تھا، کوئی خاص و عام، والی و حاکم، عالم و بزرگ ایسا نہ تھا جس نے اپنے احترام کے جذبات نچھاور نہ کئے ہوں:

کبھی عرش پر ہیں کبھی فرش پر ہیں
یہ شان محبت یہ آنِ محبت

پھر مسئلہ خلق قرآن اٹھایا گیا اور اس کو آپ کے اخراج کا ذریعہ بنایا گیا اور سب نے ساتھ چھوڑ دیا مگر امام مسلمؒ نے ساتھ نہ چھوڑا۔

وہاں سے اخراج کے بعد آپ نے اپنے وطن بخاریٰ کی طرف رخ فرمایا، وہاں بھی اولاً یہی ہوا بہت زبردست استقبال ہوا، میلوں تک قبے لگائے گئے تھے اور پورے شہر نے خوش آمدید کہا تھا اور دراہم و دنانیر نثار کئے گئے تھے۔

پھر کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ حاکم بخاریٰ کے ساتھ تلخی کی نوبت آ گئی، وہ اپنے بیٹوں کی تعلیم کے لئے خاص اپنے محل میں بلانا چاہتا تھا مگر آپ نے فرمایا: انا لا اذل العلم میں علم کو ذلیل نہیں کرتا، پڑھنا ہے تو یہاں آنا ہوگا پھر اس نے کچھ خصوصیت کے ساتھ پڑھانے کی فرمائش کی مگر حضرت امامؒ نے فرمایا عام طلبہ کے ساتھ بیٹھنا ہوگا، اس کے بعد دونوں کے درمیان وحشت بڑھ گئی اور مخالفت کا باب کھل گیا ادھر حاکم بخاری نے سوچا کہ ایک دم اگر ان پر کوئی کارروائی کروں گا تو تمام لوگ میرے مخالف ہو جائیں گے اس لئے اس نے بعض علماء کو استعمال کیا اور محمد بن یحییٰ ذھلی کا پرچہ جس میں امام بخاری کے بارے میں لکھا تھا (کہ مخالف سنت ہیں اور معتزلہ جیسا عقیدہ رکھتے ہیں قرآن کریم کو مخلوق کہتے ہیں) اس کو ملا اور اس نے یہ پرچہ اہلِ بخاریٰ کو سنایا۔

اس کے باوجود عام اہلِ بخاریٰ امام بخاری کو چھوڑنے کو تیار نہ تھے مگر اس نے بخاریٰ سے نکلنے کا آرڈر کر دیا، امام بخاری قدس سرہ العزیز نے وہاں سے نکلنے میں ہی عافیت سمجھی اور آپ اپنا وطن چھوڑ کر نکل گئے۔

اس طرح ترکِ وطن میں رسول کریم ﷺ کی اتباع و مشابہت حاصل ہوئی، بعد میں اس حاکم کا حال خراب ہوا اور گدھے پر بٹھا کر رسوا کیا گیا۔

صحیح ہے **من عادی لی ولیاً اذنتہ بالحرب** جو میرے ولی سے دشمنی رکھے گا اس سے میرا اعلان جنگ ہے۔ (حلیۃ الاولیاء)

پہلے نیشاپور چھوڑا اور اب اپنا وطن بھی چھوڑنا پڑا:

اپنے وطن میں ہیں مگر بے وطن ہیں ہم

اللہ اللہ ان کو کس قدر تکلیف و اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔

"ضاقت علیھم الارض بھا رحبت" زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی، ایسی صورت حال میں آپ جس قدر پریشان ہوئے ظاہر ہے مگر یہ سب پریشانی ظاہر میں تھی اور رضاء بالقضاء کی وجہ سے قلب محلی مزکی مطمئن تھا:

ہے ہر وقت اک کیف و مستی کا عالم

جہاں سے الگ ہے جہانِ محبت

علامہ ذھبی قدس سرہ العزیز ابراہیم بن معقل کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل کو دیکھا اس روز جس روز آپ کو بخاریٰ سے نکالا گیا تھا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت ایک دن وہ تھا کہ آپ پر دراہم و دنانیر وغیرہ نثار کئے جا رہے تھے اور شاندار استقبال ہوا تھا اور ایک آج کا دن ہے کیسا لگ رہا ہے؟ فرمایا: **لا ابالی اذا سلم دینی** جب میرا دین صحیح و سالم باقی ہے تو میں اس کی پرواہ نہیں کرتا ہوں۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۴۶۳ ج ۱۲)

مرشد و محبوب حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ فرماتے ہیں:

ہمہ وقت خنداں ہمہ وقت رقصاں
مکینِ محبت مکانِ محبت

سبحان اللہ! کس قدر بڑا مقام ہے رضا بالقضاء کا جو آپ کو حاصل تھا، بقول علامہ ابن تیمیہ قدس سرہ کے مخالفین سے فرمایا کہ تم میرا کیا بگاڑ لوگے، میں ہر دن اپنے ساتھ جنت لئے پھرتا ہوں یعنی ہر حال میں راضی بالقضاء ہوں، پھر غم اور رنج بھی اور خوشی و مسرت بھی سب برابر ہوتے ہیں اور بندہ مصائب و آلام میں راحت محسوس کرنے لگتا ہے۔

شیخ و محبوب مولانا شاہ محمد احمدؒ فرماتے ہیں:

ہر حال میں محبوب کی مرضی پہ ہو راضی
ہے جانِ محبت یہی ایمانِ محبت

الغرض بخاریٰ سے نکلے تو بیکند کی جانب تشریف لے گئے اور لوگ آپ کے ساتھ دو قسم کے ہو گئے کچھ اچھا اعتقاد رکھنے والے اور کچھ نفرت کرنے والے، یہاں تک کہ سمرقند نے آپ کی خدمت میں دعوت نامہ ارسال کیا اور آپ سے وہاں قیام فرمانے کی فرمائش کی، آپ نے سمرقند کا ارادہ فرمایا اور وہاں لوگوں کو آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو بہت سے خوش ہوئے اور بعضوں نے مخالفت کی، یہاں تک اختلاف و انتشار پیدا ہو گیا، ابھی سمرقند پہونچنے میں کچھ مسافت باقی تھی اس کے قریب موضع خرتنگ میں جہاں حضرت امام کے کچھ عزیز قریب قیام پذیر تھے ان کے پاس ٹھہرے، وہاں آپ کو خبر ملی کہ سمرقند میں اختلاف ہے ایک فریق آپ کے قیام سے راضی ہے اور دوسرا فریق مخالف ہے، اس خبر سے امام بخاری قدس سرہ کو بہت صدمہ ہوا اور آپ نے تہجد کی نماز میں دعا کی کہ اے اللہ: میرے اوپر زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی ہے اس لئے مجھے اپنے پاس بلا لے:

رونا کبھی، ہنسنا کبھی، جلنا کبھی بجھنا
الوان محبت ہیں یہ الوان محبت

غالب بن جبرئیل جن کے یہاں قیام تھا فرماتے ہیں کہ میں نے خود یہ دعا کرتے سنا جس کے کچھ روز بعد ہی مریض ہو گئے اور مرض بڑھتا گیا۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۶۶ ۴ ج ۱۲)

علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے امام بخاریؒ کے اس قصہ سے تمنائے موت کے جواز پر استدلال کیا ہے، مگر مشہور مسلک عدم جواز ہے کیوں کہ احادیث شریف میں ممانعت آئی ہے۔

لیکن مسلم کے بعض طرق میں اتنا اضافہ ہے لضر نزل به یعنی محض دنیوی تکالیف کی وجہ سے تمنائے موت ممنوع ہے مگر ایسی صورت میں کہ دین کا تحفظ اور تبلیغ واظہار مشکل ہوجائے تمنائے موت جائز ہے، امام بخاریؒ نے دوسری صورت میں تمنائے موت کی تھی۔

امام بخاریؒ کے تفوق اور بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ کی بناء پر حاسدین ومعاندین کے غلط تشہیر اور اشتعال پیدا کر کے نفرت پھیلانے کی وجہ سے جو صورت حال دین کی نشر و اشاعت میں رکاوٹوں کی پیدا ہوگئی تھی، اس کی وجہ سے تمنائے موت کی نہ محض دنیوی تکلیف ومصیبت کی وجہ سے۔

بعد میں حضرت امام کو معلوم ہوا کہ اہل سمرقند نے تحقیق واقعات کے بعد بلا لینے کے لئے اتفاق کر لیا ہے اور سب خوش ہیں تو آپ نے تیاری کی اور سواری طلب فرمائی، موزے پہنے اور عمامہ باندھا ایک طرف سے غالب بن جبرئیل نے سہارا دیا اور دوسری طرف سے کسی اور نے سہارا دیا۔

وفات حسرت آیات

امام کی دعا قبول ہو چکی تھی، امام سواری کی طرف چند ہی قدم بڑھے تھے کہ فرمایا ضعف بہت ہو چکا ہے مجھے لٹا دو، آپ کو لٹا دیا گیا آپ پر نزع کا عالم طاری ہو گیا، پسینہ جاری ہو گیا، جنت کے مناظر سامنے آنے لگے، ملاء اعلیٰ کی طرف کشش بڑھ گئی اور غایت شوق میں روح مقدس قفس عنصری سے محبوب تعالیٰ کی زیارت کے لئے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ۲۵۶ھ کا واقعہ ہے۔ (طبقات الشافعیہ ص ۲۳۳ ج ۲۔ فضل الباری ص ۲۷ ج ۱)

عید الفطر کی شب مبارک میں جو لیلۃ الجائزۃ انعام ربانی کی رات ہوتی ہے، اللہ پاک کا پیارا بندہ عاشق رسول جو زندگی بھر خدمت حدیث کرتا رہا، انعام ربانی پانے کے

لئے لیلۃ الجائزہ میں واصل بحق تعالیٰ ہو گیا تا کہ انعاماتِ ربانیہ سے اپنی عید منائے، ظاہر ہے کہ عاشقِ مولیٰ کی عید ہی ہے کہ اپنے مولیٰ کی زیارت کرے اور ان کی رضا کو پالے اور روح و ریحان و جنۃ نعیم کے مزے اور بہاریں دیکھے۔

سبحان اللہ! جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد پیدا ہوئے تھے اور عید الفطر کے دن نماز ظہر کے بعد دفن ہوئے۔

امام بخاری کے انتقال کی خبر نے پورے علاقہ میں تہلکہ مچا دیا، عاشقِ رسول کا جنازہ تھا اس دھوم دھام سے اٹھا کہ سارا شہر سمرقند ساتھ تھا عید الفطر کے دن ظہر بعد اس علم و عمل کے پہاڑ کو خرتنگ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

زمین نے ایسے آسمان معرفت وعلم کو اپنے اندر لے لیا۔

اللہ اکبر!!! مدتوں کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا۔

کل عمر مبارک ۶۲ رسال ہوئی، آپ کی سنۂ ولادت، مدت عمر، اور سنۂ وفات اس عبارت سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

وُلِدَ فِیْ صِدْقٍ وَ عَاشَ حَمِیْدًا وَ مَاتَ فِیْ نُوْرٍ۔

اس میں صدق کے اعداد ۱۹۴، حمید کے اعداد ۶۲، اور لفظ نور کے اعداد ۲۵۶ ہوتے ہیں جو علی الترتیب پیدائش، عمر، وفات کے سنہ کو ظاہر کرتے ہیں۔

کان البخاری حافظا ومحدثا جمع الصحیح مکمل التحریر
میلاد صدق و مدة عمره فیها حمید وانقضی فی نور

بعد دفن قبر سے خوشبو پھیلنا

دفن کے بعد آپ کی قبر مبارک (جو روضۃ من ریاض الجنۃ تھی) سے بہت تیز خوشبو مشک وعنبر جیسی مہکتی رہی اور لوگوں نے بطور تبرک آپ کے مزار سے مٹی اٹھانا شروع کر دیا یہاں تک کہ جب قبر کی حفاظت مشکل ہوگئی تو مزار کا نشان باقی رکھنے کے لئے اس کا

انتظام کرنا پڑا کہ لوگ مٹی نہ لے جاسکیں یعنی احاطہ بنانا پڑا۔

دوسری بڑی کرامت قبر پرنور کا مینار

علامہ ذھبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ قبر مبارک کے اوپر نور کے لمبے ستون دکھائی دیتے تھے جن کو دیکھ کر لوگ تعجب کرتے تھے۔

اللہ اکبر! یہ سب منجانب اللہ آپ کے مقام و مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لئے اور حاسدین و معاندین کی تنبیہ کے لئے ہوا، یہ دیکھ کر بہت سوں نے قبر کے پاس توبہ کی اور آپ کی عظمت کے دل وجان سے قائل و معترف بن گئے:

وخرج بعض مخالفيه الى قبر و اظهروا التوبةوالندامة مما كانوا شرعوا فيه من مذموم المذهب۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۶۷ ج ۱۲ ر۔ طبقات الشافعیہ، ص ۲۳۳ ج ۲)

امام بخاری پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی توجہ

محمد بن محمد بن مکی جرجانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے شیخ عبدالواحد بن آدم طوادیسیؒ کو سنا کہ میں نے خواب میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب کی جماعت تھی، آپ کسی جگہ پر کھڑے ہیں میں نے سلام کیا حضرت نے سلام کا جواب دیا بندہ نے عرض کیا: حضور والا! یہاں کیسے کھڑے ہوئے ہیں؟ فرمایا کہ محمد بن اسماعیل بخاری کی انتظار میں ہوں۔

کچھ عرصہ بعد جب مجھے حضرت امام کی موت کی خبر معلوم ہوئی، میں نے غور وفکر کیا تو یہ بالکل وہی وقت تھا جس وقت میں امام بخاری واصل بحق تعالیٰ ہوئے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۲۶۸ ج ۱۲ ر۔ طبقات الشافعیہ ص ۲۳۲ ج ۲)

آپ کو بارگاہ رسالت میں یہ مقبولیت آپ کی عظیم دینی خدمات، حدیث پاک کے ساتھ غایت درجہ اشتغال وانہماک، عمل واتباع سنت، اللہ پاک کے عشق ومحبت اور ان کے راستہ میں طویل مجاہدات کی بناء پر حاصل ہوئی تھی، یہ خاص انعام ہے جو قسمت والوں کو حاصل ہوتا ہے۔

محمد بن ابی حاتم ورّاق بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار خواب میں حضور پاک ﷺ کی زیارت کی اور محمد بن اسماعیل بخاریؒ کو دیکھا آپ علیہ السلام کے پیچھے پیچھے جا رہے ہیں اور حضور جس جگہ قدم رکھتے ہیں امام بخاری بھی وہیں قدم رکھتے ہیں اس میں بالکل واضح اشارہ ہے کہ آپ بالکل متبع سنت تھے، اس طرح کا خواب ایک دوسرے بزرگ کے حوالہ سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ (طبقات الشافعیہ ص ۲۲۱ ج ۲)

فربری کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور پاک ﷺ کی زیارت کی اور دیکھا کہ کسی جگہ جا رہا ہوں تو حضور پاک علیہ السلام نے پوچھا کہاں جا رہے ہو میں نے عرض کیا محمد بن اسماعیل کے پاس فرمایا جاؤ اور ان کو میرا سلام کہنا۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۴۴۳ ج ۱۲)

ان خوابوں سے آپ کا مقبول الٰہی اور محبوب رسول ہونا سمجھ میں آتا ہے اور ایسے خواب اللہ پاک کی بڑی نعمت ہیں، جیسا کہ امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں فرمایا ہے:

فصل فی الرؤیا التی ھی نعمة من نعم اللّٰہ تعالیٰ، ص ۱۸۴ ج ۴:

عن أبی الدرداء قال سألت رسول اللّٰہ ﷺ عن ھذہ الآیة لھم البشری فی الحیوة الدنیا وفی الآخرة قال البشری الرویاء الصالحة یراھا المسلم او تری له وفی الآخرة الجنة یعنی سچے خواب خود ایمان والا دیکھتا یا اس کے بارے میں دوسروں کو دکھائے جاتے ہیں، یہ اس کے لئے بہت بڑی بشارت ہوتے ہیں۔

امام بخاریؒ کے مزار کی برکات

حضرت امام بخاری قدس سرہٗ العزیز کے وصال کے ایک زمانہ دراز بعد اس علاقہ میں قحط پڑ گیا، پانی کی بے انتہاء قلت واقع ہوگئی، بارش بند ہوگئی، تالاب خشک ہو گئے، لوگ پریشان ہو گئے، بار بار دعائیں کی گئیں مگر کچھ فائدہ نہ ہوا، قاضی سمرقند کی خدمت میں ایک رجل صالح آیا اور عرض کیا میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے کہ آپ لوگوں کو لے کر امام بخاری کی قبر پر جاؤ اور ان کی قبر خرتنگ میں ہے اور وہاں دعا کرو ممکن ہے کہ

اللہ پاک قبول فرما کر رحم فرمائے، قاضی سمرقند نے یہ مشورہ قبول کیا اور لوگوں کے ساتھ لے جا کر وہاں دعا کی اور لوگ قبر کے پاس خوب روئے اور امام کے وسیلہ سے دعائیں کیں، اللہ پاک نے دعائیں قبول فرمائیں اور خوب بارش ہوئی، اتنی زبردست بارش ہوئی کہ لوگوں کو سات روز تک خرتنگ میں ہی ٹھہرنا پڑا، وہاں سے سمرقند آنا بھی مشکل ہو گیا حالانکہ خرتنگ اور سمرقند کے درمیان صرف تین میل کا فاصلہ تھا۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۴۶۹ ج ۱۲۔ طبقات الشافعیہ ص ۲۳۴ ج ۲)

مسلک امام بخاریؒ

امام بخاریؒ کے مذہب کے بارے میں پانچ اقوال ملتے ہیں، ان اقوال کا خلاصہ یہ ہے!

(۱) سب سے مشہور قول یہ ہے کہ وہ مجتہد مطلق تھے کسی کے مقلد نہیں تھے، یہ قول شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور علامہ انور شاہ وغیرہ کا ہے۔

(۲) شوافع نے ان کو شافعی شمار کیا ہے، یہ قول علامہ تاج الدین سبکی وغیرہ کا ہے اور اس قول کی بنیاد صرف یہ چیز ہے کہ مشہور اختلافی مسائل میں ان کی موافقت کی ہے حالانکہ مخالفت بھی کی، اصل میں ان کا اجتہاد جہاں پہنچتا ہے وہ اس کے مطابق فرماتے ہیں اس سے یہ سمجھنا کہ بالکل اس امام کے متبع ہیں درست نہیں ہے، بہت جگہ امام بخاری نے احناف کی تائید وحمایت بھی کی ہے تو کیا ہم حنفی کہنے لگیں؟ جب کہ بہت سے احناف محدثین سے آپ نے روایت لی ہے تو یہ اور بھی قرینہ ہے اس کے باوجود آپ کو حنفی کہنا صحیح نہ ہوگا۔

(۳) حنابلہ ان کو حنبلی قرار دیتے ہیں اور اس قول کی بنا اس پر ہے کہ ان کو امام احمد بن حنبل سے تلمذ حاصل تھا اور بہت زیادہ محبت تھی اور امام احمدؒ ان کو اپنے پاس بغداد ہی میں رکھنا پسند فرماتے تھے جس پر امام بخاری نے بعد میں افسوس بھی کیا تھا۔

(۴) وہ مجتہد منتسب الی الشافعی تھے۔

(۵) نہ وہ مجتہد ہیں اور نہ مقلد ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری کے تراجم و ابواب میں جو بالغ نظری پائی جاتی ہے اس کے پیشِ نظر ان کو کسی فقہی مسلک کا پابند نہیں کہا جاسکتا ہے، وہ کسی مسلک کے متبع نہ تھے بلکہ خود ایک مجتہد کی شان رکھتے تھے۔ (فضل الباری ص ۶۴ ج ۱)

حضرت شیخ زکریا قدس سرہ مقدمہ لامع ص ۱۵ پر لکھتے ہیں کہ ان ائمہ حدیث کو علماء کے ایک گروہ نے مجتہد قرار دیا ہے اور ایک طبقہ نے مقلد قرار دیا ہے اور میرے نزدیک اس میں تفصیل ہے، امام ابوداؤد متشدد حنبلی ہیں جیسا کہ امام طحاوی متشدد حنفی ہیں، امام ترمذیؒ شافعی ہیں اور امام بخاریؒ کو شوافع نے شافعی کہا ہے مگر میرے نزدیک سب سے راجح قول یہ ہے کہ وہ مستقل مجتہد تھے جیسا کہ اس پر مخفی نہیں ہے جو بخاری میں درک رکھتا ہے۔ اور امام مسلمؒ اور ابن ماجہؒ کا مسلک علی التحقیق معلوم نہیں۔

(والبسط فی مقدمۃ اللامع)

امام بخاریؒ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ

حضرت امام بخاریؒ کو امام اعظم کا مسلک جس طرح پہنچا آپ نے اس طرح بیان فرمایا اور اس میں اپنی دقت فہم سے اگر کچھ خامی محسوس کی تو آپ نے وہ بھی بیان کی، یہ الگ بات ہے امام اعظم کی نظر فقہ کے باب میں امام بخاری قدس سرہٗ سے بہت زیادہ دقیق اور باریک تھی اور صحیح دلائل پر مبنی تھی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ امام بخاری اپنی کتاب الجامع الصحیح میں متعدد مقامات پر خصوصاً کتاب الحیل اور کتاب الاکراہ میں امام اعظم پر قال بعض الناس کہہ کر سخت تعریض کی ہے جس کی وجہ بعض لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ امام بخاری اور مشہور حنفی فقیہ ابوحفص کے درمیان کچھ کشاکش تھی اور رضاعت کے ایک مسئلہ میں ان دونوں کا اختلاف ہوگیا تھا جس میں امام بخاری کو خفّت اٹھانی پڑی تھی، اور بخاریٰ سے نکلنا پڑا، وہ مسئلہ

یہ تھا کہ دو بچوں نے اگر کسی ایک بکری یا ایک گائے کے تھن سے اس کا دودھ پیا ہو تو کیا ہوگا؟ سائل نے پہلے امام بخاری سے یہ مسئلہ معلوم کیا تو انھوں نے فرمایا کہ حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی پھر ابوحفص سے معلوم کیا تو انھوں نے فرمایا: کہ کچھ نہ ہوگا کسی عورت کا دودھ پیتے تو کچھ ہوتا بکری کا دودھ پینے سے کچھ نہ ہوگا اور امام ابوحفص نے فرمایا مسائل اور فتویٰ کے لئے ہمیں چھوڑ دیں اور آپ صرف حدیث پڑھایا کریں، یہ بہتر ہے۔

اس قصہ کو فقہاء جیسے صاحب البحر الرائق اور دیگر شراح ہدایہ نقل کرتے ہیں۔

(البحر الرائق ص۲۲۹ ج ۳)

مگر اس قصہ کی صحت میں کلام ہے اور اس واقعہ کی نسبت امام بخاری قدس سرہ کی طرف ایک اختراع معلوم ہوتی ہے، امام جیسے فقیہ النفس مجتہد اس سے بلند ہیں کہ اس قسم کی بات فرمائیں حضرت علامہ مولانا عبدالحی لکھنوی قدس سرہٗ نے الفوائد البهية ص۱۸ پر ابوحفص کبیر کے ترجمہ میں اس قصہ کے وقوع کو مستبعد قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

ثم ذكر حكاية اخراج البخاري وهي حكاية مشهورة في كتب أصحابنا ذكرها ايضاً صاحب العناية من شراح الهدايه لكني استبعد وقوعها بالنسبة الى جلالة قدر البخاري ودقة فهمه وسعة نظره وغور فكره مما لا يخفى على من انتفع بصحيحه وعلى تقدير صحتها فالبشر يخطي۔

علامہ شبیر عثمانی فرماتے ہیں کہ اس کشاکش اور کشمکش کو امام اعظم پر تعریضات کا سبب قرار دینا بالکل غلط ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری کو جو مسلک امام اعظم کا جو پہونچا اور جس طرح پہنچا انھوں نے اس کو ذکر فرمایا اور اس پر اپنی اجتہادی ذوق سے رد وقدح فرمائی اور اعتراض فرمایا، وہ سراسر نیک نیتی پر مبنی ہے۔

لیکن ہمارے لئے دونوں (امام اعظمؒ اور امام بخاریؒ) کی عظمت بالکل مسلم ہے اور ایک کی حمایت اور دوسرے کی تنقیص کرنا مسلک اہل حق کے بالکل خلاف ہے اور ہمیشہ غلط لوگوں کا طریقہ رہا ہے، اہلِ حق کو بہت احتیاط کرنی چاہئے۔ (فضل الباری، ص ۶۵ ج ۱)

سبحان اللہ! علامہ شبیر احمد عثمانیؒ شارح بخاری وشارح مسلم نے کتنی پیاری بات فرمائی جو آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے اور بزرگوں کے باہمی اختلاف میں ان کے متعلقین کے لئے بہترین ہدایت ہے۔

تصانیف امام بخاریؒ

حضرت امام بخاری قدس سرہٗ کی بخاری شریف کے علاوہ اور بھی بہت سی تصانیف ہیں۔ بقول علامہ قسطلانی کے آپ کی جملہ تصانیف بے انتہاء مفید ہیں، ان کے فائدہ کا انکار وہی احمق کرسکتا ہے جسے شیطان نے پاگل بنادیا ہو اور ان تمام تصانیف میں سب سے اعلیٰ اور افضل اصح الکتب بعد کتاب اللہ تعالیٰ جامع صحیح ہے۔

(۱) قضایا الصحابة والتابعین
(۲) التاریخ الکبیر
(۳) الأدب المفرد
(۴) التفسیر الکبیر
(۵) التاریخ الأوسط
(۶) الجامع الکبیر
(۷) أسامی الصحابه
(۸) کتاب المبسوط
(۹) الجامع الصغیر فی الحدیث
(۱۰) کتاب الکنیٰ
(۱۱) کتاب الرقاق
(۱۲) التاریخ الصغیر
(۱۳) المسند الکبیر
(۱۴) کتاب الوحدان

(١٥) كتاب الأشربة

(١٦) خلق أفعال العباد

(١٧) كتاب الفوائد

(١٨) كتاب الهبة

(١٩) جزء القرأة خلف الامام

(٢٠) جزء رفع اليدين

(٢١) كتاب الضعفاء الصغير

(٢٢) كتاب العلل

(٢٣) الجامع الصحيح

ان کتابوں کے تفصیلی تعارف کے لئے فضل الباری اور ظفر المحصلین کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

الجامع الصحیح

حضرت امام عالی مقام قدس سرہٗ کی تمام تصانیف میں الجامع الصحیح کو جو مقام حاصل ہوا ہے وہ ظاہر ہے، اس لئے اب ضروری معلوم ہوتا ہے جامع صحیح کے متعلق چند باتیں ذکر کردی جائیں۔

نام کتاب

اس مقدس کتاب کا مکمل نام اس طرح ہے: **الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله ﷺ وسننه وأيامه۔**

جامع اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کے اندر حدیث کے آٹھوں ابواب موجود ہیں۔

سیر، آداب، تفسیر وعقائد، فتن، احکام، اشراط ومناقب

مسند اس وجہ سے کہ اس میں روایات سند متصل کے ساتھ مرفوعاً منقول ہیں، آثار وغیرہ جو مذکور ہوئے ہیں وہ بالتبع ہیں یا تراجم میں ہیں۔

اور صحیح اس وجہ سے کہ امام بخاریؒ نے اس میں صحیح احادیث نقل فرمائی ہیں ان کی تحقیق کے مطابق اس میں کوئی روایت ضعیف نہیں ہے۔

المختصر سے اشارہ ہے کہ اس میں تمام صحیح حدیثوں کو جمع نہیں کیا گیا، خود امام بخاری سے منقول ہے کہ ۶/لاکھ حدیثوں میں سے میں نے اس کتاب کو مختصر کیا ہے، یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا ماکتبت فی الصحیح الا ماصح، و ترکت کثیراً من الصحاح لحال الطول، اس میں جتنی حدیثیں ہیں وہ سب صحیح ہیں اور بہت سی صحیح احادیث کو طول سے بچنے کے لئے میں نے قصداً ترک کر دیا ہے۔

من أمور رسول اللہ ﷺ سے آپ کے اقوال کی طرف اشارہ ہے اور سنہ سے آپ کے افعال وتقریرات کی جانب اشارہ ہے اور أیامه سے غزوات کی طرف اور ان تمام واقعات کی طرف اشارہ ہے جو آپ کے عہد مبارک میں پیش آئے۔ (ظفر المحصلین ص ۱۲۳)

سبب تالیف کتاب

امام بخاری قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ میں اپنے استاد اسحاق بن راہویہ قدس سرہ کی خدمت میں تھا تو حضرت الاستاذ نے عام خطاب کرتے ہوئے فرمایا: لو جمعتم کتاباً مختصراً لسنن رسول اللہ ﷺ امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میرے دل میں اس تالیف کا خیال پیدا ہو گیا۔

دوسرا سبب خواب کو بتایا جاتا ہے، امام بخاریؒ قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ میں آپ کی خدمت میں کھڑا ہوں اور میرے ہاتھوں میں پنکھا ہے اس کے ذریعہ سے میں بدن مبارک سے مکھیوں کو دفع کر رہا ہوں، بعض معبرین سے میں نے اس کی تعبیر دریافت کی تو انھوں نے بتایا کہ تم حضور اقدس ﷺ سے کذب کو دور کرو گے یعنی احادیث شریفہ کے ذخیرہ میں سے موضوع اور ضعیف حدیثوں کو چھانٹ کر نکال دو گے۔

اس طرح میرے قلب میں یہ جذبہ پیدا ہوا: فهو الذی حملنی علی اخراج

الجامع الصحیح۔ (قسطلانی،ص۲۹ج۱وغیرہ)

سنِ تالیف

حضرت امام بخاری قدس سرہ نے کب اس کتاب مقدس کی ابتداء فرمائی اور کب انتہاء فرمائی، اس کے بارے میں صاف وضاحت نہیں ملتی ہے البتہ حضرت شیخ الحدیث محمد زکریاؒ نے فرمایا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء تالیف کی ۲۱۷ھ سے ہے اور ۲۳۳ھ میں اختتام ہوا ہے یعنی کُل سولہ سال صرف ہوئے۔

کُل زمانہ تصنیف

حضرت علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری قدس سرہٗ نے فرمایا: **خرجته من نحو ستمائة ألف حديث و صنفته في ست عشرة سنة و جعلته حجة فيما بيني و بين الله تعالى**۔ص۲۹ج۱۔ کہ میں نے ۶/لاکھ احادیث سے اس مجموعہ کا انتخاب کیا ہے اور سولہ سال کی مدت میں اس کو لکھا ہے اور اس کو میں نے اپنے اور اپنے رب کے درمیان حجت بنایا ہے۔

مقامِ تصنیف

بعض علماء نے فرمایا کہ آپ نے جامع صحیح کو بخارا میں تالیف فرمایا اور بعض نے کہا ہے کہ مکہ معظمہ میں لکھا اور بعض لوگوں نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں لکھا اور بعض نے بصرہ کہا ہے مگر امام بخاری سے منقول ہے: **صنفت كتابي الجامع في المسجد الحرام و ما أدخلت فيه حديثاً حتى استخرت الله تعالى و صليت ركعتين و تيقنت صحته**۔

(قسطلانی،ص۲۹ج۱)

حافظ ابن حجرؒ نے تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ ابتداء تالیف کی اور ترتیب ابواب کی مسجد حرام میں کی اور احادیث شریفہ کی تخریج مختلف بلاد میں کبھی اپنے شہر میں اور کبھی دوسرے شہروں میں جیسا موقع ہوتا رہا لکھتے رہے، کیوں کہ اس مقدس کتاب کی تالیف میں سولہ سال لگے اور سولہ سال آپ کا مکہ میں قیام ثابت نہیں ہے۔

قال الحافظ ابن حجر رحمه الله و الجمع بين هذا و بين ماروى أنه كان

یصنفه فی البلاد انه ابتدأ تصنیفه و ترتیب أبوابه فی المسجد الحرام ثم کان یخرج الأحادیث بعد ذلک فی بلده وغیرها ویدل علیه قوله أنه أقام فیه ست عشرة سنة فانه لم یکن بمکة هذه المدة کلها۔ (قسطلانی ص ۲۹ ج ۱۔ هدی الساری ص ۵۱۴)

علامہ ابن عدی نے مشائخ محدثین کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام نے تراجم حضور پاک ﷺ کی قبر اطہر اور منبر شریف کے درمیان لکھے اور ہر بار ترجمہ لکھتے وقت دو رکعت پڑھتے تھے اور اس کے بعد حدیثیں لکھتے تھے۔

تالیف میں ادب کا اہتمام

امام بخاریؒ نے اپنی اس مقدس کتاب کی تالیف میں وہ ادب و اہتمام ملحوظ رکھا جس کی مثال دیگر مؤلفین اور ان کی تالیف میں نہیں ملتی ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ جب کسی حدیث کے لکھنے کا ارادہ کرتے تو اول غسل کرتے، دو رکعت نفل ادا کرتے اور پھر اسے لکھتے اور تراجم قبر مبارک اور منبر شریف کے درمیان لکھتے اور ہر ترجمہ پر دو رکعت نفل ادا کرتے۔ (بستان المحدثین ص ۲۷۱)

نیز شیخ فربری کہتے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے ہر حدیث لکھنے سے قبل غسل کیا پھر اس کو لکھا۔ اللہ اکبر اس قدر زبردست اہتمام جس کی مثال لانا مشکل ہے۔ (قسطلانی ص ۲۹ ج ۱۔ و کذا فی هدی الساری)

فضیلت کتاب و برکات

چونکہ حضرت مؤلف علام نے اپنی اس تالیف میں حد درجہ اہتمام فرمایا اور روایات کی تحقیق و تدقیق میں بھی نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا جہاں بھی ذرا شک ہوا اس کی روایات چھوڑ دی اور احتیاط کا یہ عالم کہ ایک بار آپ طلب حدیث میں ایک محدث کے پاس گئے دیکھا کہ ان کا گھوڑا ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگ نکلا تو محدث نے اس کو اپنی چادر کا پلہ اس طرح دکھلایا جیسے اس میں دانہ ہو چنانچہ گھوڑا یہ دیکھ کر واپس آ گیا، امام بخاری نے یہ تماشا دیکھ کر معلوم کیا کہ حضرت آپ کی چادر میں واقعی دانہ تھا؟ محدث صاحب نے کہا نہیں بلکہ میں نے اس تدبیر

سے اس کو بلایا، امام بخاری نے فرمایا: لا اٰخذ الحدیث عن مَن یکذب علی البھائم جو شخص جانوروں کو دھوکہ دیتا ہے اس کا کیا بھروسہ کہ وہ انسانوں کو دھوکہ نہ دیتا ہوگا۔

جس مقدس کتاب کی جمع و ترتیب میں اس قدر خیال رکھا گیا ہو، اوپر سے مؤلف کا تقویٰ طہارت، خلوص وللّٰہیت، دعا و تضرع، عبدیت و اخبات اس پر مستزاد ہو اس کتاب کو ایسی فضیلت کیوں نہ حاصل ہوگی، چنانچہ حضرت علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کی فضیلت مسلم ہے اور یہ طے ہے کہ یہ کتاب تمام کتب مؤلفہ فی الحدیث میں سب سے عمدہ اور سب سے اہم اور سب سے اصح اور مقبول ہے، ہر دور کے علماء نے اس کو پسند فرمایا اور تمام کتب پر فوقیت دی، اسی وجہ سے اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف قرار پائی۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب

حضرت ابوزید المروزی کہتے ہیں کہ میں رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان لیٹ گیا تو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہوں، آپ فرما رہے ہیں کہ اے ابوزید! کب تک تم شافعی کی کتاب پڑھتے رہو گے اور ہماری کتاب نہیں پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضور والا آپ کی کتاب کونسی ہے؟ فرمایا جامع محمد بن اسماعیل بخاری، یعنی بخاری شریف اس خواب کو حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں نیز علامہ قسطلانی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز بستان المحدثین ص ۲۷۵ میں فرماتے ہیں کہ اس قسم کا خواب امام الحرمین سے بھی منقول ہے۔

حضرت علامہ عبدالعزیز بستان المحدثین ص ۲۷۵ میں فرماتے ہیں کہ اس قسم کا خواب امام الحرمین سے بھی منقول ہے۔

حضرت علامہ ذہبیؒ نے "تاریخ الاسلام" میں ذکر فرمایا ہے۔

بہرحال جامع بخاری تو وہ تمام اسلامی کتابوں میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہے بعد کتاب اللہ تعالیٰ۔

اسی طرح امام نسائی نے فرمایا کہ تمام کتابوں میں سب سے اجود اور سب سے عمدہ کتاب بخاری شریف ہے۔

بے شمار عارفین اور علماء وصلحاء کا تجربہ ہے کہ بخاری شریف کا ختم کرنا مشکل اور دشواریوں کے حل کے لئے مجرب نسخہ ہے، شیخ ابومحمد عبداللہ بن ابی جمرہ نے بہت سے حضرات سے یہ بات نقل کی ہے، حافظ ابن کثیر نے فرمایا: بلاشبہ اس کتاب کی قرأت کی برکت سے بارشیں نازل ہوتی ہیں اور تمام اہل اسلام کا اس مقدس کتاب کی مقبولیت پر اتفاق ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ بارہا بہت سے بزرگوں نے اپنی مرادوں کے حصول کے لئے اور مہمات کی کفایت اور قضا حاجت اور دفع بلیات اور شفاء امراض اور شدائد ومشکلات سے نجات کے لئے اس مقدس کتاب کا ختم کیا اور ہمیشہ فائز المرام ہوئے اور اس کو تریاق مجرب پایا، اور یہ بات محدثین کرام کے یہاں شہرت وتواتر کے ساتھ منقول چلی آرہی ہے۔

شیخ جمال الدین محدث نے اپنے استاذ شیخ سید اصیل الدین سے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک سو بیس بار سے زیادہ اس کا تجربہ کیا جس غرض اور مقصد کے لئے اس کتاب مقدس کو پڑھا وہ مطلوب حاصل ہوا۔ (مقدمہ لامع ص ۲۳)

یہی بات تقریباً امام المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز نے بستان المحدثین ص ۲۷۴ ر میں فرمائی ہے، فرماتے ہیں: خواندان ایں جامع در اوقات شدت وخوف دشمن ومرض وقحط و دیگر بلا تریاق مجرب است۔ یعنی وقتِ شدت، خوفِ دشمن، سختی مرض، قحط سالی اور دیگر بلاؤں میں اس جامع صحیح کا پڑھنا تریاق کا کام دیتا ہے چنانچہ اکثر اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔

ابوجعفر عقیلی کہتے ہیں کہ جب حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو لکھا تو حضرت امام علی بن المدینیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت امام یحییٰ بن معینؒ وغیرہ کے سامنے پیش کیا تو ان کبار علماء اجلہ محدثین نے اس کو بیحد پسند فرمایا اور اس کو بالکل صحیح قرار دیا سوائے چار احادیث کے عقیلی فرماتے ہیں کہ ان چار احادیث میں بھی امام بخاریؒ کی تحقیق ہی درست ہے۔ (مقدمہ لامع ص ۲۴)

انتہائی درجہ مقبولیت

الغرض اس کتاب کو اللہ پاک نے ایسی خاص مقبولیت عطا فرمائی جو اور کسی کتاب

کونہیں حاصل ہوسکی ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخاری کی حسن نیت کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ جامع اس قدر مقبول ہوئی کہ ان کی زندگی میں ہی اسے نوے ہزار آدمیوں نے آپ سے بلاواسطہ سنا۔

جن میں سب سے آخری شاگرد فربری ہیں اور آج کل ان کی روایت ہی علواسناد کی وجہ سے شائع اور مشہور ہے۔ (بستان المحدثین، ص ۲۷۱)

اور ان شاء اللہ تا قیامت اہل اسلام اس سے مستفیض و مستنیر ہوتے رہیں گے، اور عرب وعجم کے لاکھوں مدارس میں اس کا درس بڑی عظمت سے ہوتا ہے، اللہ پاک سب کو قبول فرمائے اور ہمیں اس سے خوب فیضیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

مقصودِ کتاب

ہر مؤلف ومصنف کا اپنی تالیف میں کوئی خاص مقصد رہتا ہے، حضرت امام بخاری قدس سرہ کا مقصد صرف احادیث صحیحہ پر واقفیت اور اطلاع ہے اسی وجہ سے امام نے اس کا التزام واہتمام فرمایا کہ اپنی کتاب میں وہ صرف صحیح احادیث ہی جمع کریں گے۔

یہ اصل موضوع ہے جو بخاری شریف کے نام سے مستفاد وماخوذ اور مفہوم ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ امام نے یہ بھی خیال فرمایا کہ ان کی کتاب فوائد فقہیہ، نکات حدیثیہ اور تفسیری حکمتوں اور تاریخی صحیح معلومات سے اور دیگر فوائد علمیہ سے بھی مزین ہو تو آپ کے ذہن ثاقب نے متون حدیث سے بیش بہا معانی اور مضامین مستنبط کردئے اور کتاب کے ابواب میں آیات قرآنیہ کے اعتناء کے ساتھ وہ علمی خزانے جمع کردئے جس کی مثال اور کتابوں میں نہیں ہے۔

اگرچہ صحاح کا اخراج اور بیان حضرت امام مسلم قدس سرہٗ کا مقصود بھی ہے مگر انہوں نے صرف احادیث صحیحہ کی تخریج پر اکتفاء فرمایا اور ان سے استنباط واستخراج نہیں فرمایا صرف اتنا کیا کہ حدیث کی تمام طرق ایک جگہ جمع کردئے تاکہ متون کا اختلاف ظاہر ہوجائے اور اسانید اپنی تمام تفاصیل کے ساتھ سمجھ میں آجائیں اور امام ابوداؤد نے ان روایات کا قصد فرمایا: جن سے فقہاء نے استدلال فرمایا ہے، چاہے وہ صحیح ہوں یا حسن وغیرہ مگر صالح للعمل ہونی چاہئے۔

اسی وجہ سے انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنی کتاب میں ایسی روایات ذکر نہیں کی

جن کے ترک پر محدثین کا اجماع واتفاق ہو یا انھوں نے ضعیف کہا ہو اور امام ترمذی قدس سرہٗ نے شیخین کے طریقہ اور ابوداؤد کے طرز کو جمع کرنے کی سعی فرمائی ہے بلکہ مذاہب فقہاء، تابعین اور احادیث کا درجہ اور راویوں کے احوال کا اضافہ بھی فرمادیا جس سے ان کی کتاب انفع اور اسہل بن گئی ہے، امام بخاری چونکہ خود مجتہد صاحب الرائے، اونچے درجے کے فقیہ ہیں اس وجہ سے احادیث صحیحہ سے فقہ کا استنباط واستخراج عجیب شان سے فرماتے ہیں اور ہر باب میں اپنی تحقیق رکھتے ہیں، اس لئے مشہور ہوگیا، فقه البخاری فی تراجمه کہ ان کا مختار مسلک ہر مسئلہ میں ان کے تراجم سے ظاہر ہوتا ہے۔ (والتفصیل فی مقدمة اللامع، ص ۲۴)

اسلوبِ کتاب

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت مؤلف علام کا مقصود صرف صحیح احادیث کا جمع کرنا ہی نہیں ہے بلکہ تراجم ابواب اور ان میں بیان کردہ مسائل فقہیہ، نکات، اسرار وحکم پر استدلال اور احادیث شریفہ سے ان کا استنباط مقصود ہے چنانچہ حضرت پہلے عنوان یعنی ترجمہ قائم کرتے ہیں، اس کے اثبات کے لئے اگر آیات مل جائیں تو آپ سب سے پہلے آیات ذکر فرمایا کرتے ہیں، اور بعض اوقات صرف آیات پر ہی اکتفاء کر لیتے ہیں اور بعض اوقات آثار صحابہ، اقوال تابعین، ارشادات ائمہ، فقہاء کے فتاویٰ سے اس کی تائید کرتے ہیں، اس کے بعد باب کے تحت اپنی پوری سند کے ساتھ حدیث کی روایت کرتے ہیں اور کبھی سند معلق سے حدیث وارد کرتے ہیں اور کبھی بغیر سند کے بھی حدیث ذکر کر دیتے ہیں۔

پھر حضرت امام کبھی باب کے تحت احادیث کثیرہ روایت کرتے ہیں اور کبھی صرف ایک ہی حدیث ذکر کرتے ہیں، یہ اس صورت میں ہے جبکہ انہیں ترجمۃ الباب کے لئے اپنی شرائط پر احادیث مل جائیں اور کبھی کسی حدیث کا ذکر نہیں کرتے۔

بلکہ کسی حدیث کے بعینہ الفاظ یا اس کے ہم معنی الفاظ کو عنوان باب بنا کر اشارہ کرتے ہیں کہ اس عنوان کے تحت ان کی شرائط پر حدیث نہیں مل سکی اور عنوان باب کو الفاظ حدیث کے ساتھ تعبیر کر کے یہ اشارہ کرتے ہیں کہ یہ حدیث فی نفسہٖ لائق حجت ہے۔

کبھی امام بخاری ایک حدیث کو متعدد جگہ ذکر کرتے ہیں اس سے ان کا مقصود ان

متعدد مسائل کا اثبات ہوتا ہے جن سے متعلق ابواب کے تحت وہ اس کو ذکر فرمارہے ہیں۔

شروطِ بخاری

صاحب کشف الباری حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شروط کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مصنفین کتب تالیف کے وقت بعض امور کو پیش نظر رکھتے ہیں انہی کے مطابق کتاب میں مضامین لاتے ہیں، ان سے ہٹ کر کچھ ذکر نہیں کرتے، ائمہ ستہ نے بھی اپنی کتابوں میں کچھ شروط کا لحاظ کیا ہے۔

لیکن ان اکابر سے یہ تصریح منقول نہیں ہے کہ میں نے فلاں شرط پیش نظر رکھی ہے بلکہ بعض بعد کے علماء نے ان کی کتابوں سے مطالعہ کر کے ان شروط کا استنباط کیا ہے چنانچہ علامہ قسطلانی نے شیخ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

اعلم ان البخاری و مسلماً ومن ذکرنا بعدھم یعنی أصحاب السنن الأربعة لم ینقل عن واحد منھم انه قال شرطت ان اخرج فی کتابی مما یکون علی الشرط الفلانی و انما یعرف ذلک من سبر کتبھم فیعلم بذلک شرط کل رجل منھم۔

(قسطلانی، ص ۱۹ ج ۱۔ مقدمۃ اللامع، ص ۲۵)

اور حافظ مقدسی کا شروط ائمہ پر مستقل رسالہ ہے، ان کے علاوہ اور بھی حضرات کے رسالے ہیں، سب سے پہلے اس سلسلہ میں حافظ ابوعبداللہ بن مندہ نے رسالہ لکھا تھا، ان رسائل کا تذکرہ حضرت شیخ زکریاؒ نے مقدمہ لامع ص ۲۵ پر کیا ہے اور شروط بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ایسی حدیث کی تخریج کرتے ہیں جس کی سند متصل ہو جس کا راوی صادق، مسلمان، غیر مدلس اور غیر مختلط، عدالت کی تمام صفات کے ساتھ متصف ہو، سلیم الذہن، قلیل الوہم، سلیم الاعتقاد، ضابط، متحفظ ہو۔

یہی بات علامہ قسطلانی نے لکھی ہے کہ حدیث ثقہ سے منقول ہونی چاہئے اور صحابی تک ثقات واثبات حضرات من غیر اختلاف نقل کرتے ہوں اور اس کی سند متصل غیر مقطوع ہو۔ (قسطلانی، ص ۲۰ ج ۱)

الف۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اگر صحابی سے روایت کرنے والے دو راوی ہوں تو بہتر ہے

ورنہ ایک راوی کی روایت بھی لے لیتے ہیں جبکہ سند صحیح ہو، البتہ امام مسلم نے ایسے راویوں کی روایت لی ہے جن کی حدیثوں کو امام بخاریؒ نے شبہ کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔

ب۔ دوسری شرط یہ ہے کہ راوی کی مروی عنہ سے کم از کم ایک بار ملاقات ضرور ہوئی ہو۔

ج۔ تیسری یہ ہے کہ رواۃ ایسے ہوں جو اہل حفظ واتقان میں سے ہوں اور اپنے اساتذہ کی طویل صحبت پائی ہو کبھی ان سے بھی حدیث لے لیتے ہیں جو طویل الملازمۃ نہیں ہوتے۔

س۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ امام بخاری اپنی صحیح میں کسی مدلس کی روایت اس وقت تک ذکر نہیں کرتے جب تک کہ وہ تحدیث کی صراحت نہیں کرتا خواہ وہ صراحت اسی حدیث میں ہو یا کسی اور سند میں ہو۔

د۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ اگر راوی میں کسی قسم کا قصور ہو اور اس کی روایت دوسرے طریق سے مروی ہو جس سے قصور کی تلافی ہو جاتی ہو تو ایسی حدیث بھی امام بخاریؒ کی شرط کے تحت داخل ہو جاتی ہے۔

صاحب کشف الباری نے یہ عمدہ خلاصہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا، یہ چند شروط ہیں کچھ مزید شروط اور بھی ہیں جو فتح الباری وغیرہ سے تتبع کے بعد نکل سکتی ہیں۔

(کشف الباری، ص ۱۶۶ ج ۱)

مرتبہ کتاب

محدثین کرام نے کتب حدیث کو پانچ مراتب پر تقسیم فرمایا ہے جن کی تفصیل حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے مختصر رسالہ **مایجب حفظہ للناظر** میں بیان فرمائی ہے۔

(۱) سب سے پہلا طبقہ ان کتابوں کا ہے جو صرف احادیث صحیحہ پر لکھی گئی ہے، کوئی بھی روایت ان کتابوں میں ضعیف نہیں ہے موضوع تو کہاں، ان میں صحیح بخاری اعلیٰ درجہ رکھتی ہے اس طرح مسلم شریف اور صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ وغیرہ کتابیں ہیں۔

(۲) وہ کتابیں ہیں جن میں کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جو قابل عمل نہ ہو بلکہ اس کتاب میں **صالح للعمل صالح الاستدلال** روایات کا ذخیرہ ہے۔

جیسے سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، مسند احمد اور بقول اکثر محدثین نسائی بھی اسی قبیل سے ہے اور بعض بزرگوں نے نسائی کو ابوداؤد پر مقدم کیا ہے۔

(۳) وہ کتابیں جن میں ہر قسم کی احادیث موجود ہیں حسن، صالح، منکر جیسے سنن ابن ماجہ و مسند طیالسی، مسند عبدالرزاق، مسند سعید بن منصور، مصنف ابن ابی شیبہ مسند ابویعلی، مسند بزار وغیرہ۔

(۴) وہ کتب ہیں جن میں اکثر احادیث ضعیف ہیں جیسے حکیم ترمذی کی نوادر الاصول اور تاریخ الخلفاء اور تاریخ ابن عساکر وغیرہ۔

(۵) وہ کتب ہیں جو موضوعات کے تذکرہ پر مشتمل ہیں جیسے موضوعات ابن جوزی، موضوعات کبری وغیرہ، عقیلی کی کتاب الضعفاء۔

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ جملہ کتب احادیث میں سب سے اعلیٰ و اولیٰ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہے۔

امام نوی نے تقریب میں فرمایا ہے صحیح مجرد میں سب سے پہلی کتاب، جامع بخاری ہے پھر مسلم اور یہ دونوں قرآن عزیز کے بعد سب سے اصح کتابیں ہیں۔

بخاری اور مسلم میں کونسی زیادہ اصح و افضل ہے، جملہ محدثین اور خواص وعوام نے عرب و عجم، شمال وجنوب، مشرق ومغرب میں بخاری ہی کو اصح و افضل مانا ہے اور بعض مشائخ مغرب نے مسلم شریف کو بخاری پر ترجیح دی ہے، اس سے ان کی مراد اگر یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے احادیث صحیحہ کے ساتھ کسی چیز کو ملانا پسند ہی نہیں فرمایا تب تو ان کی بات درست ہو بھی سکتی ہے اور اگر اس کے علاوہ کچھ اور مراد ہو تو مناسب نہیں ہے اور ان کا قول قابل قبول نہیں ہے اور بعض حضرات نے حسنِ ترتیب اور احادیث کی سہولت سے مل جانے کی وجہ سے بھی زیادہ پسند کیا ہے۔

اور حافظ ابن الملقن نے فرمایا بعض حضرات کو میں نے دیکھا کہ فرماتے تھے کہ دونوں کتابیں برابر ہیں اور اس قول کی طرف علامہ قرطبیؒ کا میلان ہوتا ہے، بہرحال بخاری شریف سب سے اعلیٰ درجہ اور اول مرتبہ کی کتاب ہے اور اس اعتبار سے بھی کہ بخاری میں متکلم فیہ راوی صرف اسی (۸۰) ہیں جب کہ مسلم شریف میں متکلم فیہ راوی ایک سو

ساٹھ (۱۶۰) ہیں، اسی طرح روایات متکلمہ فیہا بخاری میں کم ہیں بہ نسبت مسلم شریف کے کہ اس میں زیادہ ہیں، اس وجہ سے بھی بخاری کا مقام بڑھا ہوا ہے نیز اس وجہ سے بھی کہ امام بخاریؒ نے بالاصالہ رواۃ کے سب سے اعلیٰ طبقہ یعنی قوی الضبط والاتقان کثیر الملازمۃ مع الشیخ سے روایات لی ہیں اور دوسرے طبقہ یعنی قوی الضبط والاتقان قلیل الملازمۃ مع الشیخ سے جو روایات لی ہیں وہ استشہاد اور تائید میں لی ہیں جبکہ امام مسلمؒ نے ان دونوں طبقوں سے بالاستقلال روایات لی ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ تیسرے طبقہ سے بھی یعنی قلیل الضبط والاتقان کثیر الملازمۃ مع الشیخ سے روایت لی ہیں اگرچہ وہ استشہاداً ہیں اور حضرت امام شافعی قدس سرہٗ نے جو فرمایا ماتحت ادیم السماء أصح من کتاب مؤطاء تو چونکہ اس وقت تک بخاری کی تالیف نہیں ہوئی تھی، امام بخاری اس وقت صرف دس سال کے تھے جب امام شافعی دنیا سے ۲۰۴ھ میں رخصت ہوئے، اس وقت ان کے سامنے موطا ہی تھی اور وہ بھی امام مالک کی کتاب جو ان کے استاذ شیخ ہیں جن کی فضیلت وامامت مسلم ہے۔ (مقدمۃ لامع ص ۴۰ وغیرہ)۔

اور صحاح ستہ میں بالکل آخری کتاب ابن ماجہ ہے اور بعض نے اس کو صحاح میں داخل ماننے سے انکار کیا ہے جیسا کہ امام نوویؒ ہیں، انھوں نے اصول میں صرف پانچ کتب ہی کا نام لیا ہے اور ابن ماجہ کا تذکرہ نہیں فرمایا۔

بلکہ سب سے پہلے جنھوں نے ابن ماجہ کو صحاح میں داخل مانا حافظ محمد بن طاہر مقدسی ہیں اور بعض محدثین نے صحاح ستہ میں موطا امام مالک کو شامل کیا ہے جیسے رزین بن معاویہ عبدری مالکی ہیں، محدثین حضرات نے ابن ماجہ کے بدلہ دارمی کو مانا ہے جیسا ابوسعید خلیل علائی ہیں، اسی طرح یہ قول شیخ عابد سندھی نے حصر الشارد فی اسانید الشیخ محمد عابد میں شیخ صلاح الدین علائی سے بھی نقل کیا ہے اور بعض ہمارے بزرگوں نے طحاوی کو ماننے کی بھی رائے دی ہے کہ وہ اپنے باب میں عدیم النظیر کتاب واقع ہوئی ہے۔ (مقدمہ لامع ص ۴۳)

باب دوم

خصوصیات و امتیازات

صحیح بخاری کی خصوصیات وامتیازات

سیدنا امام بخاریؒ کی صحیح ترین کتاب صحیح بخاری کی خصوصیات وامتیازات میں سب سے اہم خصوصیت اور امتیاز یہی ہے کہ یہ کتاب اصح کتب بعد کتاب اللہ ہے، اس کے علاوہ بھی علماء ومحدثین کرام نے اس کی بہت سی خصوصیات وامتیازات کو بیان کیا ہے:

(۱) تسمیہ

سب سے پہلی خصوصیت تسمیہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں جتنا بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے اور لکھنے کا اہتمام کیا ہے اتنا کسی محدث نے اپنی صحیح یا سنن یا جامع میں اہتمام نہیں کیا ہے، ہر کتاب کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اکثر وبیشتر تحریر فرماتے ہیں حتی کی اگر بخاریؒ کو دوران تالیف انقطاع ہو جاتا ہے تو دوبارہ ابتداء کے وقت دوران کتاب یعنی بیچ کتاب میں بسم اللہ سے ابتداء فرماتے ہیں، مثلاً **بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ باب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ** (صحیح بخاری:۱/۱۵۸)، اسی طرح **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ باب استعانۃ الید فی الصلاۃ** (صحیح بخاری:۱/۱۵۹) اس کے بعد امام بخاریؒ ہر کتاب سے پہلے یا بعد میں **بسم اللہ الرحمن الرحیم** تحریر فرماتے ہیں، جہاں آپ نے کتاب سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم تحریر فرمایا ہے اس کا مطلب ظاہر ہے کہ بخاری شریف میں ہر کتاب گویا کہ امام بخاریؒ کا مستقل رسالہ ہے، اس لئے ہر رسالہ کو شروع کرنے سے پہلے آپ نے بسملہ سے ابتداء فرمائی تاکہ سنت پر عمل ہو جائے، جس کی بہت تاکید وارد ہوئی ہے، اور جہاں لفظ کتاب مقدم ہے اور بسم اللہ مؤخر ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ کتاب اللہ میں جس طرح پہلے سورتوں کے نام، رکوع اور آیات وسورۃ کی تعین ہوتی ہے پھر اس کے بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم مکتوب ہوتا ہے؛ اسی طرح کتاب وترجمہ بمنزلہ امور کے ہیں اور اس کے بعد تسمیہ ہے، اس کی دوسری توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ پہلے کتاب کی سرخی لکھ دی ہو پھر کسی وجہ سے وقفہ ہو گیا ہو اور حدیث پاک لکھنا شروع کیا ہو تو اس سے پہلے بسملہ لکھا ہو۔

بعض مقامات پر ایک ہی جگہ تقدیم بھی ہے اور تاخیر بھی ہے جیسا کہ کتاب

الایمان کی ابتداء میں اکثر نسخوں میں کتاب مقدم ہے اور تسمیہ مؤخر ہے، بعض نسخوں میں تسمیہ مقدم ہے اور کتاب مؤخر، جیسا کہ ہندوستانی نسخوں میں کتاب مقدم ہے اور بعض نسخہ جیسے عمدۃالقاری، ارشاد الساری وغیرہ میں اس کے برعکس ہے، وجہ اختلاف نسخ ہے۔ (مقدمہ لامع: ۱/۲۷)۔

(۲) تراجم

بخاری کی اہم ترین خصوصیات میں سے تراجم وابواب بخاری ہیں، امام بخاریؒ کی سب سے زیادہ اگر کوئی ممتاز چیز ہے تو ابواب وتراجم ہیں۔

عموماً محدثین عظام اپنے اپنے ذوق کے مطابق ترجمۃ الباب منعقد کرتے ہیں لیکن امام بخاریؒ کا ترجمۃ الباب سب سے اہم اور نرالا ہے، ان سے پہلے نہ تو کسی نے ایسا ترجمۃ الباب لکھا ہے اور نہ ان کے بعد کوئی ان کے نقش قدم پر چل سکا ہے، یہ بہت تفصیل طلب موضوع اور عنوان ہے، اس لئے اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو آگے مستقل عنوان دے کر بیان کیا جائے گا۔

(۳) تمریض

اس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاریؒ اپنی صحیح میں کہیں کہیں صیغۂ تمریض مثلاً روی، قیل، یروی، یقال، یحکی استعمال فرماتے ہیں، جس سے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ سند ضعیف ہے یا اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ میں روایت مختصر کر کے پیش کر رہا ہوں، یا اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ روایت بالمعنی ہے۔

علامہ نوویؒ نے شرح بخاری کے مقدمہ میں (ماتمس الیہ حاجۃ القاری لصحیح البخاری للنووی: ص ۸۹۱) تحریر فرمایا ہے کہ امام بخاریؒ نے کلمۂ تمریض استعمال فرما کر روایات کے ضعف اور عدم جزم بالصحۃ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، یہی رجحان علامہ کرمانیؒ کا بھی ہے۔ (البخاری بشرح الکرمانی: ۱/۱۸۸، مقدمہ لامع: ص ۲۸)

حافظ ابن حجر کا تعاقب

لیکن حافظ ابن حضر عسقلانیؒ نے علامہ نوویؒ کا اور علامہ عینیؒ نے علامہ کرمانی کا تعاقب کیا ہے، چنانچہ کتاب الایمان باب خوف المؤمن أن یحبط عمله میں ویذکر عن الحسن تعلیق کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ حافظ ابوالفضل ابن الحسین نے ایک قاعدہ ذکر فرمایا ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک صیغۂ تمریض ضعف اسناد کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ متن کو جب روایت بالمعنی کے طور پر نقل فرماتے ہیں یا متن کا اختصار کرتے ہیں تو اس صورت میں بھی کبھی صیغۂ تمریض لاتے ہیں اور یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ امام بخاریؒ نے اس سے پہلے ابراہیم تیمیؒ اور ابن ابی ملیکہؒ کے آثار کو نقل فرمایا ہے اور اس میں کوئی تغیر اور اختصار نہیں فرمایا ہے اس لئے ان کو صیغۂ جزم کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، اور امام حسن بصریؒ کے قول کو مختصراً ذکر فرمایا اس لئے اس کو صیغۂ تمریض کے ساتھ ذکر کیا ہے، علامہ عینیؒ اور علامہ قسطلانیؒ نے بھی حافظؒ کی تائید کی ہے۔

(فتح الباری: ۱/ ۱۴۹، عمدۃ القاری: ۱/ ۳۱۶، ارشاد الساری: ۱/ ۲۳۴)

حاصل کلام یہ ہے کہ امام بخاریؒ صیغۂ تمریض کو تین میں سے کسی ایک چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لاتے ہیں: (۱) ضعف سند، عدم جزم بالصحۃ (۲) روایت بالمعنی (۳) اختصار حدیث

(۴) قال فلان

بسا اوقات بخاریؒ اپنے کسی شیخ سے حدیث نقل کرتے ہوئے "قال فلان" کی تعبیر اختیار فرماتے ہیں، اس جملہ سے امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میں نے یہ حدیث مذاکرہ کے دوران سنی، جو مجلس تحدیث سے کم ہے، یہ رجحان علامہ کرمانیؒ (الکواکب الدراری بشرح البخاری، کتاب العلم، الجزء الثانی: ۱/ ۹) علامہ عینیؒ (عمدۃ القاری: ۱/ ۳۸۵) اور صاحب توضیح کا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ (فتح الباری: ۱/ ۲۰۷) فرماتے ہیں کہ یہ احتمال تو ضرور ہے لیکن کلیہ نہیں ہے اس لئے کہ

بسا اوقات امام بخاریؒ صحیح بخاری میں جس مضمون کو "قال لنا" سے ذکر کرتے ہیں اس کو دیگر تصانیف میں صیغۂ تحدیث سے بیان فرماتے ہیں، تو اس کو مذکورہ امر پر محمول کیسے کیا جا سکتا ہے، البتہ پھر اس صیغہ کا استعمال اس لئے کرتے ہیں کہ روایت ان کی شرط پر نہیں ہوتی ہے، لیکن یہ بھی کلیہ نہیں ہے اس لئے کہ امام بخاریؒ ایک ہی حدیث کو اپنی کتاب میں دو جگہ لاتے ہیں، ایک جگہ صیغۂ تحدیث کے ساتھ اور دوسری جگہ قال کے ساتھ، تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ ان کی شرط پر نہیں ہے۔

حافظؒ کی اس بات کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ امام بخاریؒ کو ایک حدیث دو طریق سے حاصل ہوئی، ایک بطریق تحدیث اور دوسرے بطریق مذاکرہ، تو اس روایت کو ایک جگہ بطریق تحدیث لائے اور ایک جگہ بطریق مذاکرہ، اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں، مثلاً اصفر بن حمدانؒ کہتے ہیں کہ "قال فلان" یہ عرض ومناولہ پر محمول ہوتا ہے، ابن قدامہؒ فرماتے ہیں "قال لنا" اجازت راوی "قال فلان" تدلیس پر محمول ہوگا، لیکن حافظؒ نے اس کی تردید کی ہے۔ (فتح الباری: ۱/۲۷، مقدمہ لامع: ص ۲۸-۲۹)

(۵) ثلاثیات

احادیث ثلاثیات وہ احادیث کہلاتی ہیں جس کی سند میں محدث اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہوں، یہ حدیث کی اعلیٰ قسم شمار ہوتی ہے، اس لئے کہ اس میں عموماً صحابی، تابعی اور تبع تابعی ہوتے ہیں، چنانچہ علامہ سفاریؒ فرماتے ہیں: **الحديث الثلاثي ما كان بين المخرج للحديث وبين النبي صلى الله عليه وسلم ثلاثة رواة: صحابي و تابعي و تابع تابعي، و حديثا تجتمع في الاسناد من أفراد الثلاثة من القرون المفضلة في الأخبار الواردة عن النبي صلى الله عليه وسلم۔**

(الثلاثیات فی الحدیث النبوی: ص ۲۲)

یہ امام بخاریؒ کی سب سے اعلیٰ سند ہے اور پوری بخاری شریف میں کل بائیس ثلاثیات ہیں۔ (مقدمہ لامع: ۱/۲۹)

(۶) نحن الآخرون السابقون

احادیث کے بعض مجموعے ایسے ہیں جن میں ایک ہی سند سے بہت سی روایتیں موجود ہیں، جیسے صحیفۂ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، صحیفۂ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، صحیفۂ معاویہ بن حیدہ القشیری رضی اللہ عنہ، صحیفۂ عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ، صحیفۂ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ۔ (مقدمہ صحیفہ عمروبن شعیب وبھزبن حکیم عندالمحدثین الفقہاء ص/۵۱-۴۱)

پھر صحیفۂ ابوہریرہؓ کے متعدد نسخے ہیں، ایک نسخہ معمر عن ھمام بن منبہ عن أبی ھریرۃ ہے، اور دوسرا نسخہ عن أبي الزناد عن الأعرج عن أبی ھریرۃ ہے، ان دونوں نسخوں میں بہت زیادہ مشابہت اور موافقت ہے، مثلاً دونوں کی ابتداء میں ایک ہی حدیث نحن الآخرون السابقون مذکور ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعرج اور ہمام کا سماع حضرت ابوہریرہؓ سے ایک ہی مجلس میں ہوا یا متعدد مجالس میں، لیکن تمام مجالس میں دونوں شریک رہے۔ (دفاع عن ابی ہریرۃؓ: ص ۳۲۴)

حضرات شیخین نے ان دونوں نسخوں کی اکثر احادیث کی تخریج کی ہے اور چونکہ دونوں نسخوں کی ابتدا حدیث ''نحن الآخرون الخ'' سے ہوئی ہے، اور سند صرف اسی پہلی حدیث کے ساتھ ذکر کی گئی ہے، اور بقیہ احادیث کو اسی پر عطف کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے، اب اگر امام بخاریؒ درمیان کی کوئی حدیث روایت کرنا چاہتے ہیں تو احتیاطاً یہ تعبیر اختیار فرماتے ہیں، مثلاً کتاب الوضو، باب البول في الماء الدائم:

حدثنا أبو اليمان، قال أخبرنا شعيب، أخبرنا أبو الزناد عن الأعرج حدثه أنه سمع أباھريرة يقول: إنه سمع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول: نحن الآخرون السابقون، وبإسناده قال: لايبولن أحدكم في الماء الدائم الخ۔ (صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب البول فی الماء الدائم: ۱/۳۷، رقم الحدیث: ۲۳۸)

اب اس مقام پر شراح پریشان ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں کیا ربط ہے، بہت

قیاس آرائیاں کی گئیں، چنانچہ حافظؒ نے فتح الباری (۱/۴۵۶-۴۵۷) میں متعدد توجیہات نقل کی ہیں، لیکن اصل بات وہی ہے کہ ''لایبولن'' والی روایت جس صحیفہ کی ہے اس کی پہلی حدیث نحن الآخرون السابقون ہے، پس اس بات کی طرف اشارہ کے لئے ذکر کیا ہے، ورنہ دونوں میں ربط کی تلاش ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' کا مصداق ہے۔

(مقدمہ لامع: ص ۲۷-۲۸)

امام مسلمؒ کی عادت شریفہ یہ ہے کہ وہ نسخۂ ہمام کی ہر حدیث کی ابتداء میں یوں کہتے ہیں: **قال هذا ما حدثنا به أبو هريرة، وقال رسول الله ﷺ فذكر أحاديث منها** (فتح الباری: ۱/۴۵۷)، البتہ امام بخاریؒ نے بعض مواقع پر اپنے مذکورہ بالا طریقے کے خلاف بھی کیا ہے، لیکن امام بخاریؒ نے ان امور سے اس فن کے بعض دقیق مسائل کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

امام ابوداؤدؒ کے پاس بھی صحیفہ سمرۃ بن جندبؓ کا تھا، ان کی چھ روایات کو لائے ہیں اور جب بھی وہ ان کی روایت کو لاتے ہیں تو أما بعد کہتے ہیں۔

(۷) باسنادہ

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ اکثر و بیشتر ایک مکمل مضمون بعینہ ذکر کرتے ہیں، اگرچہ وہ مکمل مقصود نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کا ایک جزء مقصود ہوتا ہے، **قال الحافظ: والصواب أن البخاري في الغالب يذكر الشيئ كما سمعه جملة لتضمنه موضع الدلالة المطلوبة منه وإن لم يكن ما فيه مقصودًا۔** (فتح الباری: ۱/۴۵۶)

مثلاً **باب البول في الماء الدائم** کے تحت جو روایت نقل کی ہے وہ اپنے شیخ ابوالیمانؒ سے نقل کی ہے اور شیخ ابوالیمانؒ نے غالباً امام بخاریؒ کے سامنے کئی ایک روایات نسخۂ **شعيب عن أبي الزناد عن الأعرج عن أبي هريرة** کی ذکر فرمائی ہے، اور صرف پہلی روایت کے آغاز میں پوری سند ذکر فرمائی اور مابقیہ روایات بغرض اختصار و باسنادہ **قال كذا و كذا** کہہ کر بیان کی ہے، اب جب امام بخاریؒ ان مسموعات میں سے درمیان کی کوئی

روایت لاتے ہیں تو بوجہ کمال احتیاط پہلی سند اور حدیث کا ایک ٹکڑا ذکر کرنے کے بعد **وباسنادہ قال** فرماتے ہیں، اگرچہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ درمیان سے روایت نقل کرتے اور پہلی حدیث کی سند کو اس سے ملا دیتے، لیکن یہ خلاف احتیاط ہوتا، اس لئے کہ اس صورت میں ایک ادنیٰ درجہ کا احتمال یہ رہ جاتا ہے کہ شاید امام بخاریؒ کے شیخ ابوالیمانؒ کے لئے سند مذکور کے علاوہ کوئی دوسری سند بھی ہو۔ (رسالہ شرح تراجم ابواب البخاری: ۱/ ۴۴، مقدمہ لامع: ۱/ ۲۷-۲۸)

(۸) باختیارہ (رجحان ذہنی کی طرف اشارہ)

بسا اوقات امام بخاریؒ محل اختلاف میں جس صحابی یا تابعی کے کسی اثر سے ابتداء کرتے ہیں اس کے ذریعہ اپنا رجحان بیان کرتے ہیں، مثلاً کتاب الطلاق، **باب من قال لامرأته: أنت علي حرام** (صحیح البخاری: ۲/ ۷۹۲۳) کے بعد اثر پیش فرمایا، **وقال الحسن: نِيَّة**، بقول حافظ ابن حجرؒ امام بخاریؒ نے حسن بصریؒ کے اثر کے ذریعہ اپنا رجحان پیش فرمایا کہ اگر **أنت علي حرام** کہا تو علی الاطلاق تین طلاق واقع نہیں ہوگی، بلکہ قائل کی نیت کا اعتبار ہو۔ (فتح الباری: ۲/ ۴۶۷، مقدمہ لامع: ۱/ ۲۹)

(۹) عدم تکرار

اس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاریؒ اپنی صحیح میں روایات مکرر ذکر نہیں فرماتے ہیں، حضرت امامؒ کا اصل مقصد تو حذف تکرار ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الحج **باب التعجيل إلى الموقف** (صحیح البخاری: ۱/ ۲۲۶) پر فرماتے ہیں، **قال أبو عبدالله: يزاد في هذا الباب هم هذا الحديث حديث مالك عن ابن شهاب ولكني أريد ان أدخل فيه غير معاد (أي غير مكرر)**۔

مگر پھر بھی جن مواقع میں بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے وہ اختلاف اغراض کی بناء پر ہے، حقیقی تکرار نہیں ہے، اور وہ اغراض مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) **اختلاف في السند**: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک ہی حدیث کو دو جگہوں پر

الگ الگ شیخ سے نقل کریں اور مابقیہ پوری سند ایک ہوتو یہ امام بخاری کے نزدیک تکرار نہیں ہوگا، نیز امام بخاریؒ بسااوقات ایک روایت کو ایک صحابی سے ذکر کرتے ہیں پھر اگر وہ کسی دوسرے صحابی سے بھی مروی ہوتو اس کو بھی ذکر کرتے ہیں تاکہ تمام رواۃ کے ذکر کے ساتھ حدیث غریب بھی نہ رہے، نیز بسااوقات سند میں بعض رواۃ کسی راوی کا اضافہ کرتے ہیں جب کہ دیگر بعض اس راوی کو ذکر نہیں کرتے ہیں، تو دونوں کو لاکر بتلاتے ہیں کہ راوی نے پہلے بالواسطہ سنا تھا بعد میں براہ راست شیخ الشیخ سے سنا ہے۔

(ب) **اختلاف فی المتن:** بظاہر حدیث ایک ہی سند سے دو جگہ ہوتی ہے لیکن متن حدیث میں اختلاف ہوتا ہے کہ ایک راوی نے جس طرح تعبیر کیا اس کے معنی کچھ اور ہیں اور دوسرے نے جس کلمہ سے تعبیر کیا اس کے اندر دوسرے معنی کا احتمال ہے، تو ہر لفظ کے لئے علیحدہ علیحدہ باب لاتے ہیں، اختلاف فی المتن بھی امام بخاریؒ کے نزدیک تکرار نہیں ہے۔

(ج) **اختصار متن:** یہ بھی تکرار نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث سنداً ومتناً متحد ہوتی ہے، لیکن ایک کا متن مختصر اور دوسرے کا مطوّل ہوتا ہے تو جس شیخ سے جس طرح سنا اس کو بعینہ اسی طرح نقل کردیا۔

(د) **اختلاف اتصال وتعلیق:** ایک ہی روایت ایک جگہ سند متصل کے ساتھ لاتے ہیں اور دوسری جگہ اسی روایت کو تعلیقاً ذکر فرماتے ہیں، یہ بھی امام بخاریؒ کے نزدیک تکرار نہیں ہے۔

(ھ) **اختلاف وقف ورفع:** ایک روایت کے متعلق وقف ورفع یعنی روایت کے موقوف ومرفوع ہونے کا اختلاف ہوتا ہے تو دونوں طرح روایت کی تخریج کرتے ہیں اور اپنے ذاتی رجحان کی بنا پر ایک احتمال کو راجح قرار دیتے ہیں، اختلاف وقف ورفع بھی امام بخاریؒ کے نزدیک تکرار نہیں ہے۔

(و) **تصریح سماع:** بسااوقات امام بخاریؒ کوئی حدیث معنعن لاتے ہیں اور پھر اس

حدیث کو دوسرے طریق سے لاتے ہیں جس میں سماع کی تصریح ہوتی ہے اس لئے کہ حدیث معنعن میں امام بخاریؒ کے نزدیک ثبوت لقاء شرط ہے۔

(ز) **استنباط مسائل:** چونکہ امام بخاریؒ کے پیش نظر مسائل کثیرہ کا استخراج ہے اس لئے ایک ہی حدیث کو مختلف ابواب میں لاتے ہیں اور اس سے اس باب سے متعلق مسائل کا استنباط فرماتے ہیں، مثلاً حدیث انما الأعمال بالنیات کو سات مقامات پر ذکر فرمایا ہے، اور حدیث عائشہ فی قصۃ بریرۃ کو ۲۰ سے زائد مقامات پر ذکر فرمایا ہے، الغرض امام بخاریؒ کے یہاں سند و متن کے اتحاد کے ساتھ تکرار نہیں ہے، اگر اس سے دوسرے مسئلہ کا استنباط ہو رہا ہو۔

(۱) كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحئ إلى رسول الله ﷺ، رقم الحديث: ۱، (۲) كتاب الايمان، باب ماجاء أن الأعمال بالنية، رقم الحديث: ۵۴، (۳) كتاب العتق، باب الخطأ والنسيان في العتاقة والطلاق، رقم الحديث: ۲۵۲۹، (۴) كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ وأصحابه، رقم الحديث: ۳۸۹۸، (۵) كتاب النكاح، باب من هاجر أو عمل خيرا، رقم الحديث: ۵۰۷۰، (۶) كتاب الأيمان والنذور، باب النية في الأيمان، رقم الحديث: ۶۶۸۹، (۷) كتاب الحيل، باب في ترك الحيل، رقم الحديث: ۶۹۵۳۔

علامہ قسطلانیؒ نے (ارشاد الساری: ۱/۴۶-۴۷) حافظ ابن حجرؒ کا ایک مکتوب ذکر فرمایا ہے، جس میں بخاری کی تقریباً ۲۱/روایات ایسی مذکور ہیں جو مکرر بالسند والمتن ہیں، پھر ایک روایت کا علامہ قسطلانی نے اضافہ فرمایا تو کُل ۲۲/روایات ہوگئیں، حضرت شیخ زکریا صاحبؒ مقدمہ لامع کے حاشیہ میں ذکر فرماتے ہیں کہ عزیزم مولوی محمد یونس جونپوریؒ (سابق شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور) نے اس پر ایک سو اٹھائیس روایات کا اضافہ فرمایا ہے اور میں نے اس رسالہ کا نام ارشاد القاصد الی ماتکرر فی

البخاری باسناد واحد رکھا ہے۔ (مقدمہ لامع: ۲/ ۳۰-۳۱، الحمدللہ یہ رسالہ حضرت مولانا یونس جونپوریؒ کے مجموعۂ رسائل 'الیواقیت الغالیہ' کے ضمن میں طبع بھی ہو چکا ہے، ملاحظہ ہو 'الیواقیت الغالیہ' ج: ۳)

(۱۰) قرأت بخاری عند المصائب

ابن ابی جمرہؒ نے بعض عارفین سے نقل کیا ہے کہ صحیح بخاری کی خاصیت یہ ہے کہ اگر مصائب اور پریشانی کے وقت اس کو پڑھا جائے تو اس کی برکت سے وہ مصیبت دور ہو جاتی ہے، اور جس سواری یا کشتی میں بخاری شریف کا نسخہ ہوگا وہ سواری ہلاکت اور کشتی غرقاب ہونے سے محفوظ رہتی ہے۔ (مقدمہ لامع: ۱/ ۲۳)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے 'بستان المحدثین' میں لکھا ہے کہ صحیح بخاری کی تلاوت وقرأت مصیبت، مرض، دشمنوں کے خوف اور مہنگائی وغیرہ سے بچنے کے لئے تریاق مجرب ہے۔ (بستان المحدثین اردو: ص ۱۷۴)

(۱۱) اشارۃ الی اختتام الکتاب او الحیاۃ

امام بخاریؒ جب بھی کوئی کتاب ختم فرماتے ہیں تو اخیر میں ایسا لفظ لاتے ہیں جو ختم کتاب کی طرف اشارہ ہوتا ہے، یہ رجحان حافظ الحدیث علامہ ابن حجر عسقلانی کا ہے، چنانچہ باب کیف کان بدء الوحي کا جہاں اختتام ہو رہا ہے وہاں اخیر میں یہ لفظ ہے: وکان ذلک آخر شأن ھرقل، اس کے بعد قال ابوعبداللہ متابعت کو ذکر فرمایا، تو کان ذلک آخر شأن ھرقل (صحیح البخاری: ۱/ ۵) ختم کتاب کی طرف اشارہ ہے۔

(فتح الباری: ۱۳/ ۶۶۴)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کوئی کتاب ختم نہیں کرتے ہیں جب تک کہ اختتام حیات کی طرف اشارہ نہ ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو ہر وقت آخرت کا اور موت کا استحضار ہونا چاہئے تاکہ عمل میں اخلاص پیدا ہو۔

(مقدمہ لامع: ۱/ ۲۳)

(۱۲) مناسبت بین الابتداء والانتہاء

صحیح بخاری شریف کے ابواب و کتب بہت ہی مربوط ہیں، جس کی پوری تقریر حافظ ابن حجرؒ نے اپنے استاذ علامہ بلقینیؒ کے کلام کی تلخیص کرتے ہوئے ہدی الساری کے اخیر میں ذکر فرمائی ہے جس کا ذکر تفصیلاً یہاں ہوسکتا ہے، تاہم یہاں فقط ابتداء و انتہائے کتاب میں ربط ذکر کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو کتاب التوحید پر ختم کیا، کیوں کہ توحید ہی آخرت میں کامیابی و ناکامی کی اصل میزان ہے اور اس کی ابتداء انما الاعمال بالنیات سے فرمائی کیوں کہ اعمال کی مقبولیت کے لئے اخلاص نیت ضروری ہے اور آخرت میں صرف وہی اعمال وزنی ہوں گے جو اخلاص کے ساتھ رضائے الٰہی کے لئے کئے جائیں۔ (ہدی الساری: ص ۶۵۳-۶۵۸)

(۱۳) اشارہ الی زمانۂ نزول حکم

امام بخاریؒ تقریباً ہر کتاب کے شروع میں نزول حکم کے زمانہ اور اس کے وقت مشروعیت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، خصوصاً جب کہ اس میں کوئی اختلاف بھی ہو اور کبھی صراحت بھی کر دیتے ہیں (مقدمہ لامع ص ۳۱-۳۲)، مثلاً **باب کیف کان بدء الحیض، وقول النبی ﷺ: هذا شیء کتب الله علی بنات آدم**۔ (صحیح البخاری: ۱/۴۳)

لیکن اکثر و بیشتر لطیف اشارات پر اکتفا بھی فرماتے ہیں مثلاً کتاب الصلاۃ کی ابتداء میں **باب کیف فرضت الصلاة في الاسراء** (صحیح البخاری: ۱/۵۰) کہا، اس کے بعد حدیث ہرقل ذکر فرمائی، حافظؒ فرماتے ہیں کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز کی مشروعیت قبل الہجرۃ مکۃ المکرمۃ میں ہوئی۔ (فتح الباری: ۱/۶۰۷)

اسی طرح کتاب الاذان کے آغاز میں **باب بدء الأذان وقوله عزوجل "وإذا ناديتم إلى الصلاة"** (صحیح البخاری: ۱/۸۵) ذکر فرمایا ہے، حافظؒ فرماتے ہیں کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اذان کی مشروعیت مدینۃ المنورہ میں ہوئی۔

(فتح الباری: ۲/۹۹)

(۱۴) استخارہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری کسی حدیث کو اس وقت تک صحیح بخاری میں ذکر نہیں فرماتے ہیں جب تک کہ استخارہ کے ذریعہ اس حدیث کی صحت پر مکمل یقین نہیں ہو جاتا ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ خود امام بخاریؒ کا قول ہے **ماأدخلت فیه حدیثا حتی استخرت اللہ تعالیٰ وصلیت رکعتین أیقنت صحته** میں نے اس صحیح میں کوئی حدیث داخل نہیں کی یہاں تک کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور اس حدیث کی صحت پر مجھے کامل یقین ہو گیا۔ (ہدی الساری، ص ۱۷۵)

(۱۵) الفاظ قرآنیہ کی تفسیر

صحیح بخاری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جب حدیث میں کوئی ایسا غریب لفظ آجاتا ہے جس کی نظیر کتاب اللہ میں موجود ہو تو اس کی وضاحت کے لئے مفسرین کے اقوال نقل کر دیتے ہیں، اس کا وقوع بخاری میں بکثرت ہوا ہے، مثلاً **کتاب الاذان باب الذکر بعد الصلاۃ** (صحیح البخاری: ۱/۱۱۷) کے تحت فرمایا ہے، **وقال الحسن: جَدُّ غِنیٰ**، دراصل سابق میں اس سے متصل حدیث میں لفظ آیا تھا **وَلَا یَنْفَعُ ذَالْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ** (صحیح البخاری: ۱/۱۱۷) اور لفظ جد قرآن کریم میں سورۃ جن میں بھی موجود ہے **وَأَنَّهُ تَعَالیٰ جَدُّ رَبِّنَا**، تو جد کی تفسیر کے لئے حضرت حسن بصریؒ کا قول نقل فرمایا ہے۔

گویا امام بخاریؒ کے پیش نظر احادیث صحیحہ کے جمع کے ساتھ آیات قرآنیہ کا جمع اور اس کے غریب الفاظ کی تشریح بھی ہے۔

(۱۶) التزام علو

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں اسانید عالیہ کا التزام کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے زہریؒ کی روایات معمر کے طریق سے کم لی ہیں اور شعیب بن حمزہؒ کے طریق سے زیادہ لی ہیں، اسی طرح امام مالکؒ کی روایت امام شافعیؒ کے طریق سے نہیں بلکہ دیگر تلامذہ

کے طریق سے لی ہیں۔

عادات بخاریؒ

(۱) اثبات احکام کے لئے تراجم میں امام بخاریؒ اکثر آیات قرآنیہ ذکر کرتے ہیں۔ (مقدمہ لامع: ص ۱۰۲)

(۲) صحابہ وتابعین کے آثار سے مسائل مختلف فیہا کی وضاحت کرتے ہیں اور جب مختلف آثار ذکر کرتے ہیں تو جو اثر ان کے نزدیک راجح ہوتا ہے اس کو پہلے بیان کرتے ہیں۔

(۳) امام بخاریؒ نے پوری "الجامع الصحیح" میں کوئی ایسی روایت ذکر نہیں کی ہے جس کو انھوں نے اپنے استاذ سے علی سبیل المکاتبۃ لیا ہو، البتہ کتاب الإیمان والنذور میں ایک روایت ایسی لائے ہیں جس میں "کتب إلی محمد بن بشار" فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری: ج ۲/ ۹۸۷)

سند کے درمیان مکاتیب کا آجانا دوسری بات ہے اور وہ امام بخاری کا فعل نہیں بلکہ دوسرے راویوں کا عمل ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ بعض اوقات بغیر تصریح کے اشارۃً بھی حکم کی ابتداء کو بیان کرتے ہیں۔

(۴) متکلم فیہ راوی کی روایت بہت کم ذکر کرتے ہیں اور اس کی روایت کی تقویت کے لئے متابعات بھی لے آتے ہیں۔

(۵) اختصار حدیث: جب روایت موقوف ہو اور مرفوع کا بھی احتمال رکھتی ہو تو مرفوع کا حکم لگانے والے جملے کو نقل کر کے باقی کو (عدم تعلق کی وجہ سے) حذف کرتے ہیں۔

(۶) تقطیع حدیث: جب روایت مختلف موضوعات یا مسائل کو شامل ہو جن کا باہمی تعلق نہ ہو تو امام صرف باب کے مناسب عبارت نقل کرتے ہیں۔

(۷) جب حدیث بہت سے مشائخ سے وارد ہو تو آخری شیخ کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔

(۸) جب سند سے تحویل کریں تو متن کے الفاظ عموماً دوسرے راوی کے لاتے ہیں۔

متابعات کی کثرت: دیگر محدثین کے مقابلے میں امام کے متابعات مشکل ہوتے ہیں؛ کیوں کہ عموماً متابع علیہ (مراجع) کو ذکر نہیں کرتے ہیں لہٰذا طبقات روایت کے ماہرین کے علاوہ حضرات کو اس کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

(۹) امام بخاریؒ کی اعلی سند ثلاثیات کی ہیں اور اطول سند تساعی (نو واسطوں والی) ہے، امام سند عالی کو زیادہ پسند کرتے تھے، اسی طرح اصح الاسانید کا بھی اہتمام کرتے تھے، مثلاً **مالک عن نافع عن ابن عمر - یا - النخعی عن علقمة عن ابن مسعود - یا - الزهری عن علی بن الحسین عن أبیه وغیرهم۔**

(۱۰) تحدیث، اخبار، انباء اور سماع کے درمیان فرق نہ کرنے کے لئے کتاب العلم میں مستقل باب ذکر کیا ہے، حجاز و کوفہ کے محدثین کا بھی یہی مسلک ہے، البتہ امام مسلم جیسے کچھ حضرات فرق کرتے ہیں۔

(۱۱) جب راوی نے اپنا یا کسی راوی کا نسب و وطن مبہم رکھا ہو تو امام اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

(۱۲) حدثنا سے قبل (واو کا اضافہ کرکے) **وحدثنا** نقل کرنا۔ علامہ عینی نے اس کو واو افتتاح فرمایا ہے۔ **وهذا یسمی واو التحویل من اسناد الی آخر۔** (عمدۃ: ج/۱، ص/۸۴)۔

(۱۳) خفی مسئلہ کو جلی پر ترجیح دینا: حدیث الباب سے اپنا مسئلہ مستنبط کرنا جس کی طرف ابتداء کسی کا ذہن نہ جائے۔

(۱۴) باب کے مناسب آیت سے باب کا آغاز کرنا: اسی طرح ترجمۃ الباب کے بعد اول آیت پھر حدیث مرفوع متصل اور پھر صحابی یا قول تابعی کو ذکر کرنا بھی امام صاحب کی عادت تھی۔

(۱۵) کبھی باب کے ماتحت آیت اور پھر حدیث مطلق یا اثر نقل کرتے ہیں، جبکہ اپنی شرط کے مطابق حدیث نہیں پاتے ہیں، یا پھر طالب حدیث کے تمرن کے لئے ایسا کرتے ہیں کیوں کہ بخاری شریف میں دوسری جگہ اس کو مسنداً ذکر کیا ہوا ہوتا ہے۔ کبھی ترجمہ میں صرف آیت پر اکتفاء کرتے ہیں اور کبھی صرف حدیث مسند لاتے ہیں، کبھی صرف اثر نقل کرتے ہیں، کبھی صرف ترجمہ نقل کرتے ہیں اور کبھی کچھ بھی ذکر نہیں کرتے ہیں۔

(۱۶) متفق علیہ اور مختلف فیہ دونوں قسم کے دلائل ذکر کرتے ہیں۔

(۱۷) کتاب وسنت اور آپ ﷺ کے زمانہ کے عادات واطوار وآداب سے مستنبط عقلی مفہومات سے بھی بہت سے مسائل کی تخریج کرتے ہیں، یہ بہت دقت طلب اور عادات کے گہرے مطالعہ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

(۱۸) حدیث شریف میں آنے والی آیات کی تفسیر اور لغت ضرور بیان کرتے ہیں۔

(۱۹) امام بخاری کی عادت ہے کہ کسی بھی فن کی کوئی بات نقل کرتے ہیں تو اس فن کے ائمہ کبار کے حوالے سے ہی نقل کرتے ہیں، مثلاً تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد کے اقوال، لغت میں ابوعبیدہ، فراء اور نضر بن شمیل کے اقوال اور مسائل کلامیہ میں کرابیسی اور ابن کلّاب اور سیر ومغازی میں موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق کے اقوال ذکر کرتے ہیں۔

(۲۰) بخاری شریف کے ابواب کا ایک دوسرے سے لطیف تعلق ہوتا ہے، علامہ بلقینیؒ نے اس کو اشعار میں ذکر کیا ہے، اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اس کو تفصیلاً نقل کیا ہے۔

(۲۱) بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک راوی کی احادیث ایک شیخ سے قوی اور صحیح ہوتی ہیں۔ لیکن دوسرے شیخ سے قوی نہیں ہوتیں، ایسے موقع پر امام بخاری ومسلم اس کی صرف وہ احادیث لیتے ہیں جو پہلے شیخ سے مروی ہیں۔ مثلاً امام بخاری ومسلم دونوں نے خالد

بن مخلد القطوانی کی وہ احادیث روایت کی ہیں جو سلیمان بن بلال سے مروی ہیں نہ کہ وہ جو عبداللہ بن المثنی سے ہیں۔ (نصب الرایہ از حافظ جمال الدین زیلعی)

(۲۲) بعض اوقات ایک راوی کی احادیث ایک مخصوص زمانہ تک صحیح ومقبول ہوتی ہیں اور اس کے بعد کی روایت ضعیف ومردود جیسے مروان بن الحکم کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کے حاکم بننے سے پہلے کی روایات مقبول ہیں اور حاکم بننے کے بعد ان کی عدالت مشکوک ہوگئی، ایسے موقع پر امام بخاری اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ ایسے راوی کے صرف پہلے دور کی احادیث لی جائے۔

(۲۳) ترجمہ کے ماتحت شیخ سے سنی ہوئی پوری روایت نقل کرتے ہیں، چاہے ترجمۃ الباب سے حدیث کے تمام اجزاء کا تعلق نہ ہو۔

(۲۴) ترجمۃ الباب کو عموماً دوہراتے نہیں ہیں البتہ جہاں ترجمہ دوشق کو شامل ہو مثلاً باب أداء الخمس من الایمان (قبل حدیث: ۵۳) باب أداء الخمس من الدّین (قبل حدیث: ۳۰۴۰) اسی طرح باب شهادة المرضعة (قبل حدیث: ۲۶۶۰) اور باب شهادة المرضعة (قبل حدیث: ۵۱۰۴) میں بھی ایسا ہے۔

(۲۵) جب کسی لفظ کی تفسیر میں اختلاف ہو تو بھی ترجمہ مکرر لاتے ہیں، مثلاً باب لاهامة کو کتاب الطب میں دو جگہ ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں "وهذا من نوادر ما اتفق له أن يترجم المحدثون في موضعين بلفظ واحد، ثم قال: ثم ظهر لي انه أشار بتكرار هذه الترجمة الى الخلاف في تفسير الهامة۔

(فتح الباری: ج ۱۰ ص ۲۴۱، ۲۱۵)

(۲۶) روایات میں سے کسی ایک کے لفظ سے ترجمہ منعقد کرتے ہیں اور حدیث باب کی روایت دوسرے الفاظ والی ذکر کرتے ہیں تاکہ طالب علم تتبع روایات اور استخراج کی طرف متوجہ رہے۔

(۲۷) حدیث باب پر اعتماد کرتے ہوئے ترجمہ میں کئی اشیاء چھوڑ دیتے ہیں۔

(۲۸) کوئی حدیث ان شرط کے مطابق نہیں ہوتی ہے اس کو ترجمۃ الباب بنا لیتے ہیں اور دوسری روایت اس کی تائید کے لئے ذکر کرتے ہیں جو اس کے مفہوم کو ادا کرتی ہو، مثلاً باب الأمراء من قریش، یہ روایت ان کی شرط کے مطابق نہیں ہے، تو دوسری روایت جو اس کے معنی کو اداء کرتی ہے "لا یزال وال من قریش" اس کے ماتحت لے آئے۔ (ھدی فساری: ص ۱۴)

(۲۹) مواضع اختلاف میں حکم قطعی ذکر نہیں کرتے ہیں، البتہ قوی دلیل ہو تو جزم بھی فرماتے ہیں۔

(۳۰) تعارض ادلہ کے موقع پر وجہ تطبیق تلاش کر کے عمدہ محمل پر نصوص کو منطبق کرتے ہیں اور ترجمۃ الباب میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(۳۱) دو حدیثوں میں تعارض کے موقع پر دونوں کے لئے مستقل باب منعقد کرتے ہیں، مثلاً باب لا نکاح إلا بولی (قبل حدیث: ۵۱۲۷) اور باب لا نکاح إلا برضاھا (۵۱۳۶)۔

(۳۲) ایک صحابی کی ایک روایت میں ایک مسئلہ اشارۃً ہو اور اسی صحابی کی دوسری روایت میں صراحۃً ہو مثلاً حضرت حذیفہ کی ایک روایت میں تہجد کے وقت صرف مسواک کرنے کا ذکر ہے، طول قیام کا ذکر نہیں ہے، لیکن دوسری روایت میں طول قیام (سورۂ بقرہ سے آل عمران تک پڑھنے کا ذکر ہے)۔ امام بخاریؒ نے باب طول القیام فی صلاۃ اللیل کے عنوان کے ماتحت مسواک والی روایت کو ذکر کیا اور طول قیام والی روایت کو ذکر نہیں کیا، لیکن روایت ایک ہی صحابی سے ثابت ہے، جس سے روایات میں گہری بصیرت اور مختلف طرق یا اجمال و تفصیل کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

(۳۳) روایات کے مطلق الفاظ سے عموم مراد لے کر ترجمہ عمومی طور پر ذکر کرنا بھی امام کی عادت ہے اگرچہ حدیث میں عموم کا ذکر نہ ہو، لیکن نفی اور تقید بھی نہیں ہوتی ہے،

البتہ کبھی مثالیں ایسی بھی ذکر کی ہیں جن میں دونصوص کا تعارض (جواز اور عدم جواز) ہوتا ہے، پھر بھی امام بہت دور سے عموم نقل کرتے ہیں، مثلاً بیع مدبر میں مدبر غلام کو بیچنے والی روایت اور دوسری روایت نھی عن بیع المدبر میں تعارض ہے، امام بخاریؒ مدبر کی بیع کے جواز کے لئے ایک تیسری روایت کے عموم سے استدلال کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زانیہ باندی کا حکم دریافت کیا گیا تو آپ نے تیسری یا چوتھی مرتبہ کے بعد اس کو بیچنے کا حکم فرمایا۔ امام بخاریؒ نے مدبر کی بیع کے جواز کے لئے ثم بیعوھا بعد الثالثہ او الرابعۃ سے استدلال یہ کیا کہ بیچنے کا حکم مطلق ہے؛ چاہے وہ زانیہ مدبر ہو یا غیر مدبر۔ یہ عموم نص کے مقابلے میں مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔

(۳۴) امام بخاریؒ ترجمۃ الباب کا حکم ثابت کرنے کے لئے ان متعدد احادیث کو جمع کرتے ہیں جو مختلف احکام ثابت کرتی ہیں لیکن ان سب کے مجموعے سے ایک نتیجہ اخذ کرتے ہیں جو ترجمۃ الباب کو ثابت کرتا ہے۔ یہ بہت وقت نظر اور حاضر ذہنی سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری: ۷/۳۷۵)

تعلیقات البخاری

امام بخاری رحمہ اللہ کی تعلیقات کے سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ جہاں امام بخاریؒ نے اصل کتاب کے اندر حدیثیں پوری سند متصل کے ساتھ بیان فرمائی ہیں جن کو احادیث مسندہ کہتے ہیں (اسی لئے اپنی کتاب کا نام الجامع المسند الصحیح الخ رکھا ہے) لیکن ساتھ ساتھ اس میں تعلیقات کی بھی بہت بڑی تعداد ہے، وہ تعلیقات اکثر ترجمۃ الباب میں ہیں اور بعض اوقات ترجمۃ الباب سے خارج میں بھی ہیں۔

تعلیق کی اصطلاحی تعریف اور مختلف صورتیں:

تعلیق کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص کوئی حدیث اس طرح بیان کرے

جس میں ابتداءِ سند سے ایک راوی یا زیادہ راویوں کو حذف کر دیا گیا ہو، اگر سب ہی کو حذف کر دیا جیسے آج ہم حدیثیں بیان کرتے ہیں کہ قال رسول اللہ ﷺ اور سند کے بغیر بیان کر دیتے ہیں یہ تو یہ بھی تعلیق ہوئی، یا اگر ہم نے صحابی سے بیان کیا کہ عن أبی هريرة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ تو یہ بھی تعلیق ہوئی، یہاں تک کہ اگر پوری سند مذکور ہے مگر امام بخاریؒ نے اپنے استاذ کا نام نہیں لیا تو بھی تعلیق کہلائے گی۔

تعلیقات میں سے بعض وہ ہیں جو براہ راست رسول اکرم ﷺ کی طرف یا کسی صحابی کی طرف بغیر کسی سند کے منسوب ہیں۔

بعض وہ ہیں جن میں سند کا کچھ حصہ ذکر کیا گیا ہے، لیکن ابتداءِ سند کا کچھ حصہ حذف کر دیا گیا ہے، اس کو تعلیق کہتے ہیں اور امام بخاریؒ کے ہاں تعلیقات کی بہت بڑی تعداد ہے۔

امام بخاریؒ کی تعلیقات مستقل ایک فن ہے جس پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے مستقل شرح لکھی ہے، "فتح الباری" تو بخاری کی شرح ہے ہی لیکن تعلیقات پر ایک مستقل شرح لکھی، جس کا نام "تعلیق التعلیق" ہے۔

تعلیقات کی اقسام اور ان کی مفصل بحث

تعلیقات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تعلیقات مرفوعہ (۲) تعلیقات موقوفہ

(۱) تعلیقات مرفوعہ:

مرفوعہ وہ ہے جس میں حضور اقدس ﷺ کی طرف نسبت بطور تعلیق کی جا رہی ہو۔

(۱) تعلیقات موقوفہ:

موقوفہ وہ ہے جس میں حضور ﷺ کی طرف نسبت کرنے کے بجائے کسی صحابی

یا تابعیؒ کی طرف نسبت کی جارہی ہو اور اس میں بھی ابتداء سند محذوف ہو، دونوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

تعلیقات مرفوعہ کی دو قسمیں:

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو تعلیقات مرفوعہ ذکر فرمائی ہیں وہ دو طرح کی ہیں۔ بعض جگہ صیغہ جزم ہے اور بعض جگہ صیغہ جزم نہیں ہے، صیغہ جزم سے تعلیق جیسے کہا قال فلان فلان، گویا جزم اور وثوق کے ساتھ یہ کہا جارہا ہے کہ فلاں نے یوں کہا، اور ایک ہوتا ہے صیغہ تمریض کے ساتھ، اکثر امام بخاریؒ اس کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں، فذکر عن فلان فلان سے ایسا مذکور ہے، یروی عن فلان، فلاں سے ایسا مروی ہے، گویا جزم نہیں کیا کہ واقعی انھوں نے کہا ہے بلکہ ذمہ داری راوی پر ڈال دی کہ ایسا مروی اور مذکور ہے، اس کو صیغہ تمریض کہتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بہت سی تعلیقات صیغہ جزم کے ساتھ فرماتے ہیں اور بہت سی صیغہ تمریض کے ساتھ، یذکر عن فلان یا یروی کہہ کر فرماتے ہیں۔

تعلیق بصیغۃ الجزم کی چار قسمیں اور ان کی تفصیل

جہاں قال فلان کہہ کر صیغہ جزم استعمال فرماتے ہیں وہ تعلیق یا تو صحیح ہوتی ہے اور صحیح علی شرط البخاری ہوتی ہے، یا صحیح تو ہوتی ہے لیکن علی شرط البخاری نہیں ہوتی ہے۔

اگر تعلیق صحیح تو نہیں ہوتی لیکن حسن ہوتی ہے اور حسن کے معنی ہیں صالح للاحتجاج، حدیث اگر حسن ہو تو وہ صالح للاستدلال ہوتی ہے یعنی اس سے استدلال کرنا جائز ہے، اور یا سند کے اعتبار سے ضعیف ہوتی ہے لیکن امام بخاریؒ کو دوسرے ذرائع اور قرائن سے اس بات کا اطمنان ہو جاتا ہے کہ یہاں یہ ضعف اس حدیث کے قابل اعتماد ہونے پر اثر انداز نہیں ہوا بلکہ دوسرے طرق سے اس کی تائید ہو رہی ہے، اس کو آپ حسن لغیرہ کہہ دیجئے، بہر حال وہ حسن لغیرہ بھی قابل استدلال ہوتی ہے۔

تو امام بخاری تعلیق میں جہاں صیغہ جزم استعمال کر رہے ہیں وہ تعلیق بھی کم از کم قابل استدلال ضرور ہے، لیکن قابل استدلال ہونے میں مختلف مدارج ہیں، کہیں صحیح علی شرط ہے، کہیں علی شرط الغیرہ ہے، کہیں حسن لعینہ ہے اور کہیں حسن لغیرہ۔

تعلیقاً ذکر کرنے کی تین وجوہات:

اگر کوئی حدیث صحیح علی شرط البخاری ہے تو پھر اس کو تعلیقاً کیوں ذکر کیا، جب کہ اس کی سند موجود ہے اور سند بھی ساری امام بخاریؒ کی شرائط کے مطابق ہے، جن شرائط کو انہوں نے احادیث نکالنے میں مدنظر رکھا ہے تو اس کو سند سے کیوں ذکر نہیں کیا؟

وجہ اول:

بعض جگہ تو اس کے ہم معنی دوسری حدیث امام بخاریؒ مسنداً ذکر فرما چکے تھے، تو اب انھوں نے محسوس کیا کہ اس حدیث کو پوری سند کے ساتھ ذکر کرنے کی حاجت نہیں، محض تعلیقاً ذکر کر دینا کافی ہے، چونکہ اس حدیث کا مفہوم پہلے مسند حدیث سے حاصل ہو چکا ہے لہٰذا اب اس کے اندر مزید تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

وجہ ثانی:

بعض مقام پر جو تعلیق کے الفاظ ہیں اس کے ہم معنی نہیں بلکہ بعینہ وہی الفاظ اور وہی حدیث مسنداً کہیں لا چکے ہیں، اس لئے اب مناسبت ترجمہ کی وجہ سے دوسری جگہ تعلیقاً ذکر کرتے ہیں، یہ اکثر اس جگہ ہوتا ہے جہاں امام بخاری کو کوئی حدیث ایک سے زائد سند سے نہیں ملی، تو نہ سند میں کوئی اختلاف نہ متن میں کوئی اختلاف، لہٰذا اگر اسی کو دوسرے باب میں لے کر آئیں تو تکرار ہوگی، لہٰذا تکرار سے بچنے کے لئے اس کو دوسری جگہ ترجمۃ الباب میں تعلیقاً ذکر کر دیتے ہیں۔

تو پہلی قسم ہم معنی حدیث نکال دی تھی لہٰذا اختصار کے پیش نظر تعلیق کر دیا، دوسری یہ کہ بعینہ وہی حدیث مسنداً نکال چکے تھے، لہٰذا ترجمۃ الباب میں اس کو تعلیقاً ذکر کر دیا۔

وجہ ثالث:

تیسری وجہ بعض اوقات یہ ہوتی ہے کہ امام بخاریؒ بظاہر اپنے شیخ سے بکثرت کوئی حدیث لا رہے ہیں اور اپنے شیخ سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پوری سند مذکور ہے، لیکن اس کو حدثنی، حدثنا کہنے کے بجائے اپنے شیخ کا نام لے قال فلان حدثنا کا لفظ بولتے ہیں مثلاً حمیدی امام بخاریؒ کے استاذ ہیں، عام طور سے امام بخاریؒ جب حمیدی سے نقل کریں گے تو حدثنا الحمیدی یا حدثنی الحمیدی یا قال اخبرنا یا قال حدثنا فلان کہیں گے لیکن تعلیق میں حدثنا کہنے کے بجائے قال الحمیدی قال حدثنا سفیان کہتے ہیں حدثنی نہیں کہتے۔

اب یہ بھی تعلیق ہوگئی اس لئے کہ اپنے استاذ کے لئے سماع کی تصریح نہیں کی تو وہ اس کو تعلیقاً لاتے ہیں حالانکہ وہ ان کی شرط پر ہے۔

اس کی دو وجہ ہے:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ بعض دفع خود امام بخاریؒ کو شک ہوتا ہے کہ آیا ان استاذ سے میں نے براہ راست حدیث سنی تھی یا بیچ میں واسطہ تھا، کیوں کہ اپنے استاذ سے پڑھا تو بہت کچھ ہے لیکن یہ مخصوص حدیث ان سے سنی تھی یا کسی واسطہ سے سنی تھی اس میں شک ہوگیا، اس شک کی وجہ سے وہ حدثنی یا حدثنا نہیں کہتے بلکہ قال فلان کہتے ہیں۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ بعض جگہ اس کی وضاحت اس طرح ہوتی ہے کہ ایک جگہ انھوں نے کہا "فلان" اور اپنے شیخ کا نام لیا لیکن دوسری جگہ پر، چاہے بخاری میں یا کسی اور کتاب مثلاً "الادب المفرد" وغیرہ میں اس کو ذکر کریں گے تو بالواسطہ ذکر کریں گے، اس سے پتہ چلا کہ وہاں جو حدیث تھی درحقیقت وہ بالواسطہ تھی اور بلاواسطہ ذکر کی قال کہہ کر۔

امام بخاریؒ پر تدلیس کا الزام اور اس کی حقیقت:

مذکورہ وجوہ سے بعض لوگوں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر تدلیس کا الزام عائد

کیا ہے، اس لئے کہ اصل استاذ جن سے سنا تھا ان کا نام ذکر نہیں کیا اور ان کے استاذ الاستاذ کا نام لیا جو اپنا بھی استاذ ہے۔ اور تدلیس اسی کو کہتے ہیں کہ جس آدمی سے حدیث سنی تھی اس کا واسطہ بیچ میں سے حذف کر دیا اور جس کی طرف منسوب کی درحقیقت اس سے حدیث نہیں سنی تھی، اس لئے کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ تدلیس کرتے ہیں۔

حالانکہ یہ بات اس لئے غلط ہے کہ تدلیس میں یہ بات داخل ہے کہ آدمی قال نہ کہے بلکہ عن کہے اور اگر قال صیغہ جزم کے ساتھ کہہ دیا اس کو تدلیس نہیں بلکہ تعلیق کہتے ہیں، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ خود سنا ہے اور عن میں یہ احتمال ہوتا ہے؛ لہٰذا تدلیس عن کے صیغہ میں ہوتی ہے، قال کے صیغہ میں نہیں ہوتی، اس لئے اس کو تدلیس نہیں کہہ سکتے، لیکن یہ امام بخاریؒ کی احتیاط ہے کہ ان کو شک تھا کہ میں نے ان سے یہ سنا ہے یا نہیں، لہٰذا وہ مسنداً ذکر کرنے کے بجائے تعلیقاً ذکر کرتے ہیں۔

امام بخاریؒ کی احتیاط سے متعلق ایک دقیق بات:

اس سے بھی زیادہ دقیق بات یہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ ہی کا منصب اور مقام ہے کہ جس استاذ کا نام ذکر نہیں کر رہے ہیں اسی سے حدیث سنی ہے لیکن علی سبیل التحدیث نہیں بلکہ علی سبیل المذاکرۃ سنی ہے۔

علی سبیل التحدیث کے معنی یہ ہے کہ باقاعدہ حدیث پڑھنے کے لئے درس میں جا کر شریک ہوئے اور استاذ نے حدثنی کہہ کر حدیث سنائی، جیسے طالب علم استاذ سے حدیث پڑھتا ہے۔

اور سبیل المذاکرہ ایسا ہے کہ درس نہیں ہو رہا ہے بلکہ ملنے گئے تھے، باتیں ہوتی رہیں، ان باتوں میں استاذ نے کوئی حدیث سنا دی، چونکہ یہ حدیث امام بخاریؒ نے مذاکرۃً سنی ہے باقاعدہ تحدیثاً نہیں سنی، لہٰذا حدثنی، حدثنا استعمال کرنے کے بجائے قال فلان کہتے ہیں۔

پہلی وجہ:

یہ امام بخاری کی احتیاط ہے تاکہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ میں نے یہ حدیث ان سے باقاعدہ تحدیثاً سنی ہے، حالانکہ یہ حدیث سنداً متصل اور صحیح تھی اور شرائط کے مطابق صحیح تھی لیکن اس کے باوجود اس کو مسنداً ذکر نہیں کیا بلکہ قال کہہ کر تعلیقاً ذکر کیا۔

دوسری وجہ:

حدیث صحیح تو ہے لیکن اپنی شرط پر نہیں ہے یعنی جو طبقات کی شرط ہے وہ موجود نہیں ہے، تو ایسی حدیث کو تعلیقاً ذکر فرما دیتے ہیں کیوں کہ اگر مسنداً ذکر کریں تو اپنی شرط کی خلاف ورزی لازم آئے گی، چونکہ حدیث صحیح ہے لہٰذا اس کو تعلیقاً ذکر کر دیتے ہیں۔

تیسری وجہ:

حسن لعینہ یا حسن لغیرہ: اس کو اس لئے لاتے ہیں کہ عام طور پر کوئی مسئلہ ثابت کرنا ہوتا ہے، کیوں کہ امام بخاریؒ کا مقصد صرف جمع احادیث نہیں بلکہ استنباط احکام بھی ہے، تو احکام مستنبط کرنے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ ایسے احادیث سے استدلال کر سکتے ہیں جو حسن لعینہ ہو یا حسن لغیرہ ہو، لیکن اگر ان کو مسنداً لائیں گے تو اپنی شرائط کی خلاف ورزی لازم آئے گی، لہٰذا ان کو تعلیقاً ذکر کر کے استنباط احکام کا مقصود حاصل فرما لیتے ہیں، یہ ساری تفصیل اس تعلیق کی ہے جو صیغہ جزم کے ساتھ ہو۔

ایسی احادیث کو تعلیقاً ذکر کرنے کی جو امام بخاری کی شروط کے مطابق صحیح ہیں، لیکن پھر بھی ان کو تعلیقاً ذکر فرما رہے ہیں۔ یہ تین وجوہ ہیں جو دریافت ہوئیں، ہو سکتا ہے اور وجوہ بھی ہوں جو دریافت نہ ہو سکی ہوں۔

تعلیق بصیغۃ التمریض کی پانچ قسمیں اور ان کی تفصیل:

دوسری قسم وہ ہے جو صیغہ تمریض کے ساتھ ہو جیسے یُذکر، یُروی، اس میں بھی وہ چاروں قسمیں موجود ہیں یعنی یہ ضروری نہیں کہ جہاں یذکر یا یروی کہہ رہے ہوں

وہاں ضرور حدیث ضعیف یا کمزور ہو، بلکہ ہوسکتا ہے صحیح علی شرط البخاری ہو یا علی شرط غیرہ ہو، ہوسکتا ہے حسن لعینہ ہو یا لغیرہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ ضعیف ہو بس اس میں پانچویں چیز کا اضافہ ہے یعنی وہ ضعیف بھی ہوسکتی ہے، یہاں اس کی تفصیل سمجھ لینی چاہئے۔

جب ایک حدیث صحیح علی شرط البخاری ہے یعنی خود اپنی شرط پر ہے پھر یذکر، یروی صیغہ تمریض کیوں استعمال کیا، قال، صیغہ جزم استعمال کیوں نہیں کیا؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ ایسی حدیث کو جو ان کی اپنی شرط پر ہو صیغہ تمریض کے ساتھ ایسی جگہ ذکر کرتے ہیں جہاں وہ اس حدیث کو کہیں مسنداً ذکر فرما چکے ہوں لیکن کسی مسئلہ کے استنباط کے لئے اس کو تعلیق کے طور پر بالمعنی لاتے ہیں نہ کہ باللفظ تو ایسی جگہ یذکر کا لفظ استعمال فرماتے ہیں۔

جیسے وہ حدیث جس میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ گاؤں میں گئے تھے، وہاں ایک آدمی کو سانپ کاٹا ہوا تھا اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ اچھا ہوگیا، پھر ان لوگوں نے ان کو کچھ بکریاں وغیرہ دیں، یہ لے کر آگئے، یہ مشہور واقعہ ہے۔

یہ حدیث امام بخاریؒ اپنی کتاب میں مسنداً ذکر فرما چکے ہیں لیکن ایک جگہ ترجمۃ الباب میں یہ فرمایا "ما یذکر فی الرقی بفاتحۃ الکتاب" فاتحۃ الکتاب سے رقیہ کرنے کا حکم۔ یہاں اس کی طرف بالمعنی اشارہ کیا ہے، اب بعینہٖ وہ لفظ موجود نہیں ہے، بلکہ اس سے استنباط کیا اور حکم لا رہے ہیں اس واسطے یذکر لائے تو صحیح علی شرط البخاری کے لئے صیغہ تمریض اس جگہ لاتے ہیں جہاں بالمعنی اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

جو حدیث علی شرط غیرہ ہے اس کے لئے بھی بعض اوقات صیغہ تمریض "یذکر" استعمال کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ وہ ان کی شرط پر نہیں اترتے اور حسن لعینہ اور لغیرہ بھی اسی قاعدہ کے تحت آتے ہیں۔

پانچواں اضافہ اس میں یہ ہے کہ ایسی حدیث ضعیف جس کا ضعف کسی اور طریقہ سے ختم نہ ہوا ہو، اس کو بھی ذکر فرما دیتے ہیں، لیکن ایسے موقع پر امام بخاریؒ صراحۃً کہہ دیتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں، جیسے ایک حدیث ہے، جس میں یہ مروی ہے کہ جب امام نماز پڑھائے تو

جس جگہ نماز پڑھائی تھی وہیں پر نفلیں نہ پڑھے، پڑھے یا نہ پڑھے یہ ایک مسئلہ ہے، اس میں ایک حدیث آتی ہے، امام بخاریؒ اس کا ذکر کرتے ہیں "**مایذکر فی تطوع الامام فی مکانه**" ساتھ یہ بھی کہہ دیا "**ولم یصح**" یعنی یہ حدیث آئی ہے لیکن صحیح نہیں۔

لہٰذا صیغہ تمریض کے ساتھ ایسی تعلیق جو حقیقتاً ضعیف ہو اور اس کے ضعف کا انجبار نہیں ہوا ہے تو وہاں امام بخاریؒ ضعف پر تصریح فرما دیتے ہیں تاکہ کسی کو مغالطہ نہ ہو۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ امام بخاریؒ کی تعلیقات جہاں بھی آئی ہیں اور امام بخاریؒ نے وہاں ان کے ضعف کی تنبیہ نہیں فرمائی، وہ سب تعلیقات قابل استدلال ہیں اور یہ تعلیقات مرفوعہ ہیں۔

تعلیقات موقوفہ:

تعلیقات موقوفہ میں بھی وہ ساری باتیں جاری ہوتی ہیں جو تعلیقات مرفوعہ میں گزری ہیں، صرف اتنا اضافہ ہے کہ بعض اوقات امام بخاریؒ اس میں کسی موقوف حدیث کو صیغہ تمریض سے ذکر فرما دیتے ہیں اور درحقیقتاً وہ حدیث ضعیف ہوتی ہے لیکن اس کے ضعف پر تنبیہ نہیں فرماتے۔

یہ اس موقعہ پر ہوتا ہے جہاں کسی فقہی مسئلہ پر بحث کر رہے ہوں اور اس میں مختلف صحابہ و تابعین کے مذاہب بیان فرما رہے ہوں، تو وہاں چونکہ کسی مذہب کی تائید یا حمایت مقصود ہوتی ہے یا کسی مذہب کا محض بیان مقصود ہوتا ہے کہ فلاں کا یہ مذہب ہے۔

چونکہ اس مذہب کی نسبت ان کے نزدیک صحیح ہے تو چاہے وہ تعلیق موقوف سند کے اعتبار سے کمزور ہو تب بھی بغیر ضعف پر تنبیہ فرمائے اس کو ذکر فرما دیتے ہیں، یہ بتانے کے لئے کہ یہ مذہب بھی ثابت ہے، یہ تعلیقات مرفوعہ اور تعلیقات موقوفہ کی تفصیل ہے۔

تراجم بخاری

ترجمة فعللة کے وزن پر رباعی مجرد کا مصدر ہے، اس کا معنی مراد کو واضح کرنا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کی اصل "رجم" ہے، یعنی ترجمہ بروزن تفعلۃ ہے اور تا، زائد

ہے، لیکن صحیح قول اول ہے (تاج العروس) اس کی دو جمع آتی ہے تراجم و تراجمۃ۔

الترجمۃ الاصطلاحیۃ

اصطلاح میں ترجمہ کے متعدد معانی آتے ہیں: (۱) الترجمۃ فھی التعبیر عن لغہ بلغہ أخری یعنی ایک زبان کے مضمون کو دوسری زبان میں منتقل کرنا۔ (۲) کسی شخصیت کے حالات وسوانح کو بھی اصطلاح میں ترجمۃ کہا جاتا ہے جیسے ترجمۃ المصنف، (۳) اس کا استعمال تاریخ کے لئے بھی ہوتا ہے، (۴) جب کتب حدیث میں ترجمۃ بولا جائے تو اس سے عنوان مراد ہوتا ہے، اس کو ترجمہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے مابعد آنے والے مضامین کی وضاحت کرتا ہے۔ (الابواب والتراجم ۲ر۱۳، الکنز المتواری: ۱ر۱۰۶)

مقصد تراجم

(۱) حضرات محدثین جو ابواب وتراجم قائم فرماتے ہیں ان سے مقصد روایات کی تشریح ہوتی ہے، اسی لئے بعض حضرات نے کتب احادیث کی غرض وغایت بیان کی ہے: تشریح متعلقات النبی ﷺ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات کی تشریح، لیکن علماء کی اس بیان کردہ غرض پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کتب احادیث میں تو احادیث کی کوئی تشریح نہیں ہوتی ہے، فقط سرد روایات اور جمع روایات ہوتا ہے، پھر یہ غرض بیان کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ محدثین نے جو عناوین اور تراجم قائم فرمائے ہیں یہی احادیث کی تشریح ہیں، اس طور پر کہ احادیث میں اگر اطلاق ہے تو باب کو مقید، حدیث میں اگر عموم ہے تو باب میں تخصیص کرکے حدیث کی مراد کو متعین کیا جاتا ہے۔

(۲) نیز تراجم سے مصنفین اپنا فقہی رجحان بھی واضح کرتے ہیں۔

نوعیت تراجم صحاح ستہ

جس طرح صحاح ستہ میں باعتبار درس وتدریس علماء نے ترتیب بیان فرمائی ہے

اسی طرح تراجم کے اعتبار سے بھی ترتیب قائم فرمائی ہے کہ کس کتاب کے تراجم سب سے زیادہ مشکل اور کس کتاب کے زیادہ آسان ہیں، چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ باعتبار تراجم کے پہلا مقام ومرتبہ صحیح بخاری کو حاصل ہے، دوسرے نمبر پر سنن نسائی کے تراجم ہیں، بہت سے مقامات پر بخاری اور نسائی کے تراجم حرفاً حرفاً موافق ہیں، بعض حضرات نے اس کو توارد قلوب پر محمول کیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام نسائی نے اپنے شیخ امام بخاریؒ سے اس کو اخذ کیا ہے، تیسرے نمبر پر سنن ابی داؤد کے تراجم ہیں، چوتھے نمبر پر سنن ابن ماجہ کے تراجم اور اخیر میں جامع ترمذی کے تراجم اسہل التراجم کہا گیا ہے، امام ترمذیؒ اکثر وبیشتر لفظ حدیث ہی کو ترجمہ اور عنوان بنادیتے ہیں۔

(معارف السنن: ۱/ ۲۳، الابواب والتراجم: ۲/ ۴)

خلاصہ یہ ہے کہ بخاری ونسائی کے تراجم سب سے زیادہ مشکل ہیں، ابوداؤد اور ابن ماجہ کے تراجم درمیانی ہیں، اور ترمذی شریف کے تراجم سب سے آسان ہیں، بات رہی مسلم شریف کی تو اس میں تو خود مصنفؒ نے تراجم قائم نہیں فرمائے ہیں، لیکن امام مسلمؒ نے اپنی کتاب کو ابواب کا لحاظ کرتے ہوئے مرتب فرمایا ہے، گویا فی الواقع کتاب مبوب ہی ہے، لیکن حجم کتاب کے بڑھ جانے کے اندیشے سے ظاہراً تراجم تحریر نہیں فرمائے۔

(مقدمہ نووی: ص ۱۵)

بعض حضرات نے فرمایا کہ امام مسلمؒ کی غرض وغایت سرد روایات وجمع احادیث ہے لہٰذا آپ نے مناسب نہیں سمجھا کہ روایات کے درمیان اپنا کوئی کلام پیش کریں، پھر بعد میں آنے والے محدثین میں سے متعدد حضرات نے اپنے اپنے ذوق ومزاج کے موافق تراجم قائم کئے جس میں بعض مناسب اور بعض غیر مناسب ہیں، یا تو عبارت میں کمی ہے یا الفاظ میں عدم موزونیت ہے۔

علامہ نوویؒ اپنے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ میں ان شاء اللہ اس کو مناسب انداز میں پیش کرنے کی کوشش کروں گا (مقدمہ نووی علی شرح مسلم: ص ۱۵) چنانچہ ہمارے دیار میں جو

مسلم شریف کا نسخہ رائج ہے اس پر امام نوویؒ ہی کے قائم کردہ تراجم ہیں، لیکن امام نوویؒ شافعی المسلک ہیں اس وجہ سے بہت سے مقامات پر آپ نے اپنے مسلک کے موافق ترجمہ قائم کیا ہے، لہٰذا مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا کہ مصنف کی شایان شان اب تک تراجم قائم نہیں کئے جاسکے، شاید اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو توفیق دے کر یہ کام لے لے، پھر خود ہی آپ نے مسلم شریف کے بعض حصہ کی شرح تالیف فرمائی اور اس میں امام نوویؒ کے تراجم کے علاوہ اپنی جانب سے بہت سے تراجم قائم کئے۔

(مقدمہ فتح الملہم: ص ۱۰۰)

اہمیت تراجم بخاری

امام بخاریؒ نے بخاری شریف تالیف فرمائی اس کے متعدد مقاصد ہیں، جس کا ذکر گزر چکا ہے، ان مقاصد میں دو اہم مقصد احادیث صحیحہ مسندو جمع کرنا اور احادیث سے مسائل کا استنباط کرنا ہے، اسی دوسرے مقصد کی وجہ سے آپ احادیث کو مکرر ذکر فرماتے ہیں، نیز موقع محل اور ضرورت کے اعتبار سے روایات کی کاٹ چھانٹ بھی فرماتے ہیں اور مسائل کے مطابق ترجمہ قائم کرتے ہیں، اسی سے امام بخاریؒ کی دقت نظری ظاہر ہوتی ہے جس میں امام بخاریؒ انفرادی شان رکھتے ہیں، ورنہ جس کے پاس چھ لاکھ احادیث کا ذخیرہ ہو اس کو دس ہزار حدیثوں کے انتخاب میں سولہ سال کی ضرورت کیوں؟ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا ترجمۃ الباب اعلیٰ اور افضل ہے اسی لئے مقولہ مشہور ہے فقه البخاری فی ترجمه، امام بخاریؒ کے تراجم ان کی دقت نظر، ان کے تفقہ کی ترجمانی کرتے ہیں، اور ان کے اغراض و مقاصد کو واضح کرتے ہیں، ایسے تراجم آپ سے قبل نہ کسی نے وضع کئے ہیں اور نہ بعد میں آنے والے علماء و محدثین نے آپ کی مکمل نقالی کی ہے، گویا آپ ہی اس باب کے فاتح ہیں اور آپ ہی خاتم ہیں، چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: سباق الغايات و صاحب الآيات في وضع تراجم لم يسبق به أحد من المتقدمين و لم يستطع أن يحاكيه من المتأخرين فكان هوفاتح لذلك الباب وصارهو

الخاتم۔(مقدمہ فیض الباری:۱؍۳۵)

فقہ البخاری فی تراجمہ کی مراد

امام بخاریؒ کے تراجم کے متعلق یہ مقولہ جو مشہور ہے اس کی مراد میں علماء کے دو قول ہیں:

(۱) شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ چوں کہ امام بخاریؒ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے فقیہ بھی تھے بلکہ مجتہد ہیں، لیکن چوں کہ آپ کو فقہ میں کوئی کتاب تالیف کرنے کا موقع نہیں ملا، لہٰذا آپ نے اپنے فقہ کو تراجم بخاری ہی میں بیان فرمادیا، لہٰذا جو امام بخاریؒ کے فقہ سے واقف ہونا چاہتا ہو وہ بخاری کے تراجم میں غور وفکر کرے۔

(۲) امام بخاریؒ بہت ذہین تھے، دقت نظر کے مالک تھے، اس وصف کو دیکھنے کے لئے بخاری کے ابواب میں غور کرنا ضروری ہے، کیوں کہ آپ نے اپنی ساری محنت اور توجہ تراجم کے قائم کرنے میں صرف کردی ہے، **ویظهر فقه المحدث من تراجمه كما قيل: فقه البخاري في تراجمه ولهذا القول عند شيخنا محملان، الأول أن المسائل التي اختارها من حيث الفقه تظهر من تراجمه، والثاني أن تفقهه وذكائه ودقة فكره يظهر في تراجمه۔** (معارف السنن:۱؍۲۳)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے ذکر کردہ اصول تراجم

(۱) امام بخاریؒ نے اپنی دقت نظر کے اعتبار سے تراجم قائم فرمائے ہیں، اپنی جانب سے کوئی کلام اپنی مراد کے سلسلہ میں پیش نہیں فرمایا ہے کہ اس ترجمہ سے میری مراد کیا ہے، اور نہ کوئی قواعد وضوابط بیان کئے ہیں کہ ان کے اعتبار سے انطباق کرلیا جائے، فقط احادیث پر تراجم قائم فرمادیئے، اس وجہ سے امام بخاریؒ کی مراد کو سمجھنا بہت مشکل ہوگیا۔

(۲) تراجم قائم کرنے میں امام بخاریؒ کا انداز دیگر مصنفین سے مختلف ہے، چنانچہ آپ نے فن تالیف میں خاص طریقہ اور مخصوص مذہب اختیار کیا ہے، آپ فقط احادیث

سے مستخرجہ احکام فقہیہ پر اکتفا نہیں فرماتے ہیں جو بظاہر حدیث سے سمجھ میں آجاتے ہیں، بلکہ ان کے علاوہ احادیث سے فوائد علمیہ وعملیہ کا بھی استخراج فرماتے ہیں، چنانچہ اسی کی طرف حافظ ابن حجرؒ نے اپنے مقدمہ ہدیٰ الساری میں اشارہ فرمایا ہے۔

ثم رأى أن لا يخليه من الفوائد الفقهية والنكت الحكمية فاستخرج بفهمه من المتون معاني كثيرة فرقها في أبواب الكتاب بحسن تناسبها، واعتنى فيه بآيات الأحكام فانتزع منها الدلالات البديعة وسلك في الإشارة إلى تفسيرها السبل الوسيعة۔ (ہدی الساری: ص۸)

(۳) امام بخاریؒ بسا اوقات اپنے زمانے میں یا اس سے کچھ قبل کوئی امر رائج ہو گیا ہو اور اس میں علماء کا اختلاف بھی ہو تو موصوف ان کی تردید کے لئے کسی حدیث پر ترجمہ قائم کرتے ہیں، بعد میں آنے والے علماء امام بخاریؒ کے زمانہ کے لوگوں کی آراء واقوال سے واقف نہیں ہوتے ہیں، لہٰذا وہ حدیث اور ترجمہ کے درمیان مناسبت بیان کرنے پر قادر نہیں ہو پاتے اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ ترجمہ روایت کے مناسب نہیں ہے۔

(۴) کبھی کبھی امام بخاریؒ کے پاس کسی عالم کی کسی حدیث کے متعلق کوئی رائے پہونچتی ہے اور امام بخاریؒ کی رائے ان کی رائے کے مخالف ہوتی ہے تو باریک اور لطیف انداز میں ترجمہ کے اندر اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس حدیث کا یہ مفہوم متعین کرنا غلط ہے، اس بات کو بعد کے علماء سمجھ نہیں پاتے اور کہہ دیتے ہیں کہ ترجمہ روایت کے مطابق نہیں ہے، اسی بات کی طرف شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے بعض مباحث میں اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

وأكثر ذلك تعقبات وتنكيتا على عبدالرزاق وابن أبي شيبة في تراجم مصنفيهما إذ شواهد الآثار نروى عن الصحابة والتابعين في مصنفيهما۔

(۵) بعض اوقات حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجمہ بناتے ہیں اور اس کے حدیث نبوی ہونے کی صراحت بھی کرتے ہیں جیسے کتاب الایمان کا پہلا ترجمہ: ''باب قول النبی

ﷺ بنی الإسلام علی خمس" اسی طرح کتاب الایمان میں اور ایک ترجمہ ہے:
"باب قول النبی ﷺ: الدین النصیحة" اسی طرح کتاب العلم میں ترجمہ ہے:
"باب قول النبی ﷺ رُبَّ مبلغ أوعی من سامع"۔

(۶) کبھی امام بخاریؒ حدیث نبوی کو ترجمہ بناتے ہیں لیکن اس کے حدیث ہونے کا ذکر نہیں کرتے جیسے: "باب من یرد اللّٰہ به خیراً یفقهه فی الدین" ترجمہ حدیث کا ہے لیکن اس کے حدیث ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔

(۷) کبھی امام بخاریؒ حدیث رسول کو ترجمہ بناتے ہیں لیکن اس میں تھوڑا سا تصرف اور تبدیلی کر دیتے ہیں اور اس کا مقصد حدیث کی تشریح ہوتا ہے، جیسے "باب ما کان النبی ﷺ یتخوّلهم بالموعظة والعلم کی لا ینفروا" حدیث میں "کراهة السآمة" آیا ہے، امام بخاریؒ نے ترجمہ میں "سامة" کی تفسیر "نفرة" سے کر دی ہے۔

(۸) کبھی امام بخاریؒ ایسی حدیث کو ترجمہ بناتے ہیں جو ان کی شرط کے مطابق نہیں ہوتی پھر اپنی روایات سے اس کو مؤید فرماتے ہیں جیسے ابواب الوضوء میں: "باب ماجاء لاتقبل الصلاة بغیر طهور" اور أبواب الزکوٰة میں: "باب ماجاء لا تقبل الصدقة من غلول" ہیں۔ یہ ایک ہی روایت کے دو جزء ہیں، مسلم اور ترمذی نے اس کی تخریج کی ہے۔

امام بخاریؒ نے ایک جزء پر کتاب الوضوء میں اور دوسرے جزء پر کتاب الزکوٰۃ میں ترجمہ قائم کیا ہے۔

اسی طرح کتاب الصلوٰۃ میں "باب إذا أقیمت الصلاة فلا صلوٰة إلا المکتوبة" کا ترجمہ قائم کیا ہے، اور یہ مسلم کی روایت پر قائم کیا گیا ہے، ایسا ہی ایک ترجمہ "باب الاثنان فما فوقهما جماعة" یہ ترجمہ ابن ماجہ کی روایت پر قائم کیا گیا ہے۔

(۹) بہت سی جگہوں میں امام بخاریؒ اپنے الفاظ سے ترجمہ قائم کرتے ہیں اور اس میں ابہام چھوڑ دیتے ہیں۔ اس ابہام کی مختلف وجوہ ہوتی ہے۔

(الف) کبھی تعارض ادلہ کی وجہ سے ترجمہ مبہم رکھتے ہیں، جیسے: "باب ماجاء فی قاتل

النفس" کا مبہم ترجمہ قائم کیا ہے۔ یہاں ابہام کی وجہ یہ ہے کہ بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خودکشی کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور دوسرے دلائل قویہ سے یہ ثابت ہے کہ گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا مخلد فی النار نہیں ہوگا، چنانچہ تعارضِ ادلہ کی وجہ سے امام بخاریؒ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور ترجمہ کو مبہم رکھا۔ (فتح الباری: ج ر ۳، ص ر ۲۲۷)

(ب) کبھی یہ ابہام توسع کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہوتا ہے جیسے "باب ما یقرأ بعد التکبیر" یہاں امام بخاریؒ نے ایک روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ذکر کی ہے جس میں تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ سے ابتداء کا ذکر ہے، دوسری روایت حضرت ابوہریرہؓ کی ہے جس میں تکبیر کے بعد قراءت سے پہلے "اللّٰهم باعدبيني وبين خطاياى كما باعدت بين المشرق والمغرب ، اللهم نقِّني من الخطايا كما يُنقّى الثوب الأبيض من الدنس، اللهم اغسل خطاياى بالماء والثلج والبرد" والی دعاء مذکور ہے۔ (صحیح البخاری: ج ر ۱، ص ر ۱۰۲) اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ تکبیر کے بعد خواہ یہ دعاء پڑھ لی جائے یا ثنا پڑھی جائے یا کچھ پڑھے بغیر سورۂ فاتحہ کی قراءت شروع کردی جائے۔ (مقدمہ لامع: ص ر ۳۵۱)

(ج) اسی طرح کتاب الایمان والنذور میں امام بخاریؒ نے "باب إذا حنث ناسياً في الأيمان" کا ترجمہ قائم کیا ہے اور جزاء کو ذکر نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ باب میں دو قسم کی روایات مذکور ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ناسیاً اگر حانث ہوگا تو کفارہ واجب ہوگا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ناسیاً حانث ہونے کی صورت میں کفارہ واجب نہیں ہوتا، امام بخاریؒ نے ترجمہ کو مبہم رکھا، خود فیصلہ نہیں کیا بلکہ فیصلہ کو مجتہد کے حوالے کردیا کہ وہ اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کرے۔ (فتح الباری: ج ۱۱ ص ر ۵۵۰)

(د) کبھی امام بخاریؒ دلیل کے محتمل ہونے کی وجہ سے بھی ترجمہ مبہم رکھتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے "باب إذا أسلمت المشركة أو النصرانية تحت الذمي أو الحربي" کے تحت ارشاد فرمایا ہے۔ (فتح الباری: ج ر ۹، ص ر ۴۲۰)

(۱۰) کبھی امام بخاریؒ ترجمہ کو واضح اور فیصلہ کن انداز میں قائم کرتے ہیں جیسے "باب وجوب صلاة الجماعة" "باب التيمم ضربة" اور "باب التيمم للوجه والكفين" یہ امامؒ اس وقت کرتے ہیں جب ان کی نظر میں اپنے نقطۂ نظر کی تائید کرنے والی روایات صحیح، قوی اور صریح ہوتی ہیں، وہاں نہ دوسرے ائمہ کے اختلاف کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ مخالف روایتوں کا لحاظ رکھتے ہیں بلکہ اپنے نقطۂ نظر کو پوری قوت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ (مقدمہ لامع: ص ۳۵۰-۳۵۱)

(۱۱) امام بخاریؒ کبھی "هل" کے ساتھ استفہامیہ ترجمہ لاتے ہیں اور یہ دلیل کے محتمل ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، کتاب التیمم میں امام بخاریؒ نے "باب هل ينفخ في يديه" کا ترجمہ قائم کیا ہے اور روایت جو نقل کی ہے اس میں ہے "فضرب النبی ﷺ بكفيه الأرض و نفخ فيهما" یہاں آپ کا فعل نفخ في اليدين مذکور ہے، مگر اس میں احتمال ہے کہ مٹی کے ساتھ کوئی تنکا ہاتھ کو لگ گیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نفخ تیمم کی سنت کے طور پر کیا گیا ہو، اس بنا پر امام بخاریؒ نے استفہامیہ ترجمہ "هل ينفخ في يديه" قائم کیا۔ (مقدمہ لامع: ۳۳۵-۳۳۶)

(۱۲) کبھی امام بخاریؒ ترجمہ استفہامیہ قائم کرتے ہیں اور روایات و آثار کے ذریعے استفہام کا جواب پیش کرتے ہیں جیسے "باب هل يسافر بالجارية" (صحیح بخاری: ج ۱/ ۷۹، ص ۱/ ۲۹۷) قائم کیا ہے اور پھر روایت کے ذریعہ اس کا جواز بیان کیا ہے۔

(۱۳) کبھی امام بخاریؒ تفصیل کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ترجمہ استفہامیہ لاتے ہیں جیسے: "باب هل يمضمض من اللبن" یہاں امام بخاریؒ نے روایت نقل کی ہے "ان رسول الله ﷺ شرب لبناً فمضمض وقال: إن له دسماً" تو یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ دودھ پینے کے بعد اگر منھ میں چکنائی کا اثر موجود ہو تو کلی کریں اور لعاب دہن وغیرہ کی بنا پر چکنائی زائل ہوئی ہے تو کلی کی ضرورت نہیں ہے۔

(تقریر بخاری: ج ۱/ ۲، ص ۱/ ۲۷۵)

اسی طرح ایک ترجمہ قائم کیا ہے "هل تصلی المرأة فی ثوب حاضت فیه" اور روایت نقل کی ہے "ما کان لأحدنا إلا ثوب واحد تحیض فیه، فإذا أصابه شیء من دم قالت بریقها، فقصعته بظفرها" یعنی ہمارے پاس کپڑوں کی کمی ہوتی تھی جس کپڑے میں حیض کا زمانہ گزارا جاتا اگر اس کو معمولی نجاست لگ جاتی تو اس کو زائل کر کے اسی میں نماز پڑھ لیا کرتی تھیں، امام بخاریؒ نے اپنے ترجمے میں تفصیل کی طرف اشارہ کیا کہ اگر کوئی دوسرا کپڑا نہ ہو تو اس کپڑے کو جس میں حیض کا زمانہ گذرا ہے نماز کے وقت استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس میں نجاست نہ ہو۔ (فتح الباری: ج ۱، ص ۴۱۲)

اسی طرح امام بخاریؒ نے ایک ترجمہ قائم کیا ہے "باب هل یدخل الجنب یده فی الإناء قبل أن یغسلها إذا لم یکن علی یده قذر غیر الجنابة" اس کے تحت ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے "کان رسول اللہ ﷺ إذا اغتسل من الجنابة غسل یده" امام بخاریؒ نے ترجمہ میں استفہام لاکر اشارہ کیا ہے کہ اگر ہاتھ پر نجاست کا کوئی شبہ نہ ہو تو بغیر دھوئے ہوئے اس کو برتن میں داخل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(فتح الباری: ج ۱، ص ۳۷۳)

اسی طرح امام بخاریؒ نے ایک ترجمہ قائم کیا ہے "باب هل تکسر الدنان التی فیها خمر أو تخرق الزقاق" یہاں اس تفصیل کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اگر شراب کے مٹکے ایسے ہیں کہ دھونے سے شراب کا اثر ان سے زائل نہیں ہوتا تب تو ان کو توڑ دیا جائے گا لیکن اگر دھونے کے بعد شراب کا اثر زائل ہو جاتا ہے تو پھر ان کو توڑنے کی ضرورت نہیں۔ (فتح الباری: ج ۵، ص ۲۲)

(۱۴) کبھی امام بخاریؒ ترجمہ "من قال کذا و من فعل کذا" کے عنوان سے قائم کرتے ہیں اس کی کئی وجوہ ہیں:

(الف) کبھی عموم حکم کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسے انھوں نے باب قائم کیا ہے "باب من برک علی رکبتیه عند الامام أو المحدث" (صحیح البخاری: ج ۱، ص ۲۰) اس میں اشارہ

اس طرف ہے کہ یہ طریقہ اس شخص کے ساتھ خاص نہیں ہے، جس کا واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے بلکہ جس شخص کو بھی یہ حالت پیش آئے گی اس کے لئے یہ طریقہ ہونا چاہئے۔

(ب) کبھی یہ عنوان مسلکِ مختار کو بیان کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے، جیسے "باب من لم یتوضأ الامن الغشی المثقل" (فتح الباری: ج/۱، ص/۲۸۹) یا "باب من لم یر الوضوء الا من المخرجین" (فتح الباری: ج/۱، ص/۲۸۰) ان دونوں جگہوں میں امام بخاریؒ نے اپنا مسلک مختار پیش کیا ہے۔

(ج) کبھی یہ عنوان اخلاق و آداب پر تنبیہ کرنے کے لئے اختیار کرتے ہیں جیسے "باب من قعد حیث ینتهی به المجلس" میں یہ بتایا ہے کہ ادب یہ ہے کہ مجلس میں آنے والا جہاں مجلس ختم ہو رہی ہے وہیں بیٹھ جائے، آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔

(مقدمہ لامع: ص/۳۱۶)

اسی طرح ترجمہ ہے "باب من رفع صوته بالعلم" یہاں یہ بتایا ہے کہ جب مجمع زیادہ ہو تو ادب یہی ہے کہ حدیث کو بلند آواز سے بیان کیا جائے۔

(فتح الباری: ج/۱، ص/۱۴۳)

(۱۵) بعض اوقات امام بخاریؒ تاریخی واقعات بیان کرنے کے لئے ترجمہ قائم کرتے ہیں جیسے "باب ذکر قحطان"۔ (مقدمہ لامع: ص/۲۷۷)

(۱۶) کبھی امام بخاریؒ یہ بھی کرتے ہیں کہ باب سابق کی حدیث میں باب کے علاوہ کوئی نیا فائدہ اگر موجود ہوتا ہے تو وہ اس فائدۂ جدیدہ پر تنبیہ کرنے کے لئے ترجمہ قائم کرتے ہیں اس کو "باب فی باب" کہتے ہیں یعنی دوسرا باب پہلے باب کے ضمن میں شمار ہوتا ہے۔ و مثال ذلک: باب من مضمض من السویق۔

(مقدمۃ اللامع: ص/۳۰۷-۳۰۸)

(۱۷) بعض اوقات امام بخاریؒ ایسا ترجمہ لاتے ہیں جو بظاہر بے فائدہ معلوم ہوتا ہے، لیکن فی الحقیقت اس میں فائدہ ہوتا ہے، جیسے ایک ترجمہ ہے "باب قول الرجل فاتتنا

الصلاۃ" یہاں بظاہر اس ترجمہ کا کوئی فائدہ سمجھ میں نہیں آتا لیکن امام بخاریؒ نے اس سے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو "**فوت**" کو اسناد "**صلوٰۃ**" کی طرف جائز نہیں سمجھتے، گویا امام بخاریؒ نے اس کا جواز حدیث سے ثابت کیا ہے۔ (فتح الباری: ج ۲ ص ۱۱۲)

(۱۸) کبھی امام بخاریؒ بدء الحکم کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ترجمہ قائم کرتے ہیں جیسے "**بدء الحیض**" (فتح الباری: ج ۱ ص ۴۰۰) "**بدء الأذان**" (فتح الباری: ج ۲ ص ۷۷) "**بدء الخلق**" (فتح الباری: ج ۶ ص ۵۸۷) اور "**بدء السلام**" (فتح الباری: ج ۱۱ ص ۳) وغیرہ میں ہوا ہے۔

(۱۹) امام بخاریؒ کبھی رفعِ اشکال کے لئے بھی ترجمہ قائم کرتے ہیں جیسے "**باب ترک الحائض الصوم**" ہے، حائضہ کو ترکِ صلوٰۃ اور ترکِ صوم دونوں کا حکم دیا گیا ہے، ترکِ صلوٰۃ تو معقول ہے کیوں کہ صلوٰۃ کے لئے طہارت شرط ہے اور حائضہ ناپاک ہوتی ہے البتہ ترکِ صوم کے حکم پر اشکال ہوسکتا ہے کہ اس کا حکم کیوں دیا گیا جب کہ اس کے لئے طہارت شرط نہیں ہے، امام بخاریؒ نے یہ ترجمہ قائم فرما کر اس اعتراض کو رفع کیا ہے اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ حکم تعبدی ہے، اس میں عقل کے دخل دینے کی حاجت یا گنجائش نہیں۔

(فتح الباری: ج ۱ ص ۴۰۵)

(۲۰) کبھی امام بخاریؒ جمع بین الروایات کے لئے ترجمہ لاتے ہیں جیسے "**باب لاتستقبل القبلة بغائط أو بول الاعندالبناء جدار أو نحوه**" حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں استقبال اور استدبار کعبہ دونوں کی مطلقاً ممانعت ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے جدار کی موجودگی میں استدبار کیا ہے۔ (صحیح البخاری: حدیث: ۱۴۵) امام بخاریؒ نے یہ ترجمہ قائم کرکے دونوں میں تطبیق دی ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روایت اس پر محمول ہے کہ جدار وغیرہ کوئی حائل موجود نہ ہو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت اس حالت پر محمول ہے جب کہ حائل موجود ہو۔ (مقدمہ لامع: ص ۳۰۶، ۳۰۷)

اسی طرح ایک ترجمہ ہے "**باب قول النبی ﷺ یعذب المیت ببعض**

بكاء أهله عليه إذا كان النوح من سنته" یہاں بھی امام بخاریؒ کا مقصود جمع بین الروایات ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بکاءِ اہل کی وجہ سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں اس سے انکار وارد ہوا ہے اور انھوں نے "وَلَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى" سے استدلال کیا ہے۔ (بخاری شریف: حدیث:۱۲۸۶-۱۲۸۸) یہاں امام بخاریؒ نے اس ترجمہ کے ذریعہ دونوں کی تطبیق بیان کی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت اس حالت پر محمول ہے جب میت کی عادت نوحہ کرنے کی ہو، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اس صورت کے لئے ہے جبکہ میت کی عادت نوحہ کرنے کی نہ ہو۔

(مقدمہ لامع: ص/۳۰۷)

(۲۱) بعض اوقات ترجمہ میں کئی امور مذکور ہوتے ہیں لیکن امام بخاریؒ ان میں سے صرف ایک کے لئے روایت لاتے ہیں اور دوسرے امور کے بارے میں روایت پیش نہیں کرتے، سو اس کی وجوہ بھی مختلف ہیں:

(الف) کبھی تو یوں ہوتا ہے کہ جس امر کی تائید میں بخاری روایت پیش کرتے ہیں اس کا ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے اور جن امور کے لئے روایات پیش نہیں کرتے ان کی نفی مقصود ہوتی ہے جیسے امام بخاریؒ نے "باب الصلوٰة بعد الجمعة و قبلها" کا ترجمہ قائم کیا اور اس میں صلوٰۃ بعد الجمعہ کی روایت تو ذکر کی لیکن قبل الجمعہ کی روایت ذکر نہیں کی، یہاں امام بخاریؒ کا مقصود صلوٰۃ بعد الجمعہ کو ثابت کرنا ہے اور صلوٰۃ قبل الجمعہ کی نفی کرنی ہے۔

(فتح الباری: ج۲/ص/۴۲۶)

(ب) کبھی ایسے موقع پر امام بخاریؒ دوسری روایت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو خود بخاری میں موجود ہوتی ہے جیسے: "باب التقاضي والملازمة في المسجد" (بخاری: ج/۱/ص/۶۵) اس ترجمہ میں دو چیزیں مذکور ہیں، ایک "تقاضی" اور ایک "ملازمة" مگر اس باب کے تحت جو حدیث مذکور ہے اس میں "تقاضی" کا ذکر تو ہے

"ملازمة" کا ذکر نہیں ہے۔ (بخاری: ج را،ص ر ۲۴۷) لیکن کتاب الخصومات میں امام بخاریؒ نے جو روایت ذکر کی ہے اس میں "ملازمہ" کا ذکر ہے اس لئے کہا جائے گا کہ امام بخاریؒ نے یہاں اسی خصوصیت والی روایت کی طرف اشارہ کی ہے۔ (مقدمہ لامع: ص ر ۳۱۴)

(ج) امام بخاریؒ کبھی ایسی روایت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو بخاری میں مذکور نہیں ہوتی اور اس سے اپنا مدعا ثابت کرتے ہیں، جیسے: "**باب دلک المرأة نفسها اذا تطهرت من المحيض و كيف تغتسل و تاخذ فِرصة ممسكة فتتبع بها اثر الدم**" ہے۔اس کے تحت 'غسل' کا ذکر ہے "دلک" کا ذکر نہیں ہے۔ (صحیح بخاری: ج ر ا، ص: ۴۵) لیکن مسلم کی روایت میں "دلک" کا ذکر ہے۔ (مسلم شریف ج را،ص ر ۱۵۰) اس لئے کہا جائے گا کہ امام بخاریؒ نے ترجمہ کو ثابت کرنے کے لئے مسلم کی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(فتح الباری: ج ا،ص ر ۴۱۴۔۴۱۵)

(۲۲) کبھی امام بخاریؒ باب کے تحت روایاتِ متخالفہ ذکر فرماتے ہیں اور اشارہ اس طرف ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔

(۲۳) کبھی امام بخاریؒ ترجمہ مقید لاتے ہیں اور روایت مطلق ہوتی ہے، مقصد اس طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے کہ روایت میں ترجمہ کی قید ملحوظ ہے، اس کا اطلاق مراد نہیں، مثلاً ترجمہ قائم کیا ہے "**باب الصفرة و الكدرة فی غیر أیام الحیض**" اس ترجمہ میں "**فی غیر أیام الحیض**" کی قید ہے، جبکہ روایت میں اطلاق ہے "**کنا لا نعد الکدرة و الصفرة شیئاً**" (صحیح بخاری: حدیث ر ۳۲۶) تو امام بخاریؒ نے اپنے ترجمے سے بتا دیا کہ زمانہ حیض میں زرد یا مٹیالا رنگ حیض شمار کیا جائے گا اور یہ جو روایت میں ہے کہ "ہم زردی کو اور مٹیالے رنگ کو حیض شمار نہیں کرتے تھے" یہ "غیر ایام حیض" یعنی طہر کی حالت آنے کے بعد کا واقعہ ہے، زمانہ حیض کا نہیں۔ (فتح الباری: ج را،ص ر ۴۲۶)

(۲۴) کبھی ترجمہ مطلق ہوتا ہے اور روایت مقید ہوتی ہے، اس میں امام بخاریؒ اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ روایت میں جو قید مذکور ہے وہ اتفاقی ہے، احترازی نہیں ہے،

اس لئے حکم مطلق ہوتا "باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء" (صحیح بخاری: ج ۱، ص ۱۴۹) یہ ترجمہ مطلق ہے اور اس کے ذیل میں جو روایت ذکر کی ہے اس میں "کان النبی ﷺ یجمع بین المغرب والعشاء إذا جدّبه السیر" مذکور ہے۔ اس میں جمع بین الصلوٰہ کے لئے "إذا جدّ به السیر" کی قید مذکور ہے، امام بخاریؒ نے ترجمہ مطلق لاکر اشارہ کر دیا ہے کہ جمع بین الصلوٰتین فی السفر مطلقاً جائز ہے اور "إذا جدّ به السیر" کی قید احترازی نہیں ہے۔ (فتح الباری: ج ۲، ص ۵۸۰)

(۲۵) کبھی ترجمہ خاص لاتے ہیں اور اس کے تحت روایت عام ہوتی ہے، اشارہ اس طرف ہوتا ہے کہ روایت کا عموم معتبر نہیں۔ (مقدمۂ فتح الباری ومقدمۂ لامع: ص ۳۱۷)

(۲۶) کبھی ترجمہ تو عام ہوتا ہے اور روایت خاص لاتے ہیں، یہاں اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ روایت کی خصوصیت ملحوظ نہیں، حکم عام ہے۔ (حوالۂ بالا)

(۲۷) کبھی ترجمہ شرط کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور اس کا جواب بھی ترجمہ میں موجود ہوتا ہے، جیسے "باب إذا وهب كل المسلم حربيًا في دار الحرب أو في دار الإسلام جاز" (صحیح بخاری: ج ۱، ص ۳۰۸) یہ ترجمہ تو واضح ہے، لیکن کبھی ترجمہ میں شرط کو ذکر کرتے ہیں اور اس کا جواب ترجمہ میں نہیں ہوتا، جیسے "باب إذا وهب هبة فقبضها الأخر ولم يقل: قبلت" (صحیح بخاری: ج ۱، ص ۳۵۴) یہاں جواب ترجمہ میں مذکور نہیں ہے بلکہ باب کی روایت سے جواب معلوم ہو رہا ہے کہ قبضہ کرنے سے ہبہ تام ہو جائے گا اگرچہ موہوب لہ نے "قبلت" نہ کہا ہو۔ (فتح الباری: ج ۵، ص ۲۲۳)

(۲۸) کبھی امام بخاریؒ ترجمہ شرطیہ لاتے ہیں اور جواب صحابی یا تابعی کے اثر سے بیان کر دیتے ہیں جیسے "باب إذا أقرضه إلى أجل مسمى" میں ترجمہ کے اندر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ذکر کر دیا جس سے تاجیل کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

(فتح الباری: ج ۵، ص ۶۶)

یہ تفصیل ان تراجم کی تھی جہاں امام بخاریؒ ترجمہ قائم کرنے کے بعد حدیث مُسند

پیش کرتے ہیں، جبکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بخاریؒ آیت کو ترجمہ بناتے ہیں اور پھر وہاں نہ حدیث مسند لاتے ہیں نہ معلق، وہ آیت خود دعویٰ بھی ہوتی ہے اور اس دعوے کے لئے دلیل بھی۔ (مقدمہ لامع: ص/ ۳۰۲)

(۲۹) کبھی ایسا کرتے ہیں کہ اپنی طرف سے ترجمہ لاتے ہیں اور اس کے ساتھ آیت یا حدیثِ معلق ذکر کرتے ہیں، ایسی صورت میں وہ آیت اور معلق حدیث اس ترجمہ کے لئے دلیل بنتی ہے۔ (مقدمہ لامع: ص/ ۳۲۹۔۳۳۰)

(۳۰) پوری صحیح بخاری میں نو مقامات ایسے بھی ہیں کہ امام بخاریؒ نے اپنے الفاظ میں ترجمہ قائم کیا ہے اور پھر نہ حدیث مسند کو ذکر کیا ہے، نہ حدیث معلق اور نہ ہی کوئی آیت پیش کی، بلکہ محض خالی ترجمہ ہے، ایسے مقامات کے متعلق کہا گیا ہے کہ آس پاس میں قریب یا بعید کوئی ایسی روایت ضرور ہوتی ہے جس سے وہ ترجمہ ثابت ہوسکتا ہے۔

(مقدمہ لامع: ص/ ۳۲۹۔۳۳۰)

(۳۱) عام طور پر امام بخاریؒ کے تراجم دعاوی ہوتے ہیں، اور احادیث مسندہ ان دعاوی کی دلیل ہوتی ہیں لیکن بخاری کے کچھ تراجم "تراجم شارحہ" بھی ہوتے ہیں وہاں دعویٰ اور اثبات دعویٰ بالدلیل کا سلسلہ نہیں ہوتا۔

(۳۲) ایک حدیث عام ہوتی ہے اور اس پر خاص ترجمہ قائم کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ اس عام سے خاص مراد ہے، یا روایت مطلق ہوتی ہے اور ترجمہ مقید لاتے ہیں اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ روایتِ مطلقہ میں ترجمہ والی قید ملحوظ ہے، کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے کہ روایت خاص ہوتی ہے اور اس پر ترجمہ عام قائم کرتے ہیں، یہ بتلانے کے لئے کہ روایت میں جس خصوصیت کا ذکر ہے وہ ملحوظ نہیں۔ کبھی روایت مقید ہوتی ہے اور ترجمہ معلق لاتے ہیں، یہاں پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ روایت میں جس قید کا ذکر کیا گیا ہے وہ ملحوظ نہیں ہے بلکہ وہ اتفاقی قید ہے، ایسے تراجم "تراجم شارحہ" کہلاتے ہیں، یہاں اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ ترجمہ کو روایت سے ثابت کیا جائے، لیکن عام طور پر تراجم بمنزلۃ الدعویٰ ہوتے

ہیں اور باب کی روایت دلیل ہوتی ہے، یہی طریقہ صحیح بخاری میں سب سے زیادہ ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کے اصول تراجم

(۱) امام بخاری حدیث مرفوع سے (جو ان کی شرط کے مطابق نہیں ہوتی) ترجمہ قائم کرتے ہیں، البتہ باب میں ایسی شاہد حدیث ذکر کرتے ہیں جو ان کی شرط کے مطابق ہو۔

(۲) اس مسئلہ سے ترجمہ قائم کرتے ہیں جو انھوں نے حدیث سے مستنبط کیا ہو، چاہے عبارت یا اشارہ عموم یا ایماء سے مستنبط ہو۔

(۳) اس مسئلہ کو ترجمہ بناتے ہیں جو ان سے پہلے کسی محدث وفقیہ نے ذکر کیا ہو اور باب میں وہ روایت لاتے ہیں جو دلالۃً اس کی شاہد ہو اور فی الجملہ اس قول کو غیر قطعی طور پر ترجیح دیتا ہو تو باب من قال کذا سے اس کو ذکر کرتے ہیں۔

(۴) اس مسئلہ کو ترجمہ بناتے ہیں جس میں احادیث مختلف آئی ہو تو روایات کو بعد والے فقہاء کے لئے مسئلہ کی حقیقت واضح کرنے کے لئے ذکر کرتے ہیں، مثال کے طور پر باب خروج الناس الی براز میں دو مختلف روایت جمع کی۔

(۵) تعارض ادلہ کی صورت میں امام بخاری کے نزدیک تطبیق کی وجہ ہوتی ہے تو اس کی طرف ترجمہ میں اشارہ کرکے دونوں کے محل کو سمجھا دیتے ہیں۔

(۶) ایک باب میں بہت سی احادیث ذکر کرتے ہیں جو سب ترجمہ پر دلالت کرتی ہیں، پھر امام کو ایک حدیث میں ترجمہ کے علاوہ دوسرے فوائد بھی نظر آتے ہیں تو تنبیہ یا فائدہ کے طور پر دوسرا باب ذکر کرکے اس روایت کے دوسرے فوائد کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں، دوسرے باب کے قائم کرنے سے کوئی یہ سمجھ لے کہ پہلے باب کے تمام فوائد ذکر کردیئے گئے ہیں اور اب نئے باب میں دوسرے مسئلہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۷) محدثین بھذا الاسناد سے دو حدیثوں کی ایک ہی سند ذکر کرتے ہیں جیسے کہ ایک حدیث دو سندوں سے آئے تو تحویل کے لئے ''ح'' استعمال کرتے ہیں، امام بخاریؒ بھذا الاسناد کی جگہ بھی لفظ ''باب'' ذکر کرتے ہیں۔

(۸) کبھی کچھ علماء کے مذہب کے مطابق مسئلہ سے یا ایسی حدیث سے جو امام بخاری کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ ترجمہ قائم کرتے ہیں، پھر ایسی روایت استدلال کے طور پر لاتے ہیں جو اس مذہب کے خلاف پر دلالت کرتی ہو؛ چاہے یہ مسئلہ حدیث کے عموم سے یا اور کسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے۔

(۹) بہت سے تراجم میں اہل سیر کے طور طریقہ کے مطابق واقعات اور احوال کی خصوصیات ذکر کرتے ہیں، اس سے حدیث شریف کے طرق کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس فن سے ممارست نہ رکھنے والے فقہاء کبھی تعجب کرتے ہیں؛ لیکن اہل سیر ان خصوصیات کو خوب اچھی طرح جان لیتے ہیں۔

(۱۰) مطلوبہ مسئلہ میں طالب حدیث کا امتحان تمرن مقصود ہوتا ہے۔

(۱۱) کبھی ایسی روایت ذکر کرتے ہیں جو خود تو ترجمہ پر بالکل دلالت نہیں کرتی ہے؛ لیکن اس کے مختلف طرق میں سے بعض میں اشارۃً یا عموماً دلالت ہوتی ہے تو امام بخاری اس روایت کو ذکر کر کے اس کے ان طرق کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو ترجمہ کو ثابت کرتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس ترجمہ کی تائید کرنے والی صحیح اصل دلیل موجود ہے۔ اس قسم کے تراجم سے ماہر اہل فن ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

(۱۲) بہت سی مرتبہ ترجمہ میں ایسی ظاہری عبارت ذکر کرتے ہیں جو کم فائدہ معلوم ہوتی ہے، لیکن جب اس میں غور وفکر کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی مخفی مسئلہ کی طرف غماز ہے یا کسی کے رد میں یا کسی کی تائید میں وہ عبارت ہوتی ہے، اس کا پتہ اس مسئلہ کے جزئیات اور اختلافات جاننے سے ہوتا ہے، جیسے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری کے اکثر تراجم مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ کے رد میں لکھے گئے ہیں، اس کا پتہ ان کی کتابوں کی غور وفکر کے ساتھ مراجعت کرنے سے ہوسکتا ہے۔

تراجم کی قسمیں

پھر تراجم کی دو قسمیں ہیں: (۱) تراجم ظاہرہ (۲) تراجمہ خفیہ

تراجمہ ظاہرہ میں ترجمۃ الباب اور حدیث باب میں مطابقت آسان ہوتی ہے، وہاں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔

البتہ تراجم خفیہ میں تطبیق مشکل ہوتی ہے اور امام بخاریؒ نے ترجمہ کو ثابت کرنے کے لئے کسی ایک طریقہ کی پابندی نہیں کی۔ کبھی وہ ایک طریقہ اختیار کرتے ہیں اور کبھی کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہیں:

(۱) کبھی وہ ایسا کرتے ہیں کہ ترجمہ قائم کیا اور اس کے ذیل میں روایت نقل کی، لیکن ترجمہ کا ثبوت کسی دوسری روایت سے ہوتا ہے جو بخاری میں دوسرے مقام پر مذکور ہے۔

مثلاً کتاب العلم میں ترجمۃ الباب ہے "باب السمر فی العلم" اور جو روایت نقل کی ہے اس میں "السمر فی العلم" کا ذکر نہیں ہے، البتہ کتاب التفسیر میں یہی روایت ذکر فرمائی اور اس میں "فتحدث رسول اللہ مع أهله ساعة" کے الفاظ ذکر کئے۔ (صحیح البخاری، رقم ۴۵۶۹) گویا ترجمہ کتاب العلم میں ہے اور اس کا ثبوت کتاب التفسیر سے ہو رہا ہے۔

(فتح الباری: ج ۱، ص ۲۱۳)

اسی طرح کتاب العلم کا ایک ترجمہ "باب الفتیا وهو واقف علی الدابه وغیرها" ہے، یہاں جو روایت ذکر کی ہے اس میں "وقوف علی الدابة" کا ذکر نہیں ہے، لیکن کتاب الحج میں بھی روایت مذکور ہے اور وہاں "وقف رسول اللہ ﷺ علی ناقته" (صحیح بخاری، رقم ۱۷۲۸) کے الفاظ موجود ہیں، گویا ترجمہ کتاب الحج کی روایت سے ثابت ہو رہا ہے۔ (فتح الباری، ج ۱، ص ۱۸۱)

اسی طرح پیچھے آچکا ہے کہ امام بخاریؒ نے ابواب الصلوٰۃ میں "باب التقاضی والملازمة فی المسجد" کا ترجمہ قائم کیا اور اس کے ذیل میں جو روایت نقل کی اس میں "تقاضی" کا تو ذکر ہے لیکن "ملازمۃ" کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن جب کتاب الخصومات میں یہ روایت ذکر کی تو وہاں "فلقیه فلزمه" کے الفاظ ہیں، اس طرح یہ ترجمہ بخاری میں

مذکور روایت سے ثابت ہوا جس کو یہاں کے بجائے دوسری جگہ ذکر کیا ہے۔ (اصل:۱۷)

(۲) اسی طرح امام بخاریؒ کبھی ترجمہ قائم کر کے اس کو ثابت کرنے کے لئے کسی ایسی روایت پر اعتماد کرتے ہیں جو بخاری میں مذکور نہیں؛ چنانچہ اس کی مثال پیچھے گذر چکی ہے کہ امام بخاریؒ نے ترجمہ قائم کیا ہے: "**باب ذلک المرأة نفسها إذا تطهرت من المحيض**" اور باب کے تحت جو روایت نقل کی ہے اس میں "**ذلک**" کا ذکر ہے؛ لہٰذا کہا جائے گا کہ یہاں اثبات مدعا کے لئے ایسی روایت پر اعتماد کیا گیا ہے، جو صحیح بخاری میں موجود نہیں۔ (اصل ۱۷، شق (ج)

(۳) کبھی امام بخاریؒ روایت کے اجمال سے ترجمہ ثابت کرتے ہیں، چنانچہ کتاب الوضوء میں ایک ترجمہ ہے: "**باب وضوء الرجل مع امرأته وفضل وضوء المرأة**" اور اس کے ذیل میں امام بخاریؒ نے اثر نقل کیا ہے "**وتوضأ عمر بالحميم ومن بيت نصرانية**" اس سے امام بخاریؒ یوں استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے گرم پانی سے وضو کیا اور پانی عموماً عورتیں گرم کیا کرتی ہیں اور گرم کرتے وقت وہ کئی مرتبہ پانی میں ہاتھ ڈال کر دیکھتی ہیں کہ وہ کتنا گرم ہو گیا۔ یہاں حضرت عمرؓ نے گرم پانی وضو میں استعمال کیا اور کوئی تفصیل معلوم نہیں کی کہ عورت کا گرم کیا ہوا پانی ہے یا مرد کا، اور اگر عورت کا گرم کیا ہوا ہے تو اس نے اس میں ہاتھ ڈالا تھا یا نہیں، بس گرم پانی وضو میں استعمال کیا اور حقیقت کو مجمل رہنے دیا، اس سے امام بخاریؒ نے ثابت کیا کہ اگر مرد اور عورت ایک ساتھ وضوء کریں اور عورت کا ہاتھ مرد کے وضو کے پانی میں داخل ہو تو کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح "**ومن بيت نصرانية**" کا جملہ ہے، اس میں عقلاً دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ گرم پانی اسی نصرانیہ کے گھر کا ہو اور عبارت یوں ہو "**وتوضأ عمر بالحميم من بيت نصرانية**" جیسا کہ ایک نسخہ میں اسی طرح بغیر واو کے آیا ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ "**وضوء بالحميم**" کا واقعہ اور ہو اور "**وضوء من بيت نصرانية**" کا واقعہ دوسرا ہو، جیسا کہ حقیقت واقعہ یہی ہے۔ (فتح الباری: ج ۱، ص ۲۹۹) اگر ایک ہی واقعہ ہے تو اس کی

بحث گذر چکی اور اگر یہ واقعہ علیحدہ ہے تو استدلال کی تقریر یوں ہوگی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصرانیہ کے گھر سے پانی لے کر وضو کیا اور یہ تفصیل دریافت نہیں کی کہ وہ پانی نصرانیہ کے استعمال سے بچا ہوا تو نہیں ہے، حالانکہ وہاں دونوں صورتوں کا احتمال ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس نصرانیہ کے استعمال سے بچا ہوا پانی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ علیحدہ پانی ہو، استعمال سے بچا ہوا نہ ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تفصیل میں نہیں گئے، اس سے امام بخاریؒ نے استدلال کیا اور اجمال سے اپنے ترجمہ کو ثابت کر دیا۔ (فتح الباری: ج/۱، ص/۲۹۹)

(۴) کبھی امام بخاریؒ ایک باب کے تحت کئی روایتیں ذکر کرتے ہیں، ہر ہر روایت سے ترجمہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ کوئی ایک روایت ترجمہ کے مطابق ہوتی ہے، ایسے موقع پر کہا جاتا ہے کہ بخاریؒ نے اپنا ترجمہ ان روایات کے مجموعہ سے ثابت کیا ہے "باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ" کے تحت چھ روایتیں ذکر کی ہیں، جب کہ تیسری روایت کے علاوہ کسی حدیث میں بدء الوحی کا ذکر نہیں ہے۔ یہاں ایک توجیہ یہ بھی کی جاتی ہے کہ بخاریؒ نے مجموعۂ روایات سے ترجمے کو ثابت کیا ہے، ہر ایک روایت کا ترجمہ منطبق ہونا ضروری نہیں ہے۔ (لامع الدراری ج/۱، ص/۴۸۹)

(۵) کبھی امام بخاریؒ روایت کے عموم سے ترجمہ ثابت کرتے ہیں، چنانچہ انھوں نے باب قائم کیا: "باب التیمن فی دخول المسجد" (صحیح بخاری: ج/۱، ص/۶۱) اور اس کے تحت حضرت عائشہؓ کی روایت ذکر کی، جس میں ہے "کان النبی ﷺ یحب التیمن ما استطاع فی شأنه کله" روایت کے اندر تیمّن کے استحباب میں عموم ہے، امام بخاریؒ نے روایت کے عموم سے تیمن فی دخول المسجد کو ثابت کر دیا۔

(۶) کبھی امام بخاریؒ معنیٔ لغوی و اصلی کو پیش نظر رکھ کر ترجمہ ثابت کرتے ہیں جیسے: "کتاب الصلوٰۃ" میں ترجمہ ہے "باب ما یذکر فی الفخذ" (اخرجہ البخاری تعلیقاً) امام بخاریؒ فخذ کے غیر عورت ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت کو پیش کیا ہے "وفخذہ علی فخذي" اور فخذ کے معنی اصلی اور لغوی کو

پیش نظر رکھ کر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ فخذ ''ستر'' ہوتی تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی فخذ کو آپ پر نہ رکھتے کیوں کہ اپنی ''ستر'' کو دوسرے کی ''ستر'' پر رکھنا جائز نہیں۔

یہاں پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ وضع فخذ بغیر حائل کے نہیں تھا جو ناجائز ہے بلکہ حائل کے ساتھ تھا، ایک آپ کی ازار اور قمیص اور پھر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ازار اور قمیص بیچ میں حائل تھی، لیکن امام بخاریؒ نے ان سے قطع نظر کرتے ہوئے فخذ کے لغوی معنی کا اعتبار کیا اور اس سے استدلال کرلیا۔ (فتح الباری: ج ۱، ص ۴۷۹)

(۷) کبھی امام بخاریؒ بطریق الاولویہ ترجمہ ثابت کرتے ہیں، جیسے ''باب البول قاعداً و قائماً'' میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے ''أن النبی ﷺ أتی سباطة قوم فبال قائماً'' (صحیح بخاری: ج ۱، ص ۳۵) روایت میں ''بول قاعداً'' کا ذکر نہیں ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اس کو بطریق الاولویہ ثابت کیا ہے؛ کیوں کہ بول قائما میں بدن اور ثیاب پر چھینٹے پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے اور آپ کے فعل سے اس کا جواز معلوم ہورہا ہے تو ''بول قاعداً'' جس میں یہ اندیشہ بھی نہیں اور اس میں ستر بھی زیادہ ہے، بطریق اولی جائز ہوگا۔ (مقدمہ لامع: ص ۳۲۰)

اسی طرح امام بخاریؒ نے ایک ترجمہ قائم کیا ''باب التیمن فی الوضوء والغسل'' اور اس کے تحت حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی صاحبزادی کے غسل کے سلسلہ میں جب ان کا انتقال ہوا تھا، فرمایا تھا ''وابدأن بمیامنها ومواضع الوضوء منها'' (صحیح البخاری: ج ۱، ص ۲۸-۲۹) یہاں اشکال ہوتا ہے کہ امام صاحب اس باب میں حی (زندہ) کے لئے تیمن فی الوضوء والغسل کو بیان کر رہے تھے اور روایت میں تو میت کے وضوء اور غسل کا ذکر ہے، اس کا جواب یہی ہے کہ امام بخاریؒ نے بطریق اولویہ استدلال کیا ہے کہ میت کے لئے یہ حکم ہے تو حی کے لئے بطریق اول ہوگا۔ (رسالہ شرح تراجم ابواب البخاری: ص ۱۶، ہدی الساری: ص ۴۸۹، سیر اعلام النبلاء: ج ۱۲، ص ۴۰۲)

اصول شیخ الہند

(۸) مؤلف رحمہ اللہ بسا اوقات جملۂ مذکورہ فی الحدیث کو یا کسی قول اور عبارت کو ترجمہ بناتے ہیں مگر اس کا مدلول صریحی مطابقی مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مدلول التزامی اور ثابت بالاشارہ مؤلف کو مقصود ہوتا ہے، اس لئے جو دلیل بیان کریں گے اس غرض مخفی کے مطابق ہوگی، ظاہر ترجمہ کے مطابق ہونا کچھ ضروری نہیں، جو ظاہر ترجمہ کو مقصود سمجھے گا اس کو بہت وقت تکلف کے بعد بھی قابل قبول تطبیق دینا میسر نہ ہوگا، دیکھ لیجئے مؤلف نے شروع کتاب ہی میں "باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ" فرمایا اور اس کے بعد چھ حدیثیں اس باب میں ذکر فرمائیں، بعض میں تو وحی کا بھی ذکر نہیں اور بدء وحی سے تو اکثر خالی ہیں، صرف ایک حدیث حراء میں ابتداء وحی کا ذکر ہے، اس لئے بعض حضرات نے تو صاف فرمایا: "ان کثیراً من أحادیث الباب لا یتعلق الا بالوحی لا بدء الوحی فکیف جعل الترجمة باب بدء الوحی۔" اور اکثر حضرات نے تاویلات مختلفہ فرما کر مطابقت میں عرق ریزی کی جو شروح میں بالتفصیل موجود ہیں، مگر انصاف یہ ہے کہ کسی محقق کا عمل قابل تسکین مؤلف رحمہ اللہ کی شان کے موافق نظر نہیں آتا جس کی وجہ سے تمام احادیث کا بے تردد ترجمہ کے مطابق ہونا دل نشیں ہو جائے۔

مگر احادیث مذکورہ فی الباب میں غور کرنے سے اور حضرت شاہ صاحب وغیرہ کے بعض ارشادات سے یہ معلوم ہوا کہ مؤلف کی غرض اصلی بدء وحی کا بیان کرنا نہیں بلکہ وحی کی عظمت اور اس کا خطا و غلط و سہو سے منزہ ہونا اور واجب الاتباع اور واجب التسلیم ہونا بتلانا منظور ہے جو ابتداء کتاب میں مفید اور مناسب ہے اور وحی متلو اور غیر متلو دونوں کو شامل ہے، اور مبداء بھی عام ہے، زمان ہو یا مکان، یا اخلاق ہوں یا حالات، غرض وحی کے جملہ مبادی مراد ہیں، اب اس کے بعد جملہ احادیث اور ترجمہ میں مطابقت بلا تکلف نظر آتی ہے، بالجملہ غرضِ مؤلف کا سمجھنا اہم اور ضروری ہے، بہت مواقع میں مفید اور کارآمد ہے۔

(۹) یہ امر مسلم ہے کہ مؤلف کی تکرار کے یہ معنی ہیں کہ مطلوب اور غرض دونوں جگہ

ایک ہو، یہ مطلب نہیں کہ الفاظ ایک ہوں، دیکھئے کتاب العلم میں باب فضل العلم دو جگہ موجود ہے، اس کے متعلق جملہ حضرات اکابر یہی فرماتے ہیں کہ فضل سے ایک جگہ جو مراد ہے دوسری جگہ وہ مراد نہیں اس لئے تکرار نہیں ہوا، لیکن یہ ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جہاں غرض ایک ہوگی وہاں ایک دو لفظ کے بدل جانے سے تکرار زائل نہ ہوگا تاوقتیکہ مطلوب دوسرا نہ ہوگا، اعتراض تکرار باقی رہے گا، صرف لفظوں کا تغیر مفید نہ ہوگا، مثلاً شروع کتاب میں "باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ" فرمایا اور کتاب فضائل القرآن میں جاکر "باب کیف نزول الوحی و أول ما نزل" فرمایا تو صرف بعض الفاظ کے تغیر سے کچھ نہ ہوگا، بلکہ ضروری ہے کہ ہر ایک ترجمہ کی غرض اور مقصود کو جدا جدا کر کے بتلایا جائے۔

(۱۰) یہ ظاہر ہے کہ ترجمۃ الباب مدعا اور حدیث اس کے لئے دلیل ہوتی ہے مگر مؤلف رحمہ اللہ نے متعدد باب میں ایسا کیا ہے کہ ترجمہ میں کوئی قید یا کسی امر کی تفصیل ایسی بڑھا دی ہے جس کا حدیث باب میں پتہ نہیں تو وہاں عدم تطبیق کا خلجان ضرور دقت میں ڈالتا ہے کہ اس دلیل مطلق یا مجمل سے مقید یا مفصل مدعا کیسے ثابت ہوگیا بجز اس کے کہ مؤلف پر عدم تطبیق کا اعتراض کیا جائے یا تکلف کر کے لاچار کوئی تاویل تلاش کی جائے اور کیا ہوسکتا ہے، چنانچہ شروع میں اس کے نظائر موجود ہیں مگر حقیقت الامر جیسا کہ محقق علامہ سندھیؒ نے بیان فرمایا ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ کے جملہ تراجم اس میں منحصر نہیں کہ حدیث باب ان کے لئے دلیل ہو بلکہ بعض تراجم ایسے بھی ہیں کہ ان کو حدیث باب کے لئے شرح اور بیان کہنا چاہئے، چونکہ حدیث مذکور میں کوئی اجمال یا اطلاق ایسا تھا کہ جس سے مغالطہ کا احتمال تھا، تو مؤلف نے اور احادیث و دلائل سے اس اطلاق کو ترجمہ میں زائل فرما کر حدیث کا مطلب تحقیقی ظاہر فرمادیا، یا یوں کہو کہ ادلہ چونکہ متعارض نظر آئیں تو مؤلف نے اس کی تطبیق کی ضرورت سے ترجمہ میں قید زائد فرمائی، مثلاً ابواب الحیض میں "باب الصفرة والکدرة فی غیر أیام الحیض" منعقد فرما کر حدیث ام عطیہ "لا نعد الکدرة والصفرة شیئا"

ذکر فرمائی جس میں مؤلف نے اور احادیث و دلائل کی وجہ سے یہ قید بڑھا کر مطلب صحیح اور واقعی بتلادیا۔ فللّٰہ درہ ثم للّٰہ درہ۔

(۱۱) بسا اوقات ترجمہ کے لئے ایک معنی ظاہر ہوتے ہیں اور دوسرے معنی غیر ظاہر، ایسے مواقع میں اکثر حضرات ناظرین مجرد نظر معنی ظاہری متعین فرمالیتے ہیں اور مؤلف رحمہ اللہ کی مراد اور دوسرے معنی ہیں، اس لئے احادیث باب کا انطباق دشوار ہوجاتا ہے، جس کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو اوپر مذکور ہوا، اکثر مؤلف عدم انطباق کا شبہ کرتے ہیں اور بعض تاویلات بعیدہ سے تطابق میں جدوجہد فرماتے ہیں، مثلاً "باب مایقول بعد التکبیر" میں تین حدیثیں بیان فرمائی جن میں ایک روایت صلوٰۃ کسوف کی ہے اور ترجمہ سے اس کا تعلق معلوم نہیں ہوتا، اس لئے بعض شارحین نے تو تاویلات سے مطابقت میں سعی فرمائی اور بعض محققین نے ان تاویلات کو رد کردیا اور قابل قبول نہیں سمجھا لیکن اس دشواری کا منشاء صرف یہ امر ہے کہ ترجمہ کے معنی حسب الظاہر یہ لئے گئے کہ تعیین دعاء مؤلف کی مراد ہے حالانکہ احادیث باب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کی مراد توسع فی الدعاء ہے یعنی دعا میں توسع ہے؛ پڑھو یا مت پڑھو، متصلاً پڑھو یا منفصلاً پڑھو اور جو دعا چاہو پڑھو، اب تینوں حدیثیں ترجمہ کے موافق ہیں، علی ہٰذا القیاس ۔دفعہ (۹) میں یہ گذر چکا ہے کہ باب فضل العلم دو جگہ مذکور ہے مگر چونکہ فضل العلم کے دو معنی ہیں، ایک ظاہر دوسرے غیر ظاہر، مؤلف رحمہ اللہ نے اول باعتبار اول اور ثانی باعتبار ثانی فضل العلم کو ترجمہ بنایا، مگر جو کوئی دونوں جگہ معنی ظاہر ہی مراد لے گا تو وہ ضرور تکرار ترجمہ کا اعتراض مؤلف پر کرے گا جو حقیقت میں اس پر اعتراض ہے مؤلف پر نہیں۔

(۱۲) کبھی یہ ہوتا ہے کہ ترجمہ کے معنی مؤلف کے نزدیک بھی وہی مراد ہوتے ہیں جو کہ بحسب الظاہر ہم نے سمجھے لیکن تطبیق حدیث میں کوئی دشواری اور دقت ہوتی ہے، جس سے ہم غافل ہیں اور اس غفلت کے باعث دقت پر اعتراض کیا جاتا ہے یا تکلفات غیر مقبولہ کی نوبت آتی ہے مثلاً: "باب مایذکر فی الفخذ" منعقد فرما کر فخذ کی عورت ہونے

کی اور عورت نہ ہونے کے دلائل ذکر فرمائے اور عورت نہ ہونے کے دلائل میں زید بن ثابت کا ارشاد "وفخذہ علیٰ فخذی" بھی ذکر کیا گیا مگر اس سے ثبوت مدعا بالکل غیر ظاہر ہے جو حضرات اصل بات سمجھ گئے انھوں نے بے تکلف تطبیق کی وجہ ظاہر کر دی، بعضوں نے محض تکلف سے کام لیا۔

(۱۳) بعض مواقع میں مؤلف رحمہ اللہ حدیث ذکر کرتے ہیں جس میں ترجمہ کی نسبت کچھ مذکور نہیں ہوتا مگر کسی دوسرے باب میں جا کر اسی حدیث کو لاتے ہیں اس میں صریح ایسا لفظ موجود ہوتا ہے کہ جو سابق الذکر ترجمہ کے مطابق ہوتا ہے جو اس سے بے خبر ہوتا ہے بمجبوری تکلفات بارده کی نوبت آتی ہے، اوائل کتاب میں مؤلف نے "باب السمر فی العلم" کے ذیل میں حضرت ابن عباد کی روایت "بت فی بیت خالتی میمونة" نقل فرمائی ہے، اس میں سمر کا ذکر نہیں، شراح رحمہم اللہ نے مجبور ہو کر تاویلات نکالی مگر سب بعید، محقق ابن حجر رحمہ اللہ نے غور و تلاش کے بعد دور جا کر کتاب التفسیر میں ایک روایت ایسی نکالی جس میں "فتحدث رسول اللہ ﷺ مع أهله ساعة ثم رقد" صاف موجود ہے "وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَجَزَاهُ خَيْرًا"۔

اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ جس حدیث میں لفظ مطابق ترجمہ مذکور ہے وہ مؤلف رحمہ اللہ کی شرائط کے مطابق نہیں گو صحیح اور معتبر ہے، اس لئے مؤلف تمام کتاب میں اس کا ذکر نہیں کرتے، اس کا پتہ وہی چلا سکتا ہے جو کتب حدیث کا تتبع کرے اور طریقۂ تاویل سے جو ظاہر سہل اور مختصر نظر آتا ہے اس سے بچنے کی کوشش کرے، ہمارے تمام معروضات سے جو ہم نے یہاں تک عرض کئے اور ان کے علاوہ امور کثیرہ سے جگہ جگہ بالبداہت معلوم ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین فی الحدیث رحمہ اللہ کا مطمح نظر یہ ہے کہ جیسے میں نے اس کی تالیف اور تنقیح میں سالہا سال جدوجہد کی ہے اسی طرح علماء بھی اپنی اپنی وسعت کے موافق اس کے سمجھنے اور حل کرنے میں پوری پوری توجہ مبذول کریں، انہیں وجوہ سے علماء نے فرمایا کہ خواص کے لئے صحیح بخاری سب سے انفع ہے اور باوجود طوالت و مشکلات کے اکابر علماء نے

جس قدر توجہ اس مبارک کتاب کی خدمت کی طرف مصروف فرمائی وہ بے نظیر ہے، فجزاہ اللہ وایاھم عنا أحسن الجزاء۔

(۱۴) مؤلف رحمہ اللہ اکثر مواقع میں ترجمۃ الباب کے ساتھ آثار صحابہ اور اقوال تابعین بھی قبل ذکر الحدیث نقل کر دیتے ہیں، سو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ وہ آثار ترجمہ کے لئے دلیل ہوں اور یہ ظاہر ہے، دوسری یہ کہ آثار دلیل تو نہیں ہیں مگر صرف ادنیٰ مناسبت سے بغرض تکثیر فائدہ ذکر کر دیئے جاتے ہیں: الشیء بالشیء یذکر، اکثر علماء ان کو دلائل میں منحصر سمجھ کر جگہ جگہ تکلفات بارد کرتے ہیں یا مؤلف پر بحالت مجبوری اعتراضات کی نوبت آتی ہے صرح بہ العلامۃ السندھی وغیرہ۔

(۱۵) بعض مواقع میں مؤلف رحمہ اللہ ایک مدعا کو مکرر تراجم اور ابواب میں ثابت فرماتے ہیں اور اس کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً ان میں اجمال ہوتا ہے، دوسرے باب میں تشریح کر دیتے ہیں، کبھی اول میں حدیث مسند کے ماسوا کسی دلیل سے ثابت کر جاتے ہیں، دوسرے باب میں حدیث مسند سے ثابت کر دیتے ہیں، کبھی تراجم میں تعدد ہوتا ہے مگر مدعا اُن سے ایک ہوتا ہے، کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ ترجمہ کے لئے جو حدیث لاتے ہیں اس سے ثبوت مدعا میں کوئی کوتاہی یا کمی نظر آتی ہے، اس کے بعد دوسرے باب میں جو حدیث لاتے ہیں اس سے کوتاہی اور سابق کمی کی بھی مکافات ہو جاتی ہے، کبھی ایک ترجمہ کے اثبات کے لئے حدیث مسند بیان کرتے ہیں، جس سے اس ترجمہ کے علاوہ دوسرا ترجمہ مناسب مقام بھی ثابت ہوتا ہو، اس کے بعد اس دوسرے ترجمہ کو منعقد فرما کر حدیث نہیں ذکر کرتے، پہلی حدیث پر بس کرتے ہیں، جو غور نہیں کرتا وہ کہتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کسی وجہ سے حدیث نہیں لا سکے حالانکہ بخاریؒ پہلے ہی فارغ ہو چکے ہیں۔ (کما فعلناہ فی التراجم المجردۃ)۔

کبھی ترجمہ میں چند امور مذکور ہوتے ہیں مگر حدیث میں صرف بعض کا ذکر ہوتا ہے تو ایسی حالت میں کہیں تو ترجمہ کے ذیل میں آثار و اقوال سے اس کی مکافات کر جاتے

ہیں، اور کبھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ قیاس پر حوالہ منظور ہوتا ہے، بہت سے مواقع میں ترجمہ میں ایک لفظ مجمل ومبہم ایسا لاتے ہیں کہ شراح بھی اس کی تعین وتفصیل میں مختلف ہوجاتے ہیں، ایسی صورت میں وہ احتمال راجح ہونا چاہئے جو مناسب مقام زیادہ ہو اور جس مؤلف پر کوئی خدشہ عائد نہ ہو، اگر دونوں مساوی ہوں تو ہم سمجھیں گے کہ مؤلف کی مراد دونوں ہیں اور اسی لئے ایسا لفظ اختیار کیا ہے۔

(۱۶) بہت جگہ ایسے ترجمے نظر آتے ہیں کہ جن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، سو اس کی چند وجوہ ہیں: ایک یہ کہ کسی قول قائل کے رد کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق کے کسی قول کی تردید کی طرف مؤلف نے بہت سی جگہ اشارہ کیا ہے، جس کا پتہ ان کتابوں کے تفحص سے معلوم ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ بعض مواقع میں کسی خدشہ کا احتمال ہوتا ہے، یا کسی روایت کے تخالف اور تضاد کی طرف وہم جاتا ہے، اس کے انسداد کے لئے مؤلف ایسا کرتے ہیں، تیسرے یہ کہ جواز اباحت کے بیان کرنے کی گو حاجت نہ ہو مگر سنیت و استحباب کا اثبات منظور ہو جو قول وفعل شارع پر موقوف ہے اور حکم قیاسی اور مستنبط کو منصوص کردینا کتنا انفع اور اہم ہے۔

(۱۷) کبھی مؤلف رحمہ اللہ ایک ترجمہ منعقد کرتے ہیں جو ان کو مقصود ہے مگر روایات میں بعینہٖ اس کی دلیل نہیں ملتی یا دلیل میں قلت اور تنگی ہے یا کوئی خلجان ہے، اس لئے ترجمہ کے بعد اس کے دوسرا ترجمہ بیان کردیتے ہیں جس کے دلائل بعینہٖ صریح موجود ہیں اور ترجمہ ثانی کے مطابق روایت ذکر کرتے ہیں اور مقصود اس روایت سے ترجمہ اولیٰ کا اثبات ہوتا ہے، جو مقصود ہے، ترجمہ ثانی صرف استدلال میں وسعت اور سہولت پیدا کرنے کے لئے لاتے ہیں۔

(۱۸) کبھی ترجمہ میں دو امر مذکور ہوتے ہیں لیکن حدیث صرف ایک جزء کے متعلق مذکور ہوتی ہے جس کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ ایک جزء بلا ثبوت رہ گیا مگر مقصود مؤلف چونکہ

جزء واحد ہے، دوسرا جزء مسلم اور ظاہر ہے، فقط تبعاً یا احتیاطاً بیان کر دیا ہے، اس لئے اس کے متعلق حدیث بیان کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔

(۱۹) کبھی ترجمہ کے بعد اس کے مطابق حدیث بیان کر کے دوسری روایت ایسی بیان کر جاتے ہیں جس کا تطابق ترجمہ سے ظاہر نہیں ہوتا؛ سو اس کی یہ وجہ ہے کہ حدیث اول میں کوئی امر قابل بیان ہوتا ہے اس کی تکمیل کی ضرورت سے حدیث ثانی لاتے ہیں، اثبات ترجمہ کے لئے نہیں لاتے بلکہ بعض اوقات کسی ضرورت سے حدیث ثانی مخالف ترجمہ بیان کر جاتے ہیں۔

(۲۰) اکثر واقعہ میں ترجمہ کا حکم مذکور نہیں ہوتا، ترجمہ کو مطلق ذکر کرتے ہیں، سو اکثر مقام میں اس کو بے تکلف ناظرین سمجھ لیتے ہیں مگر بعض مواقع میں علماء میں اختلاف پیش آجاتا ہے، کبھی اس کی وجہ سے مؤلف پر عدم تطابق حدیث کے الزام کی نوبت آتی ہے، ایسی صورت میں مناسب یہی ہے کہ روایات میں غور کرنے کے بعد ترجمہ میں اطلاق یا تقیید جو اولیٰ ہو اس کو قائم رکھا جائے اور قید میں بھی موافقت احادیث ملحوظ رہے۔

باب بلا ترجمہ:

امام بخاریؒ کئی جگہ باب بلا ترجمہ لاتے ہیں، صرف ''باب'' ہوتا ہے ترجمہ نہیں ہوتا اور اس کے ذیل میں مسند روایت پیش کرتے ہیں، اس سلسلہ میں حضرات شراح نے مختلف توجیہات کی ہیں:

(۱) امام بخاریؒ کو سہو ہو گیا اس وجہ سے امام بخاریؒ ترجمہ قائم نہ کر سکے۔

(۲) مصنف کو سہو نہیں ہوا بلکہ کاتب کو سہو ہو گیا ہے یعنی مصنف کا قائم کیا ہوا ترجمہ کاتب سے سہواً چھوٹ گیا۔

(۳) بعض حضرات کہتے ہیں کہ راوی کا تصرف ہے۔ (شرح کرمانی: ج ۱، ص ۱۰۳)

(۴) حافظ ابن حجرؒ نے بعض مقامات میں یہ کہا ہے کہ مصنفؒ نے قصداً بیاض چھوڑی تھی، ترجمہ قائم کرنے کا ارادہ تھا لیکن بعد میں موقعہ نہیں ملا۔

لیکن جوابات درست نہیں کیوں کہ تکمیل کتاب کے بعد تقریباً تیس سال امام بخاریؒ نے اس کتاب کا درس دیا ہے اور تقریباً نوے ہزار شاگردوں نے امام سے اس کو پڑھا ہے پھر امام بخاریؒ یا کاتب کے سہو کے برقرار رہنے کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے، یا موقعہ نہ ملنے کا عذر کیسے قابل سماعت ہوسکتا ہے۔ پھر دو چار جگہ اگر باب بلاترجمہ ہوتا تب بھی سہو مؤلف یا سہو کاتب کی گنجائش ہوسکتی تھی، یہاں تو بہت سے ابواب صحیح بخاری میں بلاترجمہ ہیں۔

(۵) علامہ کرمانی (شرح کرمانی: ج/۱،ص/۱۰۳) حافظ ابن حجر (فتح الباری: ج/۱، ص ۶۴)، علامہ عینی (عمدۃ القاری: ج/۱،ص/۱۵۲)، قسطلانی (ارشاد الساری: ج/۱،ص/۱۹۹)، ابن رشید (مقدمہ لامع: ص/۳۲۲)، شیخ نور الحق (تیسیر القاری: ج/۱،ص/۲۰-۲۱) اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (رسالہ شرح تراجم ابواب البخاری: ص/۲۲) نے عموماً ''باب بلا ترجمہ'' کو **کالفصل من الباب السابق** قرار دیا ہے، یعنی امام بخاریؒ باب بلاترجمہ میں ایسی روایت لاتے ہیں جو من وجہ باب سابق سے بھی متعلق ہوتی ہے اور من وجہ مستقل بھی ہوتی ہے، اس لئے یہ باب، سابق باب کے لئے فصل کی طرح ہوتا ہے۔

(۶) کبھی امام بخاریؒ باب سابق سے پیدا شدہ اشکال کو رفع کرنے کے لئے باب بلاترجمہ لاتے ہیں۔ (تقریر بخاری: ج/۱،ص/۱۲۶)

(۷) یہ باب بلاترجمہ تکثیر فوائد کے لئے ہوتا ہے، یعنی باب کی روایت بہت سے فوائد کو شامل ہوتی ہے، اگر ترجمہ قائم کیا جائے تو قاری کا ذہن اسی ترجمہ پر مرکوز ہوجاتا ہے اور دیگر فوائد کی طرف توجہ نہ ہوتی، اس لئے امام بخاریؒ بغیر ترجمہ کے باب کو ذکر کرتے ہیں تاکہ تمام فوائد کی طرف ذہن متوجہ ہوسکے۔ (مقدمہ لامع: ص/۳۲۹)

(۸) باب بلاترجمہ رجوع الی الاصل کے لئے ہوتا ہے، یعنی ایک سلسلۂ ابواب چلا آرہا ہوتا ہے، درمیان میں کچھ ضمنی تراجم آجاتے ہیں تو اصل سلسلہ کی طرف رجوع کرنے کے لئے باب بلاترجمہ لایا جاتا ہے۔ (مقدمہ لامع: ص/۳۶۷)

(۹) علامہ عینیؒ نے بعض مقامات میں یہ بھی فرمایا ہے کہ امام بخاری تکثیر طریق کی

طرف اشارہ کرنے کے لئے باب بلاترجمہ لاتے ہیں۔ (مقدمہ لامع: ص ر ۳۱۸-۳۱۹)

(۱۰) شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے کہ امام بخاریؒ کا ''باب بلاترجمہ'' تحویل کے طور پر ہوتا ہے جیسے ایک سند کو ذکر کرتے ہوئے ''ح'' لاتے ہیں اور اس کے بعد دوسری سند کو ذکر کرتے ہیں۔ یہ تحویل من سند الی سند ہوتی ہے اور آگے جا کر دونوں سندیں مل جاتی ہیں۔

(رسالہ شرح تراجم ابواب البخاری: ص ر ۱۳)

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ پوری صحیح بخاری میں کتاب بدء الخلق میں اس کی ایک مثال موجود ہے اور ایک مثال کے پائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام بخاریؒ نے اس کو اپنی کتاب میں بطور اختیار کیا ہو۔ (مقدمہ لامع: ص ر ۳۰۹)

(۱۱) شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: بعض اوقات مؤلف رحمہ اللہ صرف لفظ باب ذکر فرما کر اس کے بعد حدیث مسند بیان کر دیتے ہیں، ترجمہ کچھ ذکر نہیں کرتے، شراح رحمہم اللہ اس کے متعلق چند احتمالات ذکر فرماتے ہیں، جو ناظرین کو معلوم ہیں مگر غور اور تفتیش کے بعد راجح یہ ہے کہ ترجمہ کو نہ خطأً چھوڑا ہے اور نہ سہواً اور نہ اس ارادہ سے کہ دوسرے وقت کوئی ترجمہ مناسب مقام استنباط کر کے قائم کروں گا، بلکہ بالقصد ترجمہ ترک کیا ہے، اور یہی مقصود ہے اور اس ترک کی دو وجہ ہیں۔

(اول) یہ کہ یہ باب اپنے سابق باب کے ساتھ مربوط ہو اور اس سے کسی قسم کا تعلق رکھتا ہو۔ جس کو حضرات علماء ''کالفصل من الباب السابق'' سے تعبیر فرماتے ہیں اور حضرات محدثین اپنی تالیفات میں ''باب منه'' فرما جاتے ہیں، مگر یہ ملحوظ رہے کہ مؤلف وسیع الخیال کے نزدیک تعلق کا احاطہ بھی وسیع ہے۔ (دوسرے) یہ کہ بعض مقامات میں مؤلف بغرض تشحیذ اذان اور ایقاظ طبائع ایسا کرتے ہیں، اور غرض یہ ہوتی ہے کہ اس حدیث سے ناظرین اہل فہم بھی کوئی حکم استنباط کریں، باقی یہ امر بدیہی ہے کہ کیف ما اتفق کسی حکم کا اخراج کافی نہ ہوگا بلکہ دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔

اول مؤلف نے اس حدیث سے جو حکم یا احکام نکالے ہوں ان کے ماسوا ہونا

چاہئے، دوسرے جن ابواب کے ذیل میں یہ باب بلا ترجمہ مذکور ہے انہیں کے مناسب کوئی ترجمہ استخراج کیا جائے، چونکہ یہ امر مؤلف کی شان اور طرز دونوں کے مناسب ہے اس لئے ہم کو بھی چاہئے کہ جب کوئی باب بلا ترجمہ دیکھیں تو اول دیکھ لیں کہ باب سابق کے ساتھ اس کو کسی قسم کا تعلق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو فبہا ترجمہ سابق اس کے لئے کافی ہے اور اگر مربوط نہیں تو ہر دو قید مذکورہ بالا پیش نظر رکھ کر ترجمہ جدید کی فکر ضروری ہے۔

بعض ابواب ایسے بھی ہیں کہ وہاں دونوں احتمال مجتمع ہو جاتے ہیں یعنی باب سابق سے بھی ربط ہے اور جدید ترجمہ بھی بے تکلف مناسب ہے، یا تراجم جدیدہ متعددہ وہاں چسپاں معلوم ہوتے ہیں، سو ایسے مواقع کے دیکھنے سے بھی یہ امر راجح معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف علام کو تکثیر فوائد بھی ترک ترجمہ پر باعث ہوئی ہے اور تحدید فائدہ کے اندیشہ سے کوئی ترجمہ معین نہیں فرماتے۔

(۱۲) مواقع کثیرہ میں باب کے ساتھ صرف ترجمہ مذکور ہے، مگر حدیث مسند کا ذکر نہیں، ہم ان کو تراجم مجردہ سے تعبیر کریں گے، تراجم مجردہ دو طرح کے ہیں: ایک تو وہ جن کے ماتحت گو حدیث مسند مذکور نہیں مگر ترجمہ کے ذیل میں آیت یا حدیث یا کسی کا قول مذکور ہے، ان کا نام ہم تراجم مجردہ غیر محضہ رکھ لیتے ہیں اور اس کے نظائر کتاب میں بکثرت موجود ہیں، دوسرے وہ کہ محض ترجمہ منعقد کر کے اس کے بعد کچھ اور مذکور نہیں یعنی جیسے ترجمہ کے لئے حدیث مسند مذکور نہیں ایسے ہی ترجمہ کے ذیل میں بھی کوئی آیت یا حدیث یا اثر داخل نہیں، صرف دعوے کے سوا کوئی چیز موجود نہیں، ان کا نام ہم تراجم مجردہ محضہ مناسب سمجھتے ہیں اور اس کے نظائر بہت کم ہیں، قسم ثانی تراجم مجردہ محضہ میں کچھ ابواب ایسے بھی ہیں کہ ان میں مؤلف رحمہ اللہ نے نفس آیت کو ترجمہ بنایا ہے تو اب تراجم مجردہ کی تین صورتیں ہو گئیں۔

اول تراجم مجردہ غیر محضہ، دوسرے تراجم محضہ، جن میں آیات کو ترجمہ بنایا ہے ان کا نام تراجم محضہ صوریہ مناسب ہے، تیسرے تراجم مجردہ محضہ جن میں مؤلف نے اپنے

قول کو ترجمہ بنایا ہے ان کا نام تراجم محضہ حقیقیہ رکھ لیجئے، اس تفصیل کے بعد عرض ہے کہ قسم اول یعنی تراجم مجردہ غیر محضہ میں تو چونکہ آیت یا حدیث یا قول مسند قابل احتجاج کو ترجمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے، جو کہ اثبات دعویٰ کے لئے بالکل کافی ہے تو ظاہر ہے کہ مؤلف کے ثبوت دعویٰ میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں جس کی وجہ سے کسی دوسری دلیل کا لانا ضروری سمجھا جائے، دلائل مذکورہ پر مؤلف کا قناعت کرنا کسی طرح موجب خلجان نہیں ہوسکتا، ایسے ہی قسم ثانی یعنی تراجم محضہ صوریہ میں اگر ظاہر میں ترجمہ کے ساتھ کوئی دلیل مذکور نہیں مگر خود ترجمہ چونکہ آیت قرآنی ہے جو کہ دلیل فوق جمیع الادلۃ ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو اپنے ثبوت میں کسی دلیل کی حاجت نہیں، ظاہر نظر میں محض ترجمہ نظر آتا ہے اور حقیقت میں وہ دعویٰ دلیلھا نفسھا کا مصداق ہے، اس قسم کے تراجم کا حال بھی بے تکلف اور بطریق اولیٰ وہی ہونا چاہئے جو کہ قسم اول کا مذکور ہوا، ان دونوں قسموں میں مؤلف کے دعویٰ کو بلا دلیل خیال کرنا دعویٰ مخالف دلیل ہے۔

باقی یہ امر کہ ان دونوں قسموں میں مؤلف حدیث مسند حسب عادت مستمرہ کیوں نہیں لائے، صرف آیت وغیرہ پر قناعت کیوں کی؟ سو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شرائط مؤلف کے مطابق کوئی حدیث ایسی نہیں ملی یا حدیث ایسی موجود ہے مگر چونکہ دوسرے موقع میں مذکور ہے اس لئے بوجہ لزوم تکرار یہاں ذکر نہیں کرتے یا تمرین اور تشحیذ منظور ہے۔

اب باقی رہی تیسری صورت یعنی تراجم محضہ حقیقیہ کہ نہ ان کے ساتھ کوئی دلیل مذکور ہے اور نہ خود حجت اور دلیل شمار ہوسکتی ہیں اور اس لئے وہ محض دعویٰ بلا دلیل نظر آتے ہیں، سو ان کے متعلق یہ عرض ہے کہ مکرر ورق گردانی کے بعد بھی ایسے تراجم ہم کو بہت کم ملے جن کا عدد دس تک بھی نہیں پہنچتا اور ہمارے قصور نظر کے احتمال اور اختلاف نسخ کی بنا پر غایۃ مافی الباب اس عدد میں قدرے زیادتی بھی ممکن ہے، سو ان تراجم قلیلہ میں اکثر تو ایسے ہیں کہ باب سابق میں یا لاحق میں ان کے مطابق صریح حدیث مسند مذکور ہے، کل دو یا تین باب ایسے ہیں کہ گو ان کے آس پاس کے ابواب میں بھی حدیث مطابق نظر نہیں آتی مگر

ابواب بعیدہ میں ان کے مطابق حدیث موجود ہے، ان سب باتوں پر نظر ڈالنے کے بعد راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے ان مواقع میں بھی تراجم محضہ پر بالقصد قناعت کی ہے اور بوجہ احتراز عن التکرار یا بغرض تشحیذ اذہان یا بہر دو وجہ ان احادیث کو اثبات مدعا کے لئے کافی سمجھا جو ابواب متصلہ یا بعیدہ میں مذکور ہیں۔ ایسے ابواب پوری بخاری شریف میں ۶۳ رہیں اور سب سے پہلا باب بلا ترجمہ کتاب الایمان صفحہ ۷ پر ہے۔

قرآن کریم کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہادی منہج

کتاب اللہ کی تعریف

کتاب اللہ کا مصداق کیا ہے، اس میں امت مسلمہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن جہاں تک اس کی تعریف کا تعلق ہے، اس میں اصولیین نے اپنے اپنے علم وبصیرت کی رو سے مختلف تعبیرات اختیار کی ہیں:

امام بزدوی نے کتاب اللہ کی حسب ذیل تعریف کی ہے: **أما الكتاب فالقرآن المنزل على رسول الله ﷺ المكتوب في المصاحف، المنقول عن النبي ﷺ نقلا متواتراً بلا شبهه۔** (کشف بزدوی: ۱/۲۱)

الكتاب هو القرآن المنزل: آمدی نے اس تعریف کو اقرب کہا ہے۔

الكتاب القرآن وهو الكلام المنزل للاعجاز بسورة۔ یہ تعریف ابن حاجب نے کی ہے۔ (مختصر، ج ۲، ص ۸۰)

هو كلام الله المنزل على محمد ﷺ المتلو المتواتر۔ شوکانی نے اس تعریف کو سب سے بہتر کہا ہے۔

لفظ قرآن کا اطلاق جس طرح کلام مقروء اور کلام لفظی پر ہوتا ہے، اسی طرح اس کلام ازلی اور کلام نفسی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، جو غیر مخلوق اور قدیم ہے؛ (توضیح و تلویح: ۱/۲۷، ۲۸) لیکن ایک اصولی کی نظر میں احکام کا مدار چونکہ کلام لفظی پر ہوتا ہے کلام نفسی

پر نہیں، اسی لئے کتاب یا قرآن کے الفاظ کلام لفظی کے لئے بولے جاتے ہیں کلام نفسی کے لئے نہیں اور اسی لئے قرآن کریم کی تعریف میں "المنزل علی رسول اللہ" کی قید کا مقصد اس کلام ازلی وکلام نفسی کو خارج کرنا ہے۔ (آمدی، ج ۱/ص ۸۲، توضیح وتلویح، ج ۱/ص ۲۸)

"المکتوب فی المصاحف" کی قید سے اس حصہ کو خارج کرنا مقصود ہے جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے، لیکن حکم باقی ہے، مثلاً الشیخ والشیخوخۃ اذا زنیا فارجموھما ألبتۃ نکالا من اللہ۔ (کشف بزدوی: ۱/۲۱)

ان تعریفات میں الفاظ کا اختلاف اور قیود کی کمی وبیشی صرف مناسبت، کفایت اور حسن تعبیر پر ہے، نتیجہ میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

علامہ جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور کو بھی متواتر کی ایک قسم شمار کیا ہے اور اس قول کی بناء پر "بلاشبھۃ" کی قید سے مشہور قراءات خارج ہو جائے گی اور اگر مشہور، متواتر کی قسم نہ ہو تو اس صورت میں "بلاشبھۃ" صرف نقلاً متواتراً کی تاکید ہوگا۔

(کشف بزدوی: ۱/۲۱)

صاحب تلویح کہتے ہیں کہ "بلاشبھۃ" کی قید کا مقصد یہ ہے کہ سورۂ نمل کے سوا باقی مقامات سے تسمیہ قرآن ہونے سے خارج ہو جائے، ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ قید زائد ہے، چوں کہ مقصود اس کے بغیر بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ (تلویح: ۱/۲۷)

امام بزدوی نے کتاب کی جو تعریف کی ہے اس میں تین قیود خاص ہیں: المنزل علی رسول اللہ، المکتوب في المصاحف اور المنقول عن النبی ﷺ نقلاً متواتراً بلاشبھۃ۔

علامہ ابن الہمام نے اللفظ العربی کی قید بھی لگائی ہے اور علامہ شوکانی نے کلام اللہ اور المتلو کی قیود بھی نقل کی ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کے احکام کو کتاب وسنت کے دلائل سے آراستہ کیا ہے، ساتھ میں صحابۂ کرام اور بعد کے ائمہ کے اقوال بھی نقل کئے ہیں؛ البتہ امام

بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب اللہ کو سنت پر مقدم کرتے ہیں اور سنت کو کتاب اللہ کے تابع قرار دیتے ہیں، جب کہ بعض محدثین سنت کو کتاب اللہ پر بطور قاضی (فیصل) قرار دیتے ہیں، چنانچہ بخاری شریف میں عنوان قائم کرتے ہیں "باب فضل القرآن علی سائر الکلام"۔ (قبل حدیث:۵۰۲۰)

اور بھی دیگر کئی مواقع کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آپ کتاب اللہ کو شریعت کا مصدر اول قرار دیتے ہیں اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کتاب اللہ اور اس سے متعلق مسائل واحکام کا بھی بہت زیادہ اہتمام سے ذکر فرماتے ہیں، جو اور دیگر کتب حدیث میں نظر نہیں آتا ہے۔

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حدیث کے بارے میں دریافت کیا گیا اور عرض کیا گیا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کو صحیح قرار دیا ہے، امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: محمد بن اسماعیل مجھ سے زیادہ صاحب نظر ہیں، وہ لوگوں میں سب سے زیادہ عقل مند ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے ذریعہ جن اوامر ونواہی کو ذکر فرمایا ہے ان کو قرآنی مأخذ سے سمجھا، انہوں نے قرآن پڑھا تو قلب ونگاہ اور کان سب کو مشغول کر دیا، اس کی مثالوں کے بارے میں خوب تفکر وتدبر کیا اور حرام و حلال کا علم حاصل کیا۔ (مقدمہ فتح الباری، ص:۸۴-۴۸۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کاتب محمد ابو حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے کسی ایسی چیز کا علم نہیں ہے، جس کی ضرورت ہو اور وہ قرآن وسنت میں موجود نہ ہو۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں: "میں نے دریافت کیا کہ کیا اس کو جاننا ممکن ہے؟ فرمایا: ہاں! کتاب اللہ کے بارے میں تدبر وتفکر کرنے، اس کی آیات کے مدلولات ومحامل کو سمجھنے اور اس کی گہرائیوں اور پنہائیوں کا ادراک کرنے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے، اس کی سب سے واضح دلیل وہ آیات کریمہ ہیں، جو صحیح بخاری کے تراجم

ابواب میں پھیلی ہوئی ہیں، جن سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے معانی مستنبط کئے ہیں، اور بہت سے نکات اور باریکیوں کی جانب اشارہ فرمایا ہے، جو بھی صحیح بخاری کے ابواب وتراجم کا غور وفکر اور باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کرے گا اس کے سامنے یہ بات خود بخود منکشف ہوجائے گی۔'' (آفتاب بخاری: ص/ ۸۳، ۸۴)۔

علامہ مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **ومن عاداته في استنباط المسائل الفقهية؛ بل في الصحيح كله، انه يذكر أولا: آيات القرآن الكريم، ثم الحديث المرفوع، أو آثار الصحابة، أو فتاوى علماء التابعين وهذه الأمور لا بد منها للمجتهد۔** (سیر الامام البخاری للمبارک فوفی، ص/ ۴۱۹)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پوری کتاب میں اس بات کا التزام رکھا ہے کہ اس میں صرف احادیث صحیحہ لائیں، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، اس کے ساتھ انھوں نے فقہی مسائل اور حکیمانہ نکتوں کا بھی لحاظ رکھا ہے، چنانچہ متون احادیث سے بہت سے معانی استنباط فرماتے ہیں، جو مناسب طریقے سے پوری کتاب میں موجود ہیں، اسی طرح آیات احکام کی طرف بھی پوری توجہ رکھی، یہ اور اس سے بھی عجیب وغریب معانی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی اصل غرض احادیث کے ذخیرہ میں سے صحیح ومستفیض اور متصل کا انتخاب ہے اور فقہ وسیرت اور تفسیر کا بھی استنباط کیا ہے اور اخذ حدیث میں جو شرط انھوں نے مقرر کی تھی وہ بدرجۂ کمال پوری کی ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ: ۱/ ۱۵)

اس سے معلوم ہوا کہ امام موصوف کا مقصود اعظم اپنی الجامع الصحیح میں طرق استنباط ہے، اسی لئے "فقه البخاري في تراجمه" کہا گیا ہے، بخاری کا سارا کمال ان کے تراجم ابواب میں ہے۔ (لامع ص: ۲۴، آفتاب بخاری، ص: ۱۷۳)

قال المباركفوري: وهو (البخاري) في استنباطه للمسائل يتبع اسلوباً

حسناً جداً، وهو انه اولاً يستدل بالآيات القرآنية ويراعي قبل كل شئي التطبيق والتوفيق بين الآية والحديث، وفي طيه تفسير الآية بالحديث أو الحديث بالآية، وله أسلوب لطيف ودقيق في الاستدلال، حتى أن كثيراً من غير العارفين يقعون في حيرة، ويجعلونه هدفاً لطعنهم واعتراضهم۔

(سیرۃ الامام البخاری للمبارکفوری:۱۸۹)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب میں آیت کریمہ کے ساتھ اپنا یا دوسرے کا قول نقل کرتے ہیں اور پھر احادیث پیش کرتے ہیں:

جیسے آیت کریمہ: الحج أشهر معلومات میں آیت کریمہ کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال نقل کئے ہیں۔ (کتاب حج قبل حدیث ۱۵۶۰) اور باب الجزية والموادعة میں قاتلوا الذين لا يؤمنون الخ (التوبہ:۲۹) میں آیت کریمہ کے ساتھ ابن عیینہ کا قول نقل کیا۔ (کتاب الجزیہ قبل حدیث:۳۱۵۶) اور باب وكلوا واشربوا الخ۔۔۔ (کتاب التفسیر قبل حدیث ۴۵۰۹) اور باب قول اللہ تعالیٰ لا تدخلوا بيوت النبي الخ (کتاب اخبار الآحاد قبل حدیث:۷۲۶۲) میں تفسیر کرتے ہوئے اپنا قول نقل کیا ہے۔

کبھی آیت کو ترجمۃ الباب کے طور پر ذکر کرتے ہیں؛ اور اس کے ساتھ ترجمہ میں کوئی بات نقل نہیں فرماتے ہیں، البتہ اس کے بعد احادیث ذکر کرتے ہیں، جیسے باب قول اللہ تعالیٰ: يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا الربوا الخ۔ (کتاب البیوع قبل حدیث ۲۰۸۳) اور باب قول اللہ تعالیٰ أن يصالحا بينهما صلحا (کتاب الصلح قبل حدیث ۲۶۹۴) اہل کوفہ؛ عاصم، حمزہ اور کسائی کی قراءت میں "يُصلِحا" ہے اور باقی قراء نے "يَصَّالَحا" پڑھا ہے، اور باب "ومن يقتل مؤمناً متعمداً" الخ (کتاب التفسیر قبل حدیث:۴۵۹۰) اسی طرح کی مثالیں کتاب التفسیر میں بہت زیادہ ہیں۔

آیات کو سند بناتے ہوئے احکام کا استنباط کرنا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی احکام شرعیہ کو آیات کی روشنی میں پیش کیا ہے، اس کی مختلف شکلیں اپنائی ہیں، احکام سے استدلال کے لئے کثرت سے آپ نے آیات کو بطور استناد پیش کیا ہے، قریب قریب پچاس سے زیادہ مقامات پر آپ نے ایسا کیا ہے، میں صرف چند کی کتاب اور حدیث نمبر کا حوالہ دینا کافی ہے: **(۱) کتاب الایمان قبل حدیث ۲۶، (۲) کتاب مواقیت الصلاۃ قبل حدیث ۵۶۴، (۳) کتاب الزکوۃ بعد حدیث ۱۴۴۴، (۴) کتاب الحج قبل حدیث ۱۵۸۸۔**

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مواضع میں آیات سے استدلال کرتے ہوئے اس سے ترجمہ قائم کیا ہے: **(۱) کتاب الجنائز قبل حدیث ۱۳۶۹، (۲) کتاب الشهادات بعد حدیث ۲۶۳۷۔**

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قرآن کریم سے جو شغف و تعلق تھا اس کا اظہار انھوں نے اس طرح کیا ہے کہ اپنی صحیح میں کتاب التفسیر کے عنوان سے مستقل کتاب قائم کی اور اس کو سورتوں کی ترتیب پر مرتب کیا، اس میں وہ احادیث بھی لائے جو اس سورت سے متعلق تھیں۔ اس سلسلہ میں صحابۂ کرام یا تابعین سے جو مروی تھا اس کو بھی نقل کر دیا اور ہر سورت کے شروع میں احادیث ذکر کرنے سے پہلے اس سورت کے بعض مشکل، مبہم اور غریب الفاظ کے معانی بھی بیان کئے ہیں، کبھی علمائے لغت یا تفسیر میں سے کسی کی طرف اقوال کو منسوب کرتے ہیں اور کبھی بغیر نسبت کے بھی نقل کیا ہے۔

مثال کے طور پر سورتوں کی ابتداء میں تفسیری نکات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال البخاری: سورة آل عمران: تُقَيَةٌ (آیة۲۸) و تَقِيَةٌ: واحد، صِرٌ (۱۱۷): برد، شفا حفرةٍ (۱۰۳): مثل شفا الرَّكِيَةِ، وهو حرفها، تُبَوِّئُ: (۱۲۱): تتخذ معسكراً، المسوّم: الذي له سيمائ بعلامة او بصوفة او بما كان، رِبّيُّونَ (۱۴۶): الجميع، والواحد: رِبِّيٌ، تَحسُّونَهُمْ (۱۵۲): تستأصلونهم قتلاً،

غُزًّى (۲۵۶): واحدها غازٍ، سَنَكْتُبُ ما قَالوا (۱۸۱): سنحفظ، نُزُلاً (۱۹۸): ثواباً، ويجوز مُنْزَلٌ من عندالله، كقولك: انزلنه، وقال مجاهد: وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ (۱۴): المُطَهَّمَةُ الحِسَانُ، وقال ابن جُبير: وَحَصُوْراً (۳۹): لايأتي النساء، وقال عكرمة: مِنْ فَوْرِهِمْ (۱۲۵): من غضبهم يوم بدر، وقال مجاهد: يُخْرِجُ الحَيَّ (الأنعام: ۹۵): النُّطفة تَخرُجُ مَيِّتة، ويُخرج منها الحي، والإبْكار (۴۱): اول الفجر، العشي: مَيْلُ الشمس -أراه- التى أن تَغرُب۔ (كتاب التفسير بعد حديث ۴۵۴۶)

مثال آخر: قال البخاري: سورة لم يكن، بسم الله الرحمن الرحيم، مُنْفَكِّيْنَ: زائلين، قَيِّمَةٌ القائمة، دِيْنُ الْقَيِّمَةِ: أضاف الدِّين الى المؤنث۔

(كتاب التفسير بعد حديث ۴۹۴۹)

کبھی لفظ "یعنی" وغیرہ کا اضافہ کر کے آیات کو سمجھاتے ہیں:

مثلاً وسئل القرية (یوسف:۸۲) واسأل العير يعني أهل القرية وأهل العير (کتاب الحدیث الانبیاء بعد حدیث ۳۳۱۱) اس تفسیر میں ابو عبیدہ کی متابعت کی ہے

(فتح الباری: ۶/۴۴۹)

قرآن کریم کے متعلقات (علوم القرآن) سے بحث قراءت متواترہ وشاذہ

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ قرآن شریف صرف وہ ہے جو بطریق تواتر منقول ہے اور جو بطریق شاذ یا آحاد منقول ہے وہ قرآن شریف نہیں۔ (الاتقان: ۱/۷۷)

البتہ یہ بات بحث طلب ہے کہ قرآن کی کونسی قرأتیں متواتر ہیں اور کونسی شاذ، اصولیین کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ قراءت عشرہ متواتر ہیں اور باقی شاذ، اور فقہاء میں سے بعض حضرات اصولیین سے متفق ہیں، لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک قراءت سبعہ متواتر ہیں اور باقی شاذ، البتہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قراءت سبعہ اپنے ائمہ سے تو بلاشبہ متواتر ہیں؛ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا تواتر محل نظر ہے۔ (الاتقان: ۱/۸۰)

حقیقت یہ ہے کہ قراءت کے تواتر اور شذوذ کے بارے میں اصولیین یا فقہاء کے مقابلہ میں اصحاب فن یعنی قراء کی بات زیادہ معتبر ہونی چاہئے، اسی لئے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں علامہ جزری کی بات کو سب سے اچھا کہا ہے۔

علامہ جزری نے قراءت کے تواتر کے لئے تین شرائط مقرر کئے ہیں؛ عربیت سے موافقت، خط مصحف عثمانی سے موافقت اور سند کی صحت، اور جس قراءت میں ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو؛ علامہ جزری اسے ضعیف اور شاذ کہتے ہیں، خواہ وہ ائمہ سبعہ سے منقول ہو یا ان سے بھی بڑے کسی آدمی سے، علامہ جزری نے اسے سلف اور خلف میں سے محققین کا مسلک قرار دیا ہے۔ (الاتقان: ۱/ ۷۵)

قراءت شاذہ کا قرآن نہ ہونا متفق علیہ ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسے ظنی حجت مانتے ہیں۔ (آمدی: ۱/ ۸۳)

بقول امام الحرمین امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہر مذہب یہی ہے۔ لیکن ابن السبکی لکھتے ہیں کہ شوافع کا صحیح مذہب یہ ہے کہ قراءت شاذہ چونکہ خبر کے مرتبہ میں آجاتی ہے، اس لئے اس سے احتجاج درست ہے۔ (جمع: ۱/ ۲۳۱) اسی لئے سارق کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں چونکہ **فاقطعوا ایمانھما** ہے، اس لئے بہت سے شوافع سے قطع یمین پر احتجاج کرتے ہیں اور صوم کفارۂ یمین میں تتابع کو اس لئے ضروری قرار نہیں دیتے کہ متتابعات کی قراءت منسوخ ہے۔

(محلی شرح جمع، ج: ۱، ص: ۲۳۲)

واضح رہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اسی متتابعات کی قراءت کی وجہ سے احناف صوم کفارۂ یمین میں تتابع کو ضروری قرار دیتے ہیں، احناف یہ کہتے ہیں کہ یہ قراءت نہ تو قرآن ہے، اور نہ صرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب، بلکہ یہ بمنزلہ خبر کے ہے اور خبر بھی چوں کہ مشہور ہے جس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے، اس لئے اس کا لحاظ ہوگا، گویا احناف کے نزدیک تردد اس میں نہیں کہ یہ خبر ہے یا نہیں، بلکہ تردد اس میں

ہے کہ یہ قرآن ہے یا خبر، اور جب قرآن نہیں تو اس کا خبر ہونا متعین ہو گیا۔

(کشف، منار: ۱/ ۱۳)

اس موقع پر اتنی بات اور واضح ہو جانی مناسب ہے کہ قضاء رمضان کے بارے میں بھی حضرت اُبی کی قراءت میں متابعات کی زیادتی ہے، لیکن چوں کہ یہ مشہور نہیں بلکہ آحاد ہے، اور آحاد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں، اس لئے احناف نے اس کا لحاظ نہیں کیا اور قضاء رمضان میں تتابع کو ضروری قرار نہیں دیا۔ (کشف، منار: ۱۲)

مختلف قراءات جن سے مجتہدین کے استنباط میں تبدیلی ہوتی ہے:

اس کو نیز ناسخ و منسوخ کی بحث کو بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں خاص ذکر کیا، اگرچہ اس کا ذکر احادیث کے ضمن میں کیا ہے، اختلاف قراءات، ناسخ و منسوخ، لغۃ القرآن اور اسباب نزول کا استنباطِ احکام میں بڑا دخل ہے، لہٰذا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجتہد کو اشارہ کیا کہ وہ استخراج مسائل کے وقت ابحاث کو بھی پیش نظر رکھے۔

قراءات کا ذکر:

اما بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی جگہ قرأت واحد اور کسی جگہ قراءات متعددہ کو ذکر کیا ہے، جس سے معنی اور حکم کا اختلاف مرتب ہوتا ہے۔

قراءات صحیحہ (جس کے مقابلہ میں دوسری قراءت ذکر نہیں کی) کی مثال:

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: فی الحرام یُکَفِّر، وقال ابن عباس: لقد کان لکم فی رسول اللہ اِسوَۃ حسنۃ، عاصم کی قراءت میں اُسوۃ ہے، اور باقی حضرات کی قراءات میں اِسوۃ ہے۔ (کتاب الاقناع: ۲/ ۷۳۶، کتاب التفسیر حدیث: ۴۹۱۱) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری جگہ (حدیث ۱۱۰۱) اُسوۃ کا لفظ ذکر کیا ہے۔

(۲) باب قولہ ما ننسخ من آیۃ أو نُنسِھا (کتاب التفسیر قبل حدیث ۴۴۸۱) نَنسَاھا ابن کثیر کی اور ابو عمرو بصری کی قراءت ہے، باقی حضرات نے نُنسِھا پڑھا ہے،

نُنسأها موخّر کرنے کے معنی میں ہے اور نُنسھا نسیان (بھول) سے ہے۔

(فتح الباری: ۸/۱۶۸)

(۳) کتاب الزکوٰۃ حدیث ۱۴۱۹ سے پہلے آیت لا بیعَ فیه ولا خلةَ ولا شفاعةَ نصب کے ساتھ بلاتنوین کے ابن کثیر اور ابو عمرو بصری کی قراءت ہے اور باقی حضرات نے لا بیعٌفیه ولا خلةٌ ولا شفاعةٌ رفع اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے، فتح الباری میں ضمہ کے ساتھ ہے اور نسخۂ یونینیه وغیرہ میں فتحہ کے ساتھ ہے۔

(۴) اور اسی طرح لَمستم (بالفتح) حمزہ اور کسائی کی قراءت میں اور لٰمستم (بالمد) باقی قراء حضرات کی قراءات میں ہے۔ (کتاب التفسیر قبل حدیث ۴۶۰۷)

کچھ وہ مثالیں بھی ہیں جن میں دونوں قراءات صحیح ہونے کے ساتھ معنی میں ایک دوسرے کے مقابل ہیں، اس اختلاف معنی کو واضح کرتے ہوئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دونوں کو ذکر کرتے ہیں جیسے:

(۱) سورۂ نور میں فَرَضْناها اور فَرَّضْناها دونوں کو نقل کیا ہے، فَرَضْناها: أنزلنا فيها فرائض مختلفة، ومن قرَأ "فَرَّضْناها" يقول فَرَضْنا عليكم و على من بعدكم۔ (کتاب التفسیر قبل حدیث ۴۷۴۵)

(۲) وقرأ اعمش و عاصم (فَعَدَلَکَ) بالتخفيف و قرأه اهل الحجاز بالتشديد، و أرادمُعتدِل الخَلقِ۔ (کتاب التفسیر قبل حدیث ۴۹۳۸) عاصم، حمزہ اور کسائی وغیرہ کوفیین کی قراءت بالتخفیف ہے اور باقی حضرات تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ (الاتقاع: ۲/۸۰۶)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ قراءات شاذہ کو دوسری قراءات کے ساتھ نقل کیا ہے اور کبھی صرف شاذہ کو بھی نقل کیا ہے، جیسے:

(۱) قال البخاری: عن أبي اسحاق انه سمع رجلا سأل الاسود: فهل من مَذَّكر، او مدَّكر، فقال: سمعت عبدالله يقرؤها فهل من مدكر، قال: وسمعت

النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقرؤھا "فھل من مدّکر" دالاً۔ (حدیث:۴۸۷۱)

اس میں مذّکر کا لفظ شاذ ہے، قتادہ اور بعض سلف سے منقول ہے، لیکن قراءت سبعہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے ماتحت حدیث ابن عباس ذکر کی، جس میں نہیں ہے۔ (فتح الباری:۸/۶۱۸)

(۲) قرائة العامة "یطیقونه" وهو أکثر۔ (کتاب التفسیر قبل حدیث ۴۵۰۵) "یطوقونه" اور یہ قراءت شاذہ ہے۔

(۳) ألا انهم یثنوني صدورهم (حدیث ۴۶۸۱) ترجمۃ الباب میں یثنُون قراءت متواترہ ذکر کی ہے اور حدیث باب میں یَثْنَوْنِی قراءت شاذہ نقل کی ہے۔

(۴) فزِعَ عن قلوبهم (حدیث ۴۷۰۱) اولاً نقل کیا ہے اور حدیث کے اخیر میں فزع نقل کیا ہے، کچھ نسخوں میں فرغ لکھا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ (فتح الباری: ۱۳/۴۵۹) اور یہ قراء ت شاذہ ہے، اسی طرح و ماخلق الذکر والأنثی کی جگہ علقمہ کی قراءت والذَکَرِ والانثی۔ (حدیث ۴۹۴۴) اور وتبَّ کی جگہ وقدتبَّ (۴۹۷۱) اور وکان ورائهم کی جگہ ابن عباس کی قراءت "وکان امامهم" (حدیث ۴۷۲۶) اور لیس علیکم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربکم کے ساتھ "في مواسم الحج" کا اضافہ کیا (حدیث:۲۰۹۸) اور الحی القیوم کی جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قراءت الحی القیام (قبل حدیث ۴۹۲۰) نقل کی ہے، یہ سب قراءات شاذہ ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ صحابہ کرام کا آپس میں قراءت کا اختلاف ہوتا تھا اور یہ نسخ کا علم نہ ہونے کی وجہ سے تھا۔ (حدیث ۴۴۸۱)

نسخ کی مختلف صورتیں

کتب اصول میں نسخ کی جو تفصیلات ملتی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نسخ کی حسب ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں، اگرچہ ان کو مزید پھیلایا جائے تو کچھ مزید صورتیں بھی نکل سکتی ہیں:

(۱) قرآن پاک کا قرآن پاک سے نسخ۔
(۲) سنت کا سنت سے نسخ۔ (متواترہ کا متواترہ سے، آحاد کا آحاد سے، متواترہ کا آحاد سے اور آحاد کا متواترہ سے)
(۳) سنت کا کتاب سے نسخ (۴) کتاب کا سنت سے نسخ۔
(۵) کتاب وسنت کا اجماع سے نسخ۔ (۶) اجماع کا اجماع سے نسخ۔
(۷) قیاس کا اجماع سے نسخ۔ (۸) قیاس کا قیاس سے نسخ۔
(۹) کتاب وسنت واجماع کا قیاس سے نسخ۔

(۱) کتاب کا کتاب سے نسخ

جو لوگ نسخ کے قائل ہیں وہ سب اس پر متفق ہیں کہ کتاب کا کتاب سے نسخ جائز ہے، مثلاً اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰكُمْ صَدَقَةً کا "ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰكُمْ صَدَقَاتٍ" سے نسخ، یا مثلاً: اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ" کا "اَلْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ" سے نسخ۔

سنت کا سنت سے نسخ:

قائلین نسخ کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ سنت متواترہ کا متواترہ سے، آحاد کا متواترہ سے اور آحاد کا آحاد سے نسخ جائز ہے، مثلاً رسول اللہ ﷺ نے پہلے زیارت قبور سے منع فرمایا تھا، بعد میں اس حکم کو منسوخ کر دیا اور یہ فرمادیا کہ کنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها، یا مثلاً: آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو شخص چوتھی بار شراب پیئے اسے قتل کردو، لیکن اس حکم کو آپ نے اپنے عمل سے منسوخ قرار دیا کہ ایک ایسے شخص کو آپ کی خدمت میں لایا گیا جنہوں نے چوتھی بار شراب پی تھی، لیکن آپ نے ان کو قتل نہ فرمایا۔ (آمدی: ۱۸۱/۲)

سنت کا کتاب سے نسخ:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ قرآن سے سنت کا نسخ جائز نہیں۔

(الرسالہ:۱۰۸) لیکن جمہور اشاعرہ، معتزلہ اور فقہاء اس کے جواز کے بھی قائل ہیں اور وقوع کے بھی، مثلاً بیت المقدس کی طرف توجہ کا حکم قرآن کریم میں نہیں ہے، یہ صرف سنت سے ثابت ہے، لیکن یہ حکم کتاب اللہ کی آیت سے منسوخ ہوا، ''فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ''۔ (کشف بزدوی: ۳/ ۹۰۳)

کتاب کا سنت سے نسخ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے اکثر اصحاب، اکثر اہل ظاہر اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کے نزدیک سنت متواترہ سے کتاب کا نسخ جائز نہیں، لیکن اشاعرہ اور معتزلہ میں سے جمہور متکلمین اور فقہاء میں سے امام مالک اور احناف اس کے جواز کے قائل ہیں، اگرچہ وقوع میں ان کا اختلاف ہے۔

صاحب کشف بزدوی لکھتے ہیں کہ محققین شوافع بھی اس مسئلہ میں جمہور فقہاء و متکلمین کے ساتھ ہیں۔ (بزدوی: ۳/ ۸۹۶، اللمع: ۳۳)

کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کا اجماع یا قیاس سے نسخ:

عیسیٰ ابن ابان اور بعض معتزلہ کے نزدیک، اجماع سے کتاب وسنت اور اجماع کا نسخ ہوسکتا ہے، لیکن عام اصولیین کے نزدیک اجماع، نہ کتاب، سنت اور اجماع کا ناسخ ہوتا ہے اور نہ قیاس کا۔ (کشف بزدوی: ۳/ ۸۹۵)

چنانچہ صاحب کشف بزدوی لکھتے ہیں: **ولكن عامة الأصوليين أنكروا كون الاجماع ناسخاً لشيء أو منسوخاً بشيء۔**

اسی طرح قیاس کے بارے میں جمہور کا مسلک یہ ہے کہ یہ نہ کسی کا ناسخ ہوتا ہے اور نہ کسی سے منسوخ۔ چنانچہ علامہ عبدالعزیز بخاری لکھتے ہیں: **واختلفوا ايضاً في جواز كون القياس منسوخاً، واختيار العامة ان لا يكون منسوخاً كما لا يكون ناسخاً۔**

(کشف بزدوی: ۳/ ۸۹۵)

نسخ کی معرفت کے صحیح طریقے

قطعیت اور ظنیت کے اعتبار سے دو مساوی نصوص جب باہم اس طرح متعارض ہوں کہ جمع کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو اس وقت اس کی ضرورت پیش آتی ہے کہ ان میں سے جو مقدم ہو اُسے منسوخ اور جو مؤخر ہو اُسے ناسخ مانا جائے؛ لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ ان میں سے کون سی نص مقدم ہے اور کون سی مؤخر، علماء نے اس کے حسب ذیل صحیح طریقے تحریر فرمائے ہیں:

(۱) ان دو متعارض نصوص میں سے ایک نص میں کوئی ایسی بات ہو جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں نص متأخر ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَلْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفاً فَإِنْ يَكُنْ مِنكُمْ مِئَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِئَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ'' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، اَلَّا فَزُوْرُهَا وَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا۔

(۲) کسی بھی عصر میں اس پر اجماع ہو جائے کہ فلاں نص مقدم ہے فلاں مؤخر۔

(۳) کسی صحابی سے صحیح طریقے پر کوئی ایسی بات مروی ہو جس سے یہ متعین ہو جائے کہ فلاں نص مقدم ہے اور فلاں مؤخر، مثلاً صحابی یہ کہے کہ ''یہ آیت اس آیت کے بعد نازل ہوئی''، اور جو آیت اس سے متعارض ہے، اس کے بارے میں یہ بات معروف ہو کہ وہ اس آیت سے پہلے یا اس کے بعد کی ہے۔ (مناہل: ۲/۱۰۵)

نسخ کی معرفت کے غیر صحیح طریقے

نسخ کی معرفت کے لئے حسب ذیل طریقے صحیح نہیں

(۱) کسی صحابی کا یہ کہنا کہ یہ ناسخ ہے اور یہ منسوخ، کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ بات صحابی نے اپنے اجتہاد سے کہی ہو۔

(۲) کسی مفسر کا دلیل کے بغیر یہ کہہ دینا کہ یہ ناسخ ہے اور یہ منسوخ۔

(۳) مصحف میں ایک نص کا دوسرے پر مقدم ہونا، اس لئے کہ مصحف کی ترتیب نزول کی

ترتیب کے مطابق نہیں۔

(۴) ایک راوی کا دوسرے راوی کے مقابلہ میں کم عمر ہونا؛ کیوں کہ نوعمری اس بات کی دلیل نہیں کہ اس کی روایت یقیناً بعد کی روایت ہو اور وہی ناسخ ہو۔

(۵) ایک راوی کا دوسرے راوی کے بعد اسلام لانا؛ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ جو پہلے اسلام لایا ہے اس کی روایت بعد کی ہو اور منسوخ ہونے کے بجائے وہی ناسخ ہو۔

(۶) ایک راوی کی صحبت کا منقطع ہوجانا، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ جس صحابی کی صحبت منقطع نہیں ہوئی اس کی روایت پہلے کی ہو اور وہی منسوخ ہو۔

(۷) ایک نص کا عقل یا براءت اصلیہ کے موافق ہونا، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ جو نص موافق نہیں وہی مؤخر اور وہی ناسخ ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ نسخ کے غیر صحیح طریقوں کا استقصاء نہیں کیا، لیکن ان میں سے دو اہم اور کثیر الوقوع صورتیں ذکر کی ہیں۔

(۱) اگر کوئی صحابی یہ کہہ دے کہ فلاں نص ناسخ ہے اور فلاں منسوخ، تو صحابی کی یہ بات اثبات نسخ کے لئے قطعی نہیں، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ بات صحابی نے اپنے اجتہاد اور استنباط سے کہی ہو۔

البتہ اگر صحابی یہ کہہ دے کہ "**الاية الاولى نزلت يوم كذا والثانية يوم كذا**" تو یہ بات نسخ کے لئے کافی ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ نسخ کے بارے میں اگر کسی صحابی کی کوئی روایت ہے تو اس سے نسخ ثابت ہوجائے گا، لیکن اگر اجتہاد و استنباط ہے تو اس سے قطعی طور پر نسخ ثابت نہ ہوگا۔

(۲) کسی نص کو اپنے مشائخ کے عمل کے خلاف پاکر فقہاء کا یہ کہنا کہ یہ منسوخ ہے، یہ بھی اثبات نسخ کے لئے کافی نہیں۔ (اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ: ۲۵۲۔۲۴۴)

ایک آیت سے دوسری آیت کا نسخ: (دونوں کی تلاوت کے باقی رہنے کے ساتھ)

(۱) باب "**وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ**" (كتاب الصوم قبل حديث ۱۹۴۹) قال ابن

عمر و سلمة بن الأكوع: نَسَخَتْهَا شَهْرُ رَمَضَانَ الخ۔۔۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ فَنَسَخَتْهَا وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَكُمْ فَأُمِرُوْا بِالصَّوْمِ۔ (قبل حدیث:۱۹۴۹)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ حضرات صحابۂ کرام کے درمیان اس آیت کے نسخ کے سلسلہ میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی، پھر فرمایا: لَيْسَتْ بِمَنْسُوخَةٍ هُوَ الشَّيْخُ الْكَبِيْرُ وَالْمَرْأَةُ الْكَبِيْرَةُ لَا يَسْتَطِيْعَانِ اَنْ يَصُوْمَا، فَلْيُطْعِمَانِ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا۔ (حدیث:۴۵۰۵) جب کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو منسوخ کہا ہے۔ (حدیث:۱۹۴۹)

(۲) کتاب التفسیر، حدیث ۴۵۴۶، باب "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ" میں وَاِنْ تُبْدُوْا والی آیت کو بعد والی آیت "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا" سے منسوخ قرار دیا ہے۔

(۳) کتاب الوصایا، حدیث ۲۷۴۷، باب "لا وصية لوارث" میں "كُتِبَ عَلَيْكُمْ" (البقرہ:۱۸۰) کو "يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ" والی آیت سے منسوخ قرار کر دیا۔

(۴) کتاب التفسیر، سورۃ براءۃ قبل حدیث ۴۶۶۱ "يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا"۔ (براءۃ:۳۵) یہ زکوٰۃ کے نزول سے پہلے اتری ہے، آیت زکوٰۃ نے اس کو منسوخ کر دیا۔ (حدیث:۴۶۶۱)

ایک آیت کے بعض حکم (جزئی) کا دوسری آیت سے نسخ

(۱) کتاب التهجد (قبل حدیث:۱۱۴۱) پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا کہ پہلی آیت کی فرضیت قیام لیل کا حکم، دوسری آیت نے منسوخ کر کے قیام کی سنیت کو باقی رکھا، اس (ناسخ) آیت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے آپ نے مؤکد کر دیا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے معمولات میں بھی قیام اور نوم کا ذکر کیا ہے۔ وَكَانَ لَا تَشَاءُ اَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا اِلَّا رَاَيْتَهٗ وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَيْتَهٗ۔ (حدیث:۱۱۴۱)

(۲) کتاب الکفالۃ: باب قول اللہ عزو جل: والذین عَاقَدَتْ أیمانکم فآتوھم نصیبھم۔ (حدیث:۲۲۹۲) یعنی آپس میں مواخات کی وجہ سے جو قریبی رشتہ دار کے بجائے انصاری کا مہاجر کے وارث ہونے کا سلسلہ جاری تھا، وہ ''وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ (النساء:۳۳) والی آیت سے منسوخ ہو گیا، البتہ نصرت، وصیت اور خیر خواہی کا حکم باقی رہا۔ کوفہ والوں نے ''عَقَدَت'' پڑھا اور باقی قراء نے ''عَاقَدَتْ'' پڑھا ہے۔ (کتاب الاقناع، ج:۲،ص:۶۳۰)

(۳) کتاب التفسیر حدیث ۴۵۳۶ اور کتاب الطلاق حدیث ۵۳۴۴ میں بھی سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۰ کے بارے میں لکھا ہے: قَدْ نَسَخَتْھَا الأُخْرٰی یعنی سورۂ بقرہ کی آیت ۲۳۴ نے آیت ۲۴۰ ''وَالَّذِیْنَ یَتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِیَّۃً لِّاَزْوَاجِھِمْ مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ'' کو منسوخ قرار دیا۔

آیت کی تلاوت منسوخ ہو لیکن حکم باقی رہے

کتاب الحدود، جزء حدیث، ۶۸۳۰: آیت رجم کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ رجم کی آیت منسوخ ہونے کے باوجود اس کا حکم باقی ہے۔

ایسی آیت کی تلاوت منسوخ ہونا، جس پر کوئی حکم مرتب نہ ہوا ہو

کتاب المغازی (حدیث ۴۰۹۱) میں روایت ہے کہ قبیلہ رعل وذکوان نے جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دھوکا بازی سے شہید کر دیا، ان کے کلمات کو پڑھا جاتا تھا، بعد میں منسوخ کر دیا گیا، یہ روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مقامات پر ذکر کی ہے، ان میں سے علی وجہ المثال ایک روایت ان الفاظ میں ہے: فَکُنَّا نَقْرَأُ اَنْ بَلِّغُوْا قَوْمَنَا اَنْ قَدْ لَقِیْنَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَاَرْضَانَا، ثُمَّ نُسِخَ بَعْدُ۔ (۲۸۰۱)

آیت کا حکم باقی رہنے کی تاکید اور منسوخ ہونے کی نفی

(۱) کتاب الوصایا (حدیث ۲۷۵۹، حدیث ۴۵۷۲) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما

قال: ان ناساً یزعمون ان هذه الآیة نسخت، ولا واللّٰہ مانسخت ولکنها مما تهاون الناس، آیت کریمہ واذا حضر القسمة کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لوگ اس کو منسوخ سمجھتے ہیں، لیکن وہ منسوخ نہیں ہے، البتہ لوگوں نے اس کے بارے میں تغافل وتکاسل سے کام لیا ہے، هي محکمة، ولیست بمنسوخة۔ (حدیث:۴۵۷۶)

(۲) کتاب التفسیر، حدیث ۴۵۱۸ آیت کریمہ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ کے بارے میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ عدم نسخ کے قول کو ذکر کیا ہے۔

شان نزول کے بارے میں اہتمام

سبب نزول آیات اور کن کے متعلق آیات نازل ہوئیں، اس کی معرفت بڑی اہم ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے آیت کا سمجھنا آسان ہوجاتا ہے، کبھی اس کی معرفت کی وجہ سے محل حکم کا پتہ چلتا ہے اور سبب نزول کے اختلاف کی وجہ سے احکام میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تعلیقاً روایت نقل کی ہے، جس سے اسباب نزول کی معرفت اور جن کے متعلق نازل ہوئی ان کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، مثلاً کتاب استتابة المرتدین والمعاندین وقتالهم، قبل حدیث ۶۹۳۰ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ خوارج کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے شریر قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے: انهم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوها علی المؤمنین۔

اس روایت نے خوارج کے احکام میں تحریف کرنے کی وجہ اسباب نزول سے جہالت کو قرار دیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وجہ سے اسباب نزول کی روایات کو قابل اعتناء سمجھتے ہوئے کتاب التفسیر اور دیگر مواقع میں خصوصیت سے اس کی مثالیں ذکر کی ہیں، مثلاً:

(۱) کتاب العمرة (حدیث:۱۷۹۰) میں آیت کریمہ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ

اللہ کا شان نزول ذکر کیا۔

(۲) کتاب الصوم (حدیث:۱۹۱۵) میں ''اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَائِکُم'' اور ''کُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ'' سے شان نزول ذکر کیا ہے۔

(۳) کتاب الصلح (حدیث۲۷۰۸) میں ''فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ'' کے شان نزول کا واقعہ ذکر کیا ہے۔

(۴) کتاب المظالم (حدیث:۲۴۵۰ اور ۲۶۹۴) میں ''وَاِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِھَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا'' کا شان نزول بیان کیا ہے۔

(۵) کتاب الوصایا، (حدیث ۲۷۸۰) میں ''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَھَادَةُ بَیْنِکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ'' کے شان نزول کا واقعہ ذکر کیا ہے۔

(۶) کتاب المغازی (۴۰۵۱) میں ''اِذْ ھَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنْکُمْ اَنْ تَفْشَلَا'' کا شان نزول ذکر کیا ہے۔

(۷) کتاب التفسیر (حدیث:۴۴۸۳) میں ''وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی''، آیت حجاب اور ''عَسٰی رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُنَّ'' کے شان نزول کی حقیقت واضح کی ہے۔

شریعت کے مصدر ثانی کی حیثیت سے امام بخاریؒ کا سنت پر اعتماد کرنا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کے بعد سنت کو احکام دین کی اساس مانتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں جمع احادیث کے لئے جو اہتمام کیا ہے، وہ یقیناً قابل قدر ہے، لیکن آپ نے صحیح بخاری کی احادیث کے علاوہ بقیہ احادیث کی عدم صحت کا حکم نہیں لگایا؛ بلکہ صاف فرمایا، کہ کتاب طویل ہونے کے خوف سے انھوں نے ان احادیث کو نہیں لیا ہے، اسی طرح کچھ روایات ان کی شرطوں کے مطابق نہیں تھی تو ان کو تعلیقاً یا ترجمۃ الباب بنا کر پیش کیا اور صحیح احادیث کے اہتمام کی وجہ سے بہت سے فقہی

احکامات بخاری شریف میں نقل نہیں کر سکے ہیں، اسی لئے وہ ترجمۃ الباب میں ضعیف احادیث اور دلالت بعیدہ کو استعمال کرنے پر مجبور ہوئے ہیں، لیکن آپ نے ان روایات کی نفی نہیں کی ہے، اور اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری میں کسی حدیث کا نہ ہونا اس کے صحیح نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الادب المفرد، تاریخ صغیر اور تاریخ کبیر وغیرہ میں وہ احادیث ذکر کی ہیں، جو آپ نے صحیح بخاری میں نقل نہیں کی ہیں۔

افعال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال کی مختلف اقسام ہیں اور ہر قسم کے احکام جدا جدا ہیں:

(۱) وہ جبلی افعال جو بمقتضائے طبیعت صادر ہوں اور جو عبادات سے متعلق نہ ہوں، مثلاً قیام، قعود وغیرہ، ان کی اباحت پر سب کا اتفاق ہے، آپ کے لئے بھی اور آپ کی امت کے لئے بھی، امام شوکانی لکھتے ہیں کہ بعض کے نزدیک یہ مندوب ہیں۔

(۲) وہ افعال جن کے بارے میں کسی دلیل سے یہ معلوم ہو کہ وہ صرف آپ کے ساتھ مخصوص تھے، مثلاً چار سے زیادہ ازواج مطہرات اور صوم وصال وغیرہ، ان میں بالاتفاق امت آپ کے ساتھ شریک نہیں۔

(۳) ایسے افعال جو جبلی نہ ہوں اور نہ آپ کے ساتھ مخصوص ہوں، اگر وہ کسی مجمل کا بیان ہیں مثلاً "صلوا کما رأیتموني اصلي" تو ان کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ ہمارے حق میں دلیل ہیں اور وجوب وندب وغیرہ کے اعتبار سے ان کا وہی حکم ہوگا جو اس مجمل کا ہے۔

(۴) ایسے افعال جو جبلی بھی نہ ہوں، آپ کے ساتھ مخصوص بھی نہ ہوں اور کسی مجمل کا بیان بھی نہیں ہے، ان کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ آپ کے حق میں واجب یا مندوب یا مباح تھے، تو ان کے بارے میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(الف) ان میں امت بھی آپ کی طرح ہوگی، بیشتر ائمہ، فقہاء متکلمین اور جمہور اس کے قائل ہیں، اور امت کے آپ کی طرح ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ وجوب، ندب اور اباحت کے اعتبار سے جیسے آپ کے لئے تھے ویسے ہی آپ کی امت کے لئے ہوں گے۔

(ب) ان میں صرف عبادات میں امت آپ کی طرح ہوگی۔

(ج) جب تک کوئی دلیل عموم نہ ہو یہ امت کے لئے شرع نہ بنیں گے، بلکہ آپ کے ساتھ مخصوص ہوں گے، امام کرخی اور اشاعرہ اسی کے قائل ہیں۔

(د) ان میں توقف کیا جائے گا۔

اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ افعال آپ کے حق میں واجب یا مندوب یا مباح تھے اور ان میں قربت کا قصد ظاہر ہو تو ان کے بارے میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) وہ وجوب کے لئے ہوں گے، آپ کے حق میں بھی اور امت کے حق میں بھی، حنابلہ، معتزلہ کی ایک جماعت، ابن سریج، ابوسعید اصطخری، ابن خیران، ابن ابی ہریرہ اسی کے قائل ہیں۔

(۲) وہ ندب کے لئے ہوں گے، یہ قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، امام الحرمین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۳) وہ اباحت کے لئے ہوں گے، یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

(۴) ان میں توقف کیا جائے گا، یہ صیرفی اور غزالی وغیرہ اکثر اصحاب شافعی، اکثر معتزلہ اور اکثر متکلمین سے منقول ہے۔

لیکن اگر ان میں قربت کا قصد ظاہر نہ ہو تو ان کے بارے میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) وہ ہم پر واجب ہیں، امام شافعی اور اکثر متأخرین شوافع اس کے قائل ہیں اور بقول قرافی ائمہ مالکیہ کی کتب اصول میں بھی یہی منقول ہے اور قاضی ابوبکر نے اسے اہل عراق سے نقل کیا ہے۔

(۲) وہ ہمارے لئے مندوب ہیں، بقول زرکشی یہ اکثر حنفیہ کا قول ہے، بقول رویانی اکثریت کا مذہب یہی ہے، صیرفی اور قفال کبیر بھی اسی کے قائل ہیں۔

(۳) وہ ہمارے لئے مباح ہیں، دبوسی نے اسے ابوبکر رازی سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہی صحیح ہے، امام جوینی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور حنابلہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

(۴) ان میں توقف کیا جائے گا، ابن سمعانی نے اسے اکثر اشاعرہ سے نقل کیا ہے، زرکشی کہتے ہیں کہ ہمارے جمہور اصحاب اسی کے قائل ہیں اور ابن فورک کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے، قاضی ابوطیب نے بھی اسی کی تصحیح کی ہے۔

تقریر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کسی نے کوئی عمل کیا، اور وہ آپ کے علم میں آیا اور انکار پر قدرت ہونے کے باوجود اس پر انکار نہ فرمایا بلکہ سکوت اختیار کیا تو اس کی مختلف صورتیں ہیں اور ہر صورت کے حسب ذیل مختلف احکام ہیں:

(۱) اگر تقریر کسی کافر کے عمل پر ہے تو یہ اس عمل کے جواز کی دلیل نہیں۔

(۲) اگر تقریر کسی غیر کافر کے عمل پر ہے اور پہلے سے اس کی تحریم معلوم نہیں تو یہ تقریر مطلقاً اس فعل کے جواز کی دلیل ہے، اس کے حق میں بھی اور دوسروں کے حق میں بھی، جمہور کا یہی مسلک ہے، بشرطیکہ کسی عموم سابق کی مخصص نہ ہو۔

(۳) اور اگر یہ تقریر کسی عموم سابق کی مخصص ہے تو صرف اسی کے حق میں جواز کو بتائے گی جس کے فعل پر تقریر ہوئی ہے۔

(۴) اگر تقریر کسی غیر کافر کے فعل پر ہے اور پہلے سے اس فعل کی تحریم معلوم ہے تو یہ تقریر اس تحریم کی ناسخ یا مخصص ہوگی۔

(۵) اگر تقریر کے ساتھ ساتھ آپ نے اس فعل پر خوشنودی کا اظہار بھی فرمایا تو یہ بدرجۂ اولیٰ اس فعل کے جواز کی دلیل ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی نے کوئی بات کہی اور آپ نے علم میں آنے اور انکار پر قدرت ہونے کے باوجود اس پر انکار نہ فرمایا، بلکہ سکوت اختیار کیا تو یہ بھی تقریر ہوگی اور اس کی صورتیں اور اس کے احکام بھی یہی ہوں گے۔ کوئی صحابی اگر یہ کہے "کنا نفعل کذا" یا "کانوا یفعلون کذا" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی طرف اس کی اضافت کرے تو اگر وہ ایسی بات ہے کہ اس جیسی بات آپ پر مخفی نہیں رہ سکتی، تو یہ بھی تقریر کے تحت مندرج ہے اور اگر وہ بات ایسی ہو کہ اس جیسی بات آپ پر مخفی رہ سکتی ہے وہ تقریر کے تحت مندرج نہیں۔ انکار پر قدرت کے شرائط اصولیین عائد کرتے ہیں اور فقہاء کی ایک جماعت یہ شرط عائد نہیں کرتی، فقہاء یہ کہتے ہیں کہ آپ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ اپنے نفس پر خوف کی وجہ سے منکر کی تغییر کا وجوب آپ سے ساقط نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ" (ارشاد ۴۱)

ارادۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فعل کا ارادہ کیا، لیکن اسے انجام نہ دیا، تو امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کے نزدیک اس فعل کو عمل میں لانا مستحب ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ ارادۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی سنت کی ایک قسم ہے اور تقدیم و تاخیر کے اعتبار سے پہلے قول کا درجہ ہوگا، پھر فعل کا، پھر تقریر کا اور اس کے بعد ارادہ کا۔

لیکن علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ ارادہ، سنت کی قسم نہیں اور بعض اوقات ارادہ کا مقصد محض زجر بھی ہوسکتا ہے، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "لقد هممت أن اخالف الى قوم لا يشهدون الصلوة فأحرق عليهم بيوتهم"

احادیث قولیہ، فعلیہ اور تقریر سے استدلال

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سنن قولیہ اور فعلیہ دونوں کا محل اتباع ہونا بیان کیا ہے، چنانچہ باب قائم کیا ہے: باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

باب الاقتداء بأفعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
(کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ قبل حدیث ۷۲۷۵، وقبل حدیث ۷۲۹۸)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ترجمۃ الباب کے تحت قول وفعل کی اقتداء کے دلائل ذکر کئے، قول کے ضمن میں (حدیث ۷۲۸۸) ذکر کی ہے اور فعل کے تحت (حدیث ۷۲۷۵) ذکر کی ہے، پھر افعال کے محل اتباع ہونے کو تاکیدی طور پر ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: باب الاقتداء بافعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (حدیث ۷۲۹۸) یہ روایت افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں حرص اور تنافس پر دلالت کرتی ہے۔

افعال النبی صلی اللہ علیہ وسالم صرف ظاہری افعال پر ہی موقوف نہیں ہیں، بلکہ اس میں وہ افعال بھی شامل ہیں جن کا تعلق قلب واعتقاد سے ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بھی افعال شمار کیا ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا اعلمکم باللہ، وان المعرفۃ فعل القلب لقول اللہ تعالی، "ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم"
(البقرہ ۲۲۵، کتاب الایمان، قبل حدیث ۲۰)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تقریری سنت اور افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجت ہونے کی طرف اشارہ اس باب سے کیا: باب من رأی ترک النکیر من النبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ لا من غیر الرسول، (کتاب الاعتصام، قبل حدیث ۷۳۵۵) علامہ کشمیری رحمہ اللہ علیہ اس ترجمہ پر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں: و ھذہ مسئلۃ التقریر، فاعلم ان التقریر انما یکون حجۃ من صاحب الشرع دون غیرہ۔ (فیض الباری: ۴ ۱۱ ۵)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: و قد اتفقوا علی ان تقریر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما یفعل بحضرتہ او یقال و یطلع علی بغیر انکار دال علی الجواز، لان العصمۃ تنفی عنہ ما یحتمل فی حق غیرہ مما یترتب علی الانکار،

فلایقر علی باطل۔" (فتح الباری ۱۳ ۳۲۳)

امام بخاری رحمۃ اللہ علی ترجمہ کی مناسبت سے ایک روایت لائے ہیں (حدیث ۷۳۵۵) اس روایت سے ابن صیاد کے دجال ہونے کا اقرار نہیں کر رہے ہیں، بلکہ صحابی رسول حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابن صیاد کے دجال ہونے کا ذکر کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی نہیں فرمائی، اس کو بطور استدلال نقل کرنا اس روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ عدم انکار کو حجت بنا رہے ہیں۔

جب سنت کو دوسرا درجہ حاصل ہے تو اس کے علاوہ سے استدلال کرنے سے پہلے سنت کی معرفت ضروری ہے، لہٰذا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ بعض احکام سنت بعض صحابۂ کرام اور تابعین کو معلوم نہیں تھے، تو جن حضرات کو معلوم تھے ان سے صحت کے یقین کے ساتھ لئے جائیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سنت قولیہ کی طرح سنت فعلیہ سے بھی استدلال کیا ہے

سنت فعلیہ کی مثالیں: باب الشرب قائما، کتاب الاشربة قبل حدیث ۵۶۱۵، ۱۰۹۶، ۱۲۲۷، ۱۵۵۳، ۱۷۰۸، ۱۷۶۹۔

آپ کے کسی کام کو نہ کرنے (عدم الفعل) سے استدلال:

باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة قبل حدیث ۷۲۷۵، کتاب التفسیر، حدیث ۴۶۷۹، ۴۹۸۶، کتاب الوضوء بعد حدیث ۱۳۴۔

عدم فعل مطلقاً حجت نہیں ہے، خاص کر کے جب قول سے اس کا تعارض ہو۔ چنانچہ ذیل میں اس امر پر بطور دلیل فقہاء کے ایک دو قول نقل کرتے ہیں:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وعدم الفعل لا یدل علی المنع، بل یدل علی ان ترکہ ارجح من فعلہ، (فتح الباری ۱۰، ۱۵۵)

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اذ عدم الفعل انما ھو عدم دلیل واحد من الادلۃ الشرعیۃ، وھو اضعف من القول باتفاق العلماء۔ (فتاوی ابن تیمیہ: ۲۱، ۳۱۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی ایسی مثالیں پیش کی ہیں جن میں قولاً اس عمل پر آمادہ کیا گیا ہے؛ حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کو نہیں کیا ہے، چنانچہ چاشت کی نماز کے سلسلہ میں تین تراجم قائم کئے ہیں، اور تینوں میں مختلف روایتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاشت نہ پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، پھر بھی چاشت کی طرف صراحۃً ترغیب دی گئی ہے، اگر چہ فتح مکہ مکرمہ والی روایت میں صراحت نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چاشت کے وقت میں نماز پڑھنا فتح کی وجہ سے تھا یا اور کسی وجہ سے۔

علامہ ابن المنیر تراجم بخاری میں فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جب احادیث کے ظاہر کو مختلف پایا، مثلاً أوصانی خلیلی بثلاث، لا أدعھن: صوم ثلاثۃ أیام من کل شھر، ونوم علی وتر، وصلاۃ الضحی، اس حدیث کو حضر پر محمول کیا اور باب صلاۃ الضحی فی الحضر کا عنوان لگایا، اس میں ترغیب وتاکید اور نوم علی وتر کے الفاظ اس کے حضر کے حالات کو متعین کرتے ہیں، اور نفی کی احادیث کو سفر پر محمول کرتے ہیں، چنانچہ باب صلاۃ الضحی فی السفر عنوان کے تحت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت (حدیث ۱۱۷۵) میں چاشت کی نفی معلوم ہوتی ہے، اور ام ہانی کی فتح مکہ مکرمہ والی روایت کو حضر کے ماتحت نقل کر کے اشارہ کر دیا کہ آپ مسافر تھے اور سفر میں آپ کا معاملہ حسب حال ہوتا تھا اور فعل کو آسان کرنا مقصود تھا، نیز یہ وہم نہ ہو کہ چاشت کی نماز سفر میں ممنوع یا بدعت ہے۔ (التواری علی ابوب البخاری: ۱۲۴) اسی لئے ان دو ابواب کے درمیان ایک اور باب کا اضافہ کیا کہ چاشت واجب نہیں ہے۔

باب من لم یصل الضحی و رآہ واسعاً اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت نقل کی؛ قالت: ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبح سبحۃ الضحی، و انی لأسبحھا۔ (حدیث ۱۱۷۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمل اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قولی ارشاد ثابت ہو جاتا تھا تو صحابۂ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم فعل کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔

سنت پر دلالت اور اس پر استدلال کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ عبارتیں اور اصطلاحات ذکر کی ہیں، مثلاً سنت کے لفظ "أصلا" کو استعمال کیا ہے۔

باب من شبہ أصلا معلوما بأصل مبین قد بین اللہ حکمھما لیفھم السائل۔

(کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ قبل حدیث ۷۳۱۴)

سنت کے لئے لفظ دلیل کا استعمال بھی ایک ہی مسئلہ میں تین جگہوں پر کیا ہے۔ (قبل حدیث ۳۱۱۳، ۳۱۳۱، ۳۱۴۰) اسی طرح کبھی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کبھی باب ما جاء اور کبھی باب ما یذکر کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ (قبل حدیث ۵۴، قبل حدیث ۹۹۰، قبل حدیث ۱۱۶۲، قبل حدیث ۱۴۹۱، قبل حدیث ۲۱۳۱، ۲۴۱۰)

خبر واحد اور امام بخاری

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خبر واحد کے اہتمام شان کے پیش نظر بخاری شریف میں مستقل ایک عنوان قائم کیا، "کتاب أخبار الآحاد" اس میں چھ (۶) ابواب قائم کئے ہیں، اور خبر واحد کے قبول کرنے پر ۲۵ر دلائل ذکر کئے، بعض دلائل کتاب وسنت کے حوالہ سے ذکر کئے، مثلاً باب ما جاء فی اجازۃ خبر الواحد الصدوق فی الأذان و الصلاۃ و الصوم و الفرائض و الاحکام، و قول اللہ تعالی، : وما کان المؤمنون لینفروا

کافة، فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین و لینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون۔ (التوبہ ۱۲۲) دوسری آیت: وقولہ تعالیٰ: "ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا"۔ (الحجرات: ۶) و کیف بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرائہ واحدا بعد واحد، فان سها احد منهم رد الی السنة۔

(قبل حدیث ۷۲۴۶) "فان سها" والی عبارت تعارض یا خطا کی طرف اشارہ کرتی ہے، اور اس عبارت میں اہل سنت والجماعت کی تائید ہوتی ہے کہ خبر واحد ظن کا فائدہ دیتی ہے، یقین کا نہیں، لیکن محض ظن کی وجہ سے رد نہیں کی جائے گی، کیوں کہ عمومی احکام غلبۂ ظن سے مستفاد ہوتے ہیں، لہٰذا جب تک اس کے معارض اس سے کوئی قوی دلیل نہ ہو خبر واحد پر عمل کرنا واجب ہوگا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پندرہ دلائل سنت سے ذکر کر رہے ہیں، جو خبر واحد کی حجیت پر دلالت کرتی ہیں۔

(حدیث ۷۲۴۷، ۷۲۵۰، ۷۲۴۸، ۷۲۵۱، ۷۲۵۴، ۷۲۵۶، ۷۲۶۰، ۷۲۶۳، ۷۲۶۲، ۷۲۶۱)

پھر اخیر میں ایک باب "باب خبر المرأة الواحدة" سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایک مرد کی طرح ایک سچی عورت کی خبر بھی قبول کی جائے گی اور اس پر بھی احکام کی بنا ہوگی۔ (حدیث ۷۲۶۷) کتاب اخبار الآحاد کے علاوہ بھی دو مقامات پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خبر واحد کی حجیت کو ذکر کیا ہے (۱) باب هل یجوز للحاکم أن یبعث رجلا واحدا وحده للنظر فی الامور۔ (حدیث ۶۱۹۳) (۲) باب ترجمة الحکام وهل یجوز ترجمان واحد۔ (قبل حدیث ۷۱۹۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر احکام کے دلائل تفصیلیہ کے لئے خبر واحد کو حجت بنایا ہے، البتہ عقائد کے ثبوت کے لئے خبر واحد کے حجت ہونے کو صراحۃً ذکر نہیں کیا ہے، اس وجہ سے بعض شراح نے یہ لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خبر واحد کی عقائد کے سلسلہ میں حجیت کے قائل نہیں ہے، چنانچہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ کرمانی کے حوالہ

سے لکھا ہے: لیعلم انما ھو فی العملیات، لا فی الاعتقادیات۔ (فتح الباری: ۱۳، ۲۳۴، عمدۃ القاری: ۲۰، ۱۸۸)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اس کی صراحت نہیں ہے البتہ ان کے کلام کے مفہوم مخالف سے یہ محسوس ہو رہا ہے۔

حدیث ضعیف سے احتجاج کے سلسلہ میں امام بخاریؒ کا منہج

بخاری شریف میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اصح واوثق روایتوں کو ہی ترجیح دی ہے، لیکن دوسری تصانیف میں آپ نے صحیح، حسن اور قدرے قلیل ضعیف روایتوں سے بھی استدلال کیا ہے، چنانچہ علامہ البانی نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الأدب المفرد" کی احادیث کی تخریج کی ہے، اس میں احادیث وآثار صحیحہ کی تعداد ۹۹۸ ہیں، اور ضعیف روایات وآثار کی تعداد ۲۱۵ ذکر کی ہے، اس میں ضعیف احادیث کی تعداد بھی کتاب کے فضائل اور ترغیب وترہیب پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ظفر احمد عثمانی نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث ضعیفہ لانے کی یہی وجہ ذکر کی ہے۔ (ھدی الساری: ۴۱۴، قواعد فی علوم الحدیث: ۴۲۶) علامہ البانی کی ذکر کردہ احادیث ضعیفہ کے اکثر مضامین اور احکام کی بھی آیات و احادیث صحیحہ سے تائید ہوتی ہے، اسی لئے علمائے کرام کی ایک جماعت نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ضعیف حدیث پر بالکل عمل نہیں کرتے ہیں۔ (ہامش قواعد فی علوم الحدیث، ۴۲۶، ماتمس الیہ حاجۃ القاری: ۸۷)

یہ بات بھی مسلم ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ شدید ضعف والی روایات کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں، راوی کے ضعف کی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہزاروں روایات کو چھوڑ دیا ہے، اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب کسی راوی کے متعلق "فیہ نظر" کہتے ہیں تو اس کا مطلب عموماً متروک ہوتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احکام کے ثابت کرنے کے لئے کئی غیر صحیح روایات کو ترک کر دیا ہے جو آپ کے ضعیف حدیثوں کے تعلق سے نظریہ کو ثابت کرتے ہیں، اسی طرح کئی روایات کا ضعف بیان کرنے کے لئے بھی ان کا ذکر کیا ہے، چنانچہ ان کے لئے "لم یصح، لا یصح" کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔ (حدیث ۸۴۸، قبل حدیث ۲۶۰۹، بعد حدیث ۶۴۴۳) اسی طرح تراجم کے کسی حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہیں، کی شراح حدیث نے اسے ذکر کیا ہے، مثلاً "باب غسل الوجه بالیدین من غرفة واحدة" کے ماتحت روایت ذکر کی۔ (حدیث ۱۴۰) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مراده بهذ التنبیه علی عدم اشتراط الاغتراف بالیدین جمیعاً، الاشارة الی تضعیف الحدیث الذی فیه انه صلی الله علیه وسلم کان یغسل وجهه بیمینه۔ (فتح الباری ۱، ۲۴۱) اسی طرح باب التسمیة علی کل حال، و عند الوقاع کے ضمن میں ایک روایت ذکر کی۔ (حدیث ۱۴۱) ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وفیه اشارة الی تضعیف ما ورد من کراهة ذکر الله تعالیٰ فی حالین، الخلاء والوقاع۔ (فیض الباری: ۱/ ۲۴۲)

حدیث ضعیف اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے مطابق نہ ہونے والی احادیث سے استدلال اور حدیث ضعیف کے معنی کی صحت اور معمول ہونے کی بنیاد پر استدلال

بخاری شریف میں تو حدیث ضعیف نہیں ہے لیکن کبھی ترجمۃ الباب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کئے بغیر یا احتمال کے صیغہ (یذکر عن النبی صلی الله علیه وسلم) کے ساتھ ضعیف روایت ذکر کرتے ہیں، تو یہ بطور استیناس صحت معنی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہوتا ہے، کیوں کہ دوسری صحیح حدیث اس کے معنی کی تائید کرنے والی ہوتی ہے۔

شیخ نور الدین عتر فرماتے ہیں: و أما البخاری فروی فی کتابه بعض

الأحاديث الضعيفه، للايفاء بالغرض الفقهي الذى قصده، لكنه خرجها عن موضوع كتابه فرواهافي التراجم۔(الامام الترمذى والموازنه بين جامعه وبين الصحيحين ۱۹۱ـ۲۰۷)

اس کی مثال باب تاویل قوله تعالىٰ: "مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ۔ (النساء: ۱۲) ویذکر أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قضی بالدین قبل الوصية۔ (قبل حدیث ۲۷۵۰) یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن اس پر اہل علم کا عمل ہے۔ (ترمذی: ۴۳۵۴، حدیث ۲۱۲۲) ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: و كأن البخاری رحمة الله تعالىٰ اعتمد عليه لاعتضاده بالاتفاق على مقتضاه، و الا فلم تجر عادته ان يورد الضعيف في مقام الاحتجاج به۔ (فتح الباری ۵؍۳۷۷)

اسی طرح الجهاد ماض مع البر و الفاجر والی روایت ضعیف ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت واضح نہیں فرمائی لیکن الخيل معقود في نواصيها الخير الى يوم القيامة والی روایت سے اس کے معنی کے صحت کی وضاحت کی۔

نوٹ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بعض احادیث کے متعلق أصح شيء في هذا الباب یا أحسن شيء في هذا الباب کی عبارت نقل کی ہے، یہ عبارت حدیث کی تصحیح کو بیان نہیں کرتی، علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ ابن قطان کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ أصح شيء في هذا الباب یہ الفاظ کی تصحیح نہیں کرتے ہیں، بلکہ مراد اشبه في هذا الالباب و اقل ضعفا ہے، قال الزیلعی: "فظهر من ذلك ان قول البخاری اصح شيء ليس معناه صحيحا" (نصب الرایہ ۱؍۲۷۲)

ان روایات سے (معنی کی صحت کی شرط کے ساتھ) استدلال جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے مطابق نہیں ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کبھی ترجمۃ الباب کسی ایسی حدیث کو بنا دیتے ہیں جو ان کی شرط پر نہیں ہوتی، شرط کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس کو مسنداً روایت کرنے سے

معذور ہیں، لہذا ترجمۃ الباب کا حصہ بنا کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث بھی صحیح اور قابل استدلال ہے۔

علامہ ابن المنیر المتواری فی تراجم البخاری میں "احب الدین الی اللہ تعالیٰ الحنفیۃ السمحۃ" (قبل حدیث ۳۹) سے ترجمۃ الباب قائم کرنے کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: ان لفظ الترجمۃ فی الحدیث لم یوافق شرط البخاری، فلما وافقہ حدیث الباب بمعناہ، نبہ علیہ فی الترجمۃ، یعنی انہ ان فات صحۃ لفظہ فمعناہ صحیح بھذا الحدیث الذی ذکرہ مسندا۔ (المتواری ۵۲)

قال ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: استعملہ المؤلف فی الترجمۃ لکونہ متقاصرا عن شرطہ، وقواہ بما دل علی معناہ لتناسب السھولۃ والیسر۔ (فتح الباری ۱/۹۴)

الدین النصیحۃ والی روایت ترجمۃ الباب میں لائے اور متن میں مسنداً ذکر نہیں کی، کیوں کہ وہ ان کی شرط کے مطابق نہیں ہے، لیکن فی الجملہ صلاحیت رکھتی ہے، علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے مسنداً ذکر نہ کرنے کی وجہ تحریر فرماتے ہیں: الا أنہ لم یذکر اسنادہ لأن راوی ھذا الحدیث من طریق تمیم الداری۔ وھو أشھر طرقہ۔ سھیل ابن أبی صالح، ولیس سھیل من شرطہ۔ (فتح الباری: ۱/۱۳۸، اعلام الحدیث: ۱/۱۸۷) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کبھی کسی لفظ سے ترجمہ قائم کرتے ہیں اور اس کو متن حدیث میں ذکر نہیں کرتے، اس کی وجہ روایت کے بعض طرق میں ضعف و کمزوری ہوتی ہے، قال ابن حجر: ولم یرض بسند ھذہ الزیادۃ، فلم یدخلہ فی کتابہ، وقد فعل مثل ھذا فی کتابہ کثیراً کما یترجم بالشیء ولا یذکرہ، ویشیر الی انہ روی فی بعض طرقہ، وانما لم یذکرہ للین فی سندہ۔ (فتح الباری: ۱۲/۴۰۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب الاستبرق و دخول الجنۃ فی المنام کے ماتحت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ذکر کیا ہے، لیکن حدیث شریف میں استبرق کا ذکر

نہیں ہے، جب کہ اسی پر عنوان قائم کیا ہے، لیکن اسی روایت کو کتاب التہجد (حدیث ۱۱۵۶) میں دوسرے طریق سے ذکر کی اور اس میں استبرق کا لفظ ہے، تو ایک جگہ زیادتی ذکر کرتے ہیں اور دوسری جگہ ذکر نہیں کرتے ہیں لیکن ترجمۃ الباب میں دوسری روایت کی طرف اشارہ کردیتے ہیں۔ (حدیث ۷۰۵۱، ۷۰۱۶)

حدیث صحیح ہونے کے باوجود کسی معارض کی وجہ سے عمل ترک کرنا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث صحیح ہونے کے باوجود دوسری قوی معارض روایت کی وجہ سے اس پر عمل ترک کردیتے ہیں، کبھی تو حدیث ذکر کرتے ہیں اور اس کے معارض کو بھی ذکر کرکے معارض اقوی کو ترجیح دیتے ہیں اور کبھی اس کو اس باب کے بجائے دوسرے باب میں ذکر کرکے اشارہ کرتے ہیں کہ اس مسئلہ کا استنباط اس حدیث سے نہیں ہوتا ہے، بلکہ دوسرے مسئلہ کا استنباط ہوتا ہے، لہٰذا دوسرے موقع پر اس روایت کو ذکر کرتے ہیں، تاکہ اقوی معارض کے مقابلہ میں روایت نہ آئے اور اقوی کو ہی ترجیح حاصل ہو، مثلاً حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی روایت (۳۶۴۲) جس کا تعلق بیع فضولی سے ہے، اس کو کتاب البیوع کے بجائے کتاب المناقب میں لائے، اس کی وجہ روایت کا ضعف یا علی عدم شرط نہیں ہے، بلکہ اس کے ظاہری مسئلہ کا معمول بہا نہ ہونا ذکر کرنا مقصود ہے۔

قال ابن حجر: "فقد یکون الحدیث علی شرطه و یعارضه عنده ما هو اولی بالعمل به من حدیث آخر، فلا یخرج ذلک الحدیث فی بابه، و یخرجه فی باب آخر، و لینبه بذلک علی أنه صحیح، الا ان مادل ظاهره علیه غیر معمول به عنده، و الله اعلم۔" (فتح الباری: ۶/۲۳۵) اسی طرح زمین کو اجارہ پر دینے کی ممانعت والی روایات اگرچہ صحیح ہیں، لیکن یہ ممانعت وجوبی نہیں ہے بلکہ استحبابی ہے اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں اس کی رعایت کرتے ہوئے دوسرا انداز اختیار کیا۔

روایت بالمعنی

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت

بالمعنی اور اختصار حدیث سے بخاری شریف میں کئی جگہ کام لیا ہے، جیسے ایک جگہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بالمعنی ذکر کی ہے، اس پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: بل هو من تفقه البخاری و تجویزه لذکر الحدیث بالمعنی۔ (فتح الباری: ۲/ ۳۴۰)

سیر اعلام النبلاء کے محقق شیخ صالح السمر لکھتے ہیں: و یعنی هذا ان البخاری یری جواز الروایة بالمعنی و جواز تقطیع الحدیث من غیر تنصیص علی اختصاره بخلاف مسلم، و سبب ذلک ان البخاری صنف کتابه فی طول رحلته فکان لاجل هذا ربما کتب الحدیث من حفظه فلا یسوق الفاظه برمتها، بل یتصرف فیه و یسوقه بمعناه، اما مسلم فقد صنف کتابه فی بلده بحضوره اصوله فی حیاة شیوخه، و کان یتحرز فی الالفاظ و یتحری فی السیاق، والبخاری استنبط فقه کتابه من أحادیثه، فاحتاج ان یقطع الحدیث الواحد اذا اشتمل علی عدة احکام لیورد کل قطعة منه فی ا لباب الذی یستدل به علی ذلک الحکم الذی استنبط منه۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۱۱)

امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان فرق بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اختصار حدیث اور روایات بالمعنیٰ کی صراحت کئے بغیر دونوں سے کام لیتے ہیں، کیوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب لمبے علمی سفر میں تصنیف کی ہے، لہذا وہ کبھی روایت اپنے حافظہ کے مطابق بھی نقل کرتے ہیں، جب کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اپنے شہر میں علمائے حدیث کے درمیان رہ کر لکھی، لہٰذا الفاظ کا مکمل خیال رکھا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث سے مسائل کا بھی استنباط کیا، لہٰذا وہ ایک حدیث کے ساتھ مختصراً یا تقطیع کے ساتھ مجتہد فیہ الفاظ کو ہی ذکر کرتے ہیں کیونکہ ایک حدیث کئی مسائل کو مشتمل ہوتی ہے، بخلاف امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ وہ مسائل کے استنباط کے بغیر نفس روایات کو جمع کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

بخاری میں روایت بالمعنیٰ اکثر تراجم اور معلقات میں ہوا ہے، جب کی اختصار اکثر روایت مسندہ میں ہوا ہے۔

معلقات میں روایت بالمعنی

احادیث معلقہ کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صیغۂ تمریض کے ساتھ نقل کیا ہے، یہ زیادہ تر ان کے ضعف یا شرائط نہ پانے کی وجہ سے ہے، لیکن کبھی صحیح روایت کو بھی تمریض کے صیغے کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، کیوں کہ وہ اس روایت کو بالمعنی نقل کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **فأما ما هو صحي فلم نجده فيه ما هو على شرطه الا مواضع يسيرة جداً و وجدناه لا يستعمل ذلك الا حيث يورد ذلك الحديث المعلق بالمعنى۔** (ھدی الساری: ۱۸) دوسری جگہ فرماتے ہیں: **و قد يستشكل ترك البخاري الجزم به مع صحته عنه، و ذلك محمول على قاعدة ذكرها لي شيخنا أبو الفضل بن الحسين الحافظ، وهي: أن البخاري لا يخص صيغة التمريض بضعف الاسناد، بل اذا ذكر المتن بالمعنى او اختصره اتى بها ايضا، لما علم من الخلاف في ذلك۔** (فتح الباری: ۱/ ۱۱۱) مطلب یہ ہے کہ احتیاطاً صیغۂ تمریض کے ساتھ صحیح روایت کو بھی ذکر کرتے ہیں، کیونکہ بعض علماء نے روایت بالمعنیٰ کو جزم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں سمجھا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت "**ليبلغ العلم الشاهد الغائب**" میں لفظ "علم" کا اضافہ کیا ہے، جب کہ حدیث شریف میں العلم کا لفظ نہیں ہے، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"**وليس هو في شئ من طرق حديث ابن عباس بهذه الصورة، و انما هو في روايته و رواية غيره بحذف العلم، و كانه اراد بالمعنى لان الأمور بتبلغيه العلم** (فتح الباری: ۱/ ۱۹۸) اسی طرح "**باب أوقاف اصحاب النبي ﷺ و ارض الخراج و مزارعتهم و معاملاتهم**" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بالمعنیٰ نقل کیا اور دوسری جگہ روایت باللفظ نقل کیا۔ (قبل حدیث ۲۳۳۴، ۲۷۶۴، ونحوہ ۲۷۷۲)

اسی انداز میں **باب الوصايا، قول النبي ﷺ: وصية الرجل مكتوبة**

عندہ میں علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "مکتوبۃ عندہ" پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ حدیث نہیں ہیں: لم اقف علی هذاالحدیث بالفظ المذکور، و کأنه بالمعنیٰ فان المرأ هو الرجل لکن التعبیر به خرج مخرج الغالب، و الا فلافرق فی الوصیة الصحیحة، بین الرجل و المرأة۔ (فتح الباری: ۵/ ۳۵۶) صحیح حدیث میں رجل کے بجائے ما حق امرئ مسلم کا لفظ آیا ہے، لہٰذا وصیت کرنے والا مرد ہو یا عورت ہو کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ حدیث کا مفہوم دونوں کو شامل ہے۔ (حدیث ۲۷۳۸)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "باب الرقی بفاتحة الکتاب" کے عنوان کے بعد لکھا: "یذکر عن ابن عباس عن النبی ﷺ" (قبل حدیث ۵۷۳۶) جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت رقیہ بفاتحۃ الکتاب کی ((صراحۃً حکم)) فرماتے ہوئے نہیں سنی، بلکہ صحابی کے واقعہ کی آپ نے تقریر فرمائی، تو یہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انتساب روایت بالمعنیٰ ہوا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رقیہ والے واقعہ میں اجرت لینے کی ممانعت نہیں فرمائی۔ (ھدی الساری: ص، ۱۸)

یہ تمام مثالیں روایت بالمعنیٰ کی ہیں، اس میں سند مذکور نہیں ہے، لیکن جب ان روایات کو سنداً ذکر کرتے ہیں تو روایت باللفظ سے ہی ذکر کرتے ہیں۔ روایت مسندہ میں بالمعنیٰ جن روایات کو ذکر کیا ہے وہ اختصار اور تقطیع حدیث کی شکل میں ہے، اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دو حدیثوں کے معنیٰ کو ایک ساتھ ملا دیتے ہیں اور ایک ہی روایت میں دونوں کے الفاظ ملا کر اس کو نقل کرتے ہیں، جیسے "باب وکالة الشریک وقداشرک النبی ﷺ علیاً فی هدیه ثم أمر بقسمتها" یہ دو حدیثوں کا مضمون ہے۔ ایک کتاب الحج کی روایت جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدنہ کی نگرانی اور جانور کی تقسیم کا حکم دیا، اور دوسری حدیث کتاب الشرکۃ کی ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے عمرہ والے احرام کے ساتھ رہنے اور ہدی میں شریک ہونے کا حکم دیا تھا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں دونوں روایات کو بالمعنیٰ جمع کر دیا۔ (ھدی

الساری: ص۔ ۴۲) اسی طرح روایت "انما انا قاسم و خازن و اللہ یعطی" یہ الفاظ بھی دو حدیثوں سے ماخوذ ہے۔ (فتح الباری: ۶/۲۱۸)

حدیث شریف کا اختصار اور تقطیع

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت کے بہت سے اجزاء کو مختلف مسائل کے ثبوت کے لئے مختصراً نقل کرتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی روایت ۱۳/مقامات پر ذکر کی ہے، کسی جگہ مکمل اور کسی جگہ ترجمہ کے مطابق شاہد کے طور پر، مثلاً حدیث ۷۴، ۷۸، ۱۲۲، ۲۲۶۷، ۲۷۲۸، ۳۲۷۸، ۳۴۰۰، ۳۴۰۱، ۴۷۲۵، ۴۷۲۶، ۴۷۲۷، ۶۶۷۲، ۷۴۶۸، ۔ اسی طرح سقیفہ والی روایت : ۲۴۶۲ نمبر پر مختصر طور پر ذکر کی اور ۶۸۳۰ نمبر پر مکمل نقل کی، اور دوسرے مقامات : ۳۴۴۵، ۳۹۲۸، ۴۰۲۱، ۶۸۲۹، ۷۳۲۳ نمبر پر کچھ الفاظ نقل کئے ہیں، اور ہر جگہ کوئی نیا مسئلہ ثابت کیا ہے، حجۃ الوداع والی روایت بھی کئی مقامات پر نقل کی ہے، حدیث نمبر ۱۵۴۵ پر مکمل نقل کی اور حدیث نمبر ۱۶۲۵، ۱۷۳۱ پر مختصراً اور تقطیع کے ساتھ نقل کی ہے۔

احادیث مسندہ کو روایت بالمعنیٰ نقل کرنا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ روایات مسندہ کو بھی بالمعنیٰ نقل کیا ہے، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ چوں کہ خود فقیہ ہیں، لہٰذا روایت بالمعنیٰ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مثلاً بنی الاسلام والی روایت میں حج کو روزہ پر مقدم کر کے والحج و صوم رمضان ذکر کیا ہے، جب کہ یہ روایت مسلم شریف میں روزہ کی تقدیم کے ساتھ منقول ہے، اور روایت میں ایک آدمی نے الحج و صیام رمضان کہا، تو راوی ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ لا، صیام رمضان والحج؛ ھکذا سمعتہ من رسول اللہ ﷺ۔ (مسلم حدیث ۱۶) قال ابن حجر: ففي ھذا اشعار بان روایۃ حنظلۃ التی فی البخاری مرویۃ بالمعنی۔ (فتح

الباری:۱/۵۰) کچھ حضرات نے راوی حدیث حنظلہ کی طرف روایت بالمعنی نقل کرنے کی نسبت کی ہے لیکن ابوعوانہ نے حنظلہ سے تقدیم صوم علی الحج والی روایت بالمعنی نقل کی ہے، وہ ان روایات کی طرح ہی منقول ہے، جن سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے، خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت بالمعنی نقل کی ہے۔

البتہ روایت بالمعنی نقل کرنے کے مجوزین علماء نے بھی یہ شرط لگائی ہے کہ روایت بالمعنی سے اگر حدیث کے مفہوم میں تفاوت ہوجاتا ہو تو پھر روایت بالمعنی جائز نہیں ہے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عموماً اس کا لحاظ رکھا ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی شرط کی بنیاد پر روایت بالمعنی کے جواز پر جمہور کا اتفاق نقل کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

هذا هو الصواب الذی تقتضیه أحوال الصحابة رضی الله عنهم فمن بعدهم فی نقلهم القضیة الواحدة بالفاظ مختلفة"

(ماتمس الیہ حاجۃ القاری:ص ۹۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے کہ اکثر روات رواۃ بالمعنی نقل کرتے ہیں، کثرت طرق والی روایت سے اس کا علم ہوتا ہے، جس میں روایت کے الفاظ مختلف ہوتے ہیں: **فان مخارج الحدیث اذا کثرت قل ان تتفق ألفاظه لتوارد اکثر الرواة علی الاقتصار علی الروایة بالمعنی بحسب ما یظهر لأحدهم انه واف به، الحامل لاکثرهم علی ذلک انهم کانوا لا یکتبون، و یطول الزمان فیتعلق المعنی بالذهن، فیرتسم فیه و لا یستحضر اللفظ، فیحدث بالمعنی، لمصلحة التبلیغ ثم یظهر من سیاق من هو أحفظ منه انه لم یوفِ بالمعنی۔** (فتح الباری:۱۳/۲۴۸)

حدیث منسوخ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سنت میں نسخ کی صراحت کرتے ہوئے دو روایتیں ذکر کی ہیں۔ قولی اور فعلی۔ (۱) قولی کی مثال نکاح متعہ کے جواز کی (حدیث نمبر ۵۱۱۹) ہے، اور دوسری ممانعت کی (روایت نمبر ۵۱۱۵) ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متعہ کی نہی والی

روایت کا ترجمہ "باب نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن نکاح المتعة أخیرا" سے قائم کیا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: و قوله فی الترجمة "أخیرا" یفهم منه انه کان مباحاً، و ان النهی عنه وقع فی آخر الامر، ولیس فی أحادیث الباب التی أوردها التصریح بذالک۔ (یعنی کچھ اباحت پر اور کچھ تحریم پر دلالت کرتے ہیں) لکن قال فی آخر الباب ان علیاً بین انه منسوخ، و قد وردت عدة أحادیث صحیحة صریحة بالنهی عنها بعد الاذن فیها۔ (فتح الباری: ۹/ ۱۶۷)

نسخ فعلی کی مثال حدیث نمبر ۶۸۹ ہے، جس میں واذا صلیٰ جالساً فصلوا جلوساً أجمعون کا لفظ ہے، یعنی امام کی اقتداء میں مقتدی کو ہر عمل کرنا چاہئے، اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تمام مقتدیوں کو باوجود استطاعت کے بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کے اخیر میں اپنے استاد حمیدی کا قول نقل کرتے ہیں: قال الحمیدی: قوله "اذا صلی جالساً فصلوا جلوساً" هو فی مرضه القدیم ثم صلی بعد ذلک النبی ﷺ جالساً و الناس خلفه قیاما لم یأمرهم بالقعود، و انما یؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی ﷺ۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کبھی نسخ کی صراحت کئے بغیر صرف اشارہ کرتے ہیں:

جیسے باب الصلوة علی من ترک دینا کا عنوان قائم کیا، (جب کہ اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوا علی صاحبکم فرمایا (حدیث ۲۲۹۸) یہ عنوان حدیث نمبر ۲۳۹۸ پر قائم کر کے حدیث نمبر ۲۲۹۸ میں آگے صحابی خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس کے خلاف ذکر کرتے ہیں: فلما فتح الله علیه الفتوح، قال أنا اولی بالمؤمنین من انفسهم، فمن توفی من المؤمنین فترک دینا فعلیّ قضاءه، ومن ترک مالا فلورثته، علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلام الحدیث (۲/ ۱۱۳۰) میں اس کو نقل کیا ہے۔

اسی طرح ابتداء اسلام میں نماز کے درمیان سلام کا جواب دیا جاتا تھا، امام

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ لہ عنہ کی روایت نقل کی ہے ہم نماز میں آپ کو سلام کرتے تھے ہمارے سلام کا جواب دیا جاتا تھا، حبشہ کی ہجرت سے واپسی کے بعد ہم نے سلام کیا تو جواب نہیں دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان فی الصلاۃ لشغلا (حدیث ۱۱۹۹، ۱۲۱۶) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ذکر کرنے کے لئے "باب ما ینھی من الکلام فی الصلوۃ" کے عنوان سے اس کی منسوخیت کو بیان کیا ہے، اسی طرح شراب کے لئے مستعمل برتنوں کے استعمال کی ممانعت فرمائی گئی اور بعد میں اس کی اجازت دی گئی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نسخ کے ثبوت کے لئے "باب ترخیص النبی ﷺ فی الاوعیۃ و الظروف بعد النھی۔" (قبل حدیث ۵۵۹۲) کو عنوان اختیار کیا ہے۔

سنت کی توضیحانہ شان

قرآن کریم کی کئی مجمل آیات کی تشریح وتفسیر احادیث کے ذریعہ کی گئی ہے:

"و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم و لعلھم یتفکرون"۔ (النحل ۴۴) اس پر شاہد ہے، اسی طرح بعض احادیث کے اجمال کو دوسری احادیث سے واضح کیا گیا ہے۔

بعض احادیث کی وضاحت اور مختلف معانی کے احتمالات کو اقوال صحابہ وتابعین اور علمائے کرام سے حل کیا جاتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام امور پر تفصیلی مثالیں ذکر کی ہیں۔

سنت سے قرآن کریم کی وضاحت

باب: فان تابوا و أقاموا الصلوۃ و آتوا الزکوۃ فخلوا سبیلھم۔ (التوبہ: ۵) اس عنوان کے ماتحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت لائے (حدیث ر ۲۵) تابوا کی تفسیر شہادتین سے کی، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نے حدیث کو آیت کی تفسیر قرار دیا: کیونکہ آیت میں توبہ سے مراد کفر سے ایمان کی طرف لوٹنا ہے، آیت وحدیث کے درمیان دوسری مناسبت یہ ہے کہ حدیث کا لفظ عصمت اور آیت کا لفظ تخلیہ دونوں ایک معنی میں ہیں۔ (فتح الباری: ۱/۷۵)

اسی طرح آیت کریمہ "فاغسلوا" کی وضاحت میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تین مرتبہ سے زائد کی نفی کرتے ہوئے اسراف کی ممانعت کی۔ (بعد حدیث: ۱۳۴)

آیت کریمہ "کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الأبیض من الخیط الأسود" کی تشریح حدیث عدی بن حاتم (حدیث ۱۹۱۶) سے کی۔

حدیث سے حدیث کی وضاحت: (عام، مجمل، مطلق)

ایک حدیث کے اجمال کو دوسری حدیث کے بیان سے، ایک روایت کے عام کو دوسری کے خاص سے اور ایک روایت کے مطلق کو دوسری روایت کے مقید سے واضح کرنے کی بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مثالیں ذکر کی ہیں اور اس کو "والمفسر یقضی علی المبهم اذا رواه أهل الثبت" کے عنوان سے تعبیر کیا ہے، دوسری جگہ "و یؤخذ بدأفی العلم بما زاد أهل الثبت او بینوا" سے مؤید کیا ہے۔

حدیث مثبت کو حدیث نافی پر مقدم کرنے اور تعارض حدیث کے موقع پر دونوں کے درمیان جمع کے سلسلہ میں بھی اسی قاعدہ کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے، چنانچہ "باب منتهی التلقی" کے ماتحت دو روایتیں ذکر کیں۔ حدیث: ۲۱۶۶ ذکر کر کے فرمایا: هذا فی أعلی السوق یبینه حدیث عبید الله۔ اور حدیث عبید اللہ ۲۱۶۷ نقل کی، اس میں یہ ثابت کرنا چاہا کہ حدیث ثانی مبین اور خاص ہے، اول حدیث میں تلقی رکبان سے منع کیا گیا اور ثانی میں بتایا گیا کہ تلقی اعلی السوق میں جائز ہے، البتہ منتقل کرنا جائز نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ پہلی روایت کا تعلق خارج شہر کی تلقی سے ممانعت کا ہے۔

کبھی حدیث شریف کی مجمل یا مشکل لفظ کی اسی حدیث یا دوسری حدیث کے کسی لفظ سے وضاحت ہو جاتی ہے مثلاً ایک روایت "رجل آتاه الله القرآن فهو یقوم به اناء

الالیل و النهار" میں یقوم به متعدد معانی کا احتمال رکھتا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حدیث شریف کا ہی دوسرا لفظ " لو أوتیت مثل ما اوتی هذا فعلت کمایفعل" نے واضح کر دیا کہ قیام سے تلاوت کرنا مراد ہے، پھر دوسری روایت ذکر کی، جس میں صاف لفظ فهو یتلوه آناء اللیل و آناء النهار ہے۔ (حدیث ۷۵۲۸، ۷۵۲۹)

آیات کی روشنی میں احادیث کی وضاحت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کے ابہام و اشکال کو دور کرنے کے لئے آیت کو ترجمۃ الباب میں ذکر کیا باب من لم یتغن بالقرآن، و قوله تعالیٰ: أولم یکفهم انا انزلنا علیک الکتاب یتلیٰ علیهم۔ (العنکبوت ۵۱) یہ آیت کریمہ قال رسول اللہ ﷺ: لم یأذن الله لشیٔ ما اذن لنبی ان یتغنی بالقرآن کی تشریح ہے، قال سفیان: تفسیره: یستغنی به ۔ قال ابن التین: یفهم من الترجمة ان المراد بالتغنی الاستغناء لکونه اتبعه الآیة التی تتضمن الانکار علی من لم یستغن بالقرآن عن غیره۔ (فتح الباری: ۹/ ۶۸ التواری: ص: ۳۹۸) یہ ان لوگوں کا رد ہے جو قرآن کریم کے علاوہ دیگر کتب سماویہ یا اخبار ماضیہ میں مشغول ہو کر قرآن کو چھوڑے ہوئے ہیں، تغنی سے غناء یعنی گانے کے انداز میں قرآن پڑھنے کی ممانعت اور تحسین صوت کے مطلوب ہونے کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل باب میں ذکر کیا ہے، لہٰذا اس جگہ تغنی سے وہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ تکبر اور قرآن سے بے نیازی مراد ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت

بیان کی ضرورت کے وقت شارع کا بیان سے سکوت بیان شمار ہوتا ہے، سکوت الشارع عن البیان عند الحاجة الیه یعد بیاناً، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قاعدہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے باب قائم کیا: باب من رأی ترک التنکیر من النبی ﷺ حجة لا من غیر الرسول۔ (قبل حدیث: ۷۳۵۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت کبھی وحی کے انتظار کی وجہ سے ہوتا تھا، چنانچہ امام نے باب قائم کیا: **باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یسأل ممالم ینزل علیه الوحی، فیقول: لا أدری، اولم یجب حتی ینزل علیه الوحی، ولم یقل برأی ولا قیاس، لقوله تعالیٰ: بما أراک اللہ۔** (النساء ۱۰۵) روح کے متعلق سوال پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، بعد میں آیت نازل ہوئی۔ (قبل حدیث ۷۳۰۹) اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی عیادت کے موقع پر انہوں نے اپنے مال کے متعلق دریافت کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے پھر آیت میراث نازل ہوئی۔ (حدیث ۷۳۰۹)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ لوگوں کے کلام اور معاملات میں بیان کے موقع پر سکوت جائز ہے، **باب اذا وقف أرضاً ولم یبین الحدود فهو جائز و کذلک الصدقة۔** (قبل حدیث ۲۷۶۹) لیکن علماء نے تشریح کی ہے کہ یہ سکوت اس وقت معتبر ہے جب کہ وقف وصدقہ کی چیزوں میں التباس نہ ہو، ورنہ تحدید کرنا ضروری ہے۔ (فتح الباری: ۵/۳۹۶)

اسی طرح سکوت کو جب جواب کا درجہ دیا گیا ہے، اب کسی شاغل کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوجائے تو اس تاخیر کو بیان سے سکوت نہ سمجھا جائے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ترجمۃ الباب قائم کیا: **باب من سئل علماً وهو مشتغل فی حدیثه فاتم الحدیث ثم أجاب السائل** (قبل حدیث ۵۹) ترجمۃ الباب میں حدیث ذکر کی کہ ایک سائل نے قیامت کے متعلق سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیان فرمارہے تھے، تو بیان ختم کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کا جواب دیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مجتہد ومفتی سائل کے سوال سے زائد بات بھی جواب میں بیان کرسکتے ہیں، خاص کر کے سائل جاہل ہو یا معاملہ وضاحت طلب ہو، **باب من أجاب السائل باکثر مما سأله** (حدیث ۱۳۴)

سنت کی تشریح وبیان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے آداب سے واقف اور شریعت کے نزول کے مواقع اور پس منظر کے ماہر کار تھے، لہٰذا نصوص کی معرفت میں ان کی خصوصیات کو دوسرا کوئی نہیں پہونچ سکتا، اسی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال کو بہت اہتمام سے بیان کیا ہے، چنانچہ "باب ما یذکر فی بیع الطعام والحکرۃ" کے ماتحت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم کی وضاحت نقل کی ہے، قلت لابن عباس: کیف ذاک؟ قال: ذاک دراھم بدراھم و الطعام مَرْ جأً۔ (حدیث ۲۱۳۲) اسی طرح باب لا یشتری حاضر لباد بالسمسرۃ کے ماتحت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وضاحت لا یکون له سمسارا کو نقل کیا ہے۔ (حدیث ۲۱۶۳) اسی طرح حدیث ۲۱۷۴ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وضاحت بھی مذکور ہے۔

قیاس سے استدلال میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقۂ کار

قیاس کی تعریف

قیاس کے لغوی معنی تقدیر اور تسویہ ہیں۔

اور اصطلاحی طور پر قیاس کی تعریف میں اصحاب اصول کا اختلاف ہے، امام الحرمین کہتے ہیں کہ قیاس کی حد حقیقی متعذر ہے، قیاس کی بعض اہم تعریفات حسب ذیل ہیں:

(۱) مساوات المسکوت للمنصوص فی علۃ الحکم (آمدی: ج: ۳، ص ۲)

(۲) حمل معلوم علی معلوم فی اثبات حکم لهما أو نفیه عنهما بامر جامع بینهما۔ قیاس کی تعریف قاضی ابوبکر باقلانی سے منقول ہے اور اکثر شوافع نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۳) تعدیة الحکم من الأصل الی الفرع بعلة متحدة لا تدرک بمجرد اللغة (تنقیح: ج: ۳، : ۵۲) یہ تعریف صدر الشریعہ نے کی ہے، ابوالحسین بصری نے حسب

ذیل تعریف کو سب سے زیادہ واضح کہا ہے، تحصیل حکم الأصل فی الفرع لاشتباهما فی علة الحکم عند المجتهد۔ (المعتمد: ۲/ ۶۹۷)

رائے اور قیاس کا فرق

اسلام کے ابتدائی دور میں لفظ رائے کو قیاس شرعی کے معنی میں استعمال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو ان سے دریافت کیا کہ "بم تحکم؟ قال: بکتاب اللہ، قال: فان لم تجد؟ قال: فبسنة رسول اللہ، قال: فان لم تجد؟ قال: اجتهد برائی" (آمدی: ۳:۷۸)

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اقض بالکتاب والسنة اذا وجدتهما، فاذا لم تجد الحکم فیهما، اجتهد رأیک۔ (ایضاً: ۷۹)

ان دونوں روایتوں میں لفظ رائے وارد ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ رائے سے یہاں وہ رائے خالص مراد نہیں، جو کسی اصل پر مبنی نہ ہو؛ بلکہ وہ رائے مراد ہے جو کسی اصل پر مبنی ہو اور اسی کو قیاس کہتے ہیں، چنانچہ علامہ آمدی حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اجتهاد الرأی لا بد و ان یکون مردودا الی الاصل والا کان مرسلاً، والرأی المرسل غیر معتبر، وذلک هو القیاس۔ (ایضاً ۷۶)

لیکن جب لوگوں نے رائے خالص اور قیاس شرعی میں امتیاز کرنا چھوڑ دیا اور ہر قسم کی رائے کو شرعی احکام کے اثبات کے لئے دخیل بنا دیا، تو بعد کے دور میں ضروری ہوا کہ رائے اور قیاس کو ایک دوسرے سے جدا کر کے ان کا اصطلاحی فرق واضح کیا جائے۔

امت مسلمہ کا سواد اعظم قیاس کو شریعت کی چوتھی اصل مانتا ہے اور کتاب اللہ وسنت رسول اللہ اور اجماع میں جو حکم نہ ملے اس کے اثبات کے لئے قیاس کو بنا قرار دیتا ہے۔

لیکن رائے کو دین میں بالاتفاق کوئی دخل نہیں ہے، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہ

کا قول ہے کہ لو کان الدین بالرأی لکان أسفل الخف اولی بالمسح من اعلاہ۔ یہاں رائے سے رائے خالص مراد ہے۔

قیاس کی اصطلاحی تعریف سے قطع نظر قیاس اور رائے میں فرق یہ ہے کہ اپنا وہ خیال جو کسی اصل شرعی یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع پر مبنی ہو وہ قیاس ہے اور جو کسی اصل شرعی پر مبنی نہ ہو وہ رائے ہے۔ (اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ۴۲۲، ۴۲۴)

قیاس کے علم کے لئے تین امور کا علم ضروری ہے، اول ان نصوص کو جاننا جن پر حکم قیاسی کی بنیاد ہے، ان علتوں کو جاننا جن پر ان نصوص میں حکم کا مدار ہے اور ان کے اسباب کو جاننا جن کی وجہ سے حکم فرع کا ان اصول کے ساتھ الحاق ممکن ہو۔

دوسرے قیاس کے قوانین اور ان کے ضوابط کو جاننا، مثلاً علت کے ان اوصاف کو جاننا جن پر قیاس اور فرع کا اصل کے ساتھ الحاق مبنی ہے۔

تیسرے سلف کے ان مناہج کی واقفیت جن کے ذریعہ ان علل و اوصاف کی شناخت حاصل ہو سکے جو بناء احکام کی اساس ہیں۔ (اصول الفقہ للشیخ ابی زہرہ: ۳۸۵)۔

قیاسی احکام کی تخریج و تحقیق کے سلسلہ میں مجتہد کے تین کام ہیں

تحقیق مناط تنقیح مناط اور تخریج مناط

تحقیق مناط

اس کی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت: قاعدہ کلیہ جس کا ثبوت نص سے ہے یا جس قاعدہ کلیہ پر اجماع اور اتفاق ہے، مجتہد اس کی تحقیق کرتا ہے کہ زیر غور جزئیہ اس قاعدہ کلیہ کا مصداق ہے یا نہیں؟ اگر قاعدہ کلیہ کے ذیل میں وہ جزئیہ آتا ہے تو قاعدہ کلیہ کا حکم اس جزئیہ پر بھی نافذ ہوگا، مثلاً محرم اگر شکار حالت احرام میں کرے تو نص قرآنی قطعی سے اس کا کفارہ ''شکار کے مماثل'' عائد ہوگا، پس ''کفارہ کا شکار کے مماثل ہونا'' ایسا قاعدہ کلیہ ہے جس پر نص قطعی وارد ہے، لیکن کیا ''نیل گائے'' کے مثل ''گائے'' ہے یا نہیں؟ اس کی تحقیق

مجتہد کا کام ہے، اسی طرح نمازوں میں قبلہ کی طرف رخ کرنا نص سے واجب ہے، لیکن کسی خاص مقام پر قبلہ مغرب میں ہے یا مشرق میں، جنوب میں ہے یا شمال میں، تحقیق مناط ہے، زوجہ کا نفقہ واجب ہے، لیکن زوجین کے حالات، ان کے معیار زندگی، وقت اور ماحول کو سامنے رکھ کر کسی خاص مقدمہ میں نفقہ کی خاص مقدار معین کرنا تحقیق مناط ہے۔

تحقیق مناط کی دوسری صورت یہ ہے کہ ''علت حکم'' منصوص یا مجمع علیہ ہے، مجتہد اس کی تحقیق کرتا ہے کہ زیر غور جزئیہ میں وہ علت پائی جاتی ہے یا نہیں؟ مثلاً بلی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: ''**انها ليست بنجس، انها من الطوافين والطوافات**'' یعنی ''ہمہ دم گھروں میں چکر لگانا''، اس نص کی روشنی میں اس حکم کی علت ہے کہ بلی کا جوٹھا نجس نہیں، لیکن کیا یہ علت چوہے اور دوسرے حشرات الارض میں بھی پائی جاتی ہے جو ہمیشہ گھر میں چکر لگاتے ہیں، یہ تحقیق مجتہد کا کام ہے۔

تنقیح مناط

شارع نے حکم کی نسبت اس کے سبب کی طرف کی ہے، لیکن اس موقع پر کچھ ایسے اوصاف اور اتفاقی قیود بھی مذکور ہیں، جن کا حکم میں کوئی دخل نہیں ہے، اب مجتہد کا کام ان مذکور اوصاف کو چھان پھٹک کر اصل سبب حکم کا اعتبار کرنا اور ان جزئیات پر اس حکم کو منطبق کرنا جن میں وہ سب موجود ہو، اور ان اوصاف کو نظر انداز کر دینا جن کا حکم میں کوئی دخل نہیں، مثلاً ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: **هلكت يا رسول الله!** میں برباد ہو گیا یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: **ما صنعت؟** تم نے کیا کیا ہے، اعرابی نے کہا: **واقعت أهلي في نهار رمضان**، میں نے رمضان کے دن میں اپنی بیوی کے ساتھ جماع کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اعتق رقبة**، غلام آزاد کرو۔

اس حدیث میں غور کریں تو چند باتوں کا ذکر ملتا ہے: سائل کا اعرابی ہونا، رمضان شریف کے ایک خاص مہینہ میں جماع کرنا، دن کے وقت جماع کرنا، اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوب کفارہ کا حکم دیا، اصل سبب حکم ''کسی

بھی مکلف کا کسی بھی رمضان میں کسی بھی عورت کے ساتھ جماع کرنا'' ہے، پس صاحب واقعہ کا اعرابی ہونا، اس سال کے رمضان میں واقعہ کا پیش آنا، اپنی زوجہ کے ساتھ واقعہ پیش آنا، محض اتفاق کا درجہ رکھتا ہے، ان کو حکم میں دخل نہیں، اس لئے ان اتفاقی واقعات و قیود کو چھانٹ کر اصل سبب حکم معین کرنا تنقیح مناط ہے اور اس کی وجہ سے حکم شارع مورد حکم کے ساتھ خاص نہیں رہتا، بلکہ اس میں عموم اور توسع پیدا ہوجاتا ہے۔

تخریج مناط

یعنی کسی مسئلہ خاص میں شارع نے کوئی حکم دیا، لیکن شارع نے علت حکم کی صراحت نہیں کی، اب مجتہد کا مشکل کام یہ ہے کہ اس حکم کی علت اپنے اجتہاد سے مستنبط کرے اور پھر اشتراک علت کی صورت میں اس حکم منصوص کو دوسری جزئیات کی طرف منتقل کرے، مثلاً حدیث رسول نے گیہوں، جو، نمک اور سونے چاندی میں صراحۃً ربوا کو حرام قرار دیا، اب یہ دیکھنا کہ ان اشیاء مذکورہ میں کون سی ایسی خصوصیت ہے جو اس حکم کی بنیاد ہے، اگر وہ مدار حکم متعین ہوجائے تو دوسری اشیاء بھی جن میں وہ خصوصیت پائی جاتی ہو، حرمت حکم ربوا کا محل قرار پائے گی، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں:

الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواء بسواء يدا بيد، فاذا اختلف هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد۔ (رواہ مسلم واحمد عن عبادہ بن الصامت)۔

اب مجتہدین نے ان چھ اشیاء پر غور کیا تو کسی نے یہ دیکھا کہ چاندی، سونا ثمن ہیں اور باقی چار چیزیں انسانی غذا ہیں، اس لئے انہوں نے علت ثمنیت اور طعم متعین کیا، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیکھا کہ ان چھ اشیاء میں سے ہر ایک ناپی، تولی جانے والی چیزیں ہیں اور ہر ایک کو اس جنس کے ساتھ متفاضلاً فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس لئے انہوں نے علت حکم کی تخریج کرتے ہوئے جنس وقدر کو مدار حکم قرار دیا اور چاول کو چاول کے عوض زیادتی اور کمی کے ساتھ فروخت کرنا حرام قرار دیا، پس ایسے مقامات پر جہاں مدار

حکم منصوص نہ ہو، علت حکم کا استنباط ''تخریج مناط'' ہے۔

جہاں تک تحقیق مناط کی پہلی قسم کا تعلق ہے اس میں کسی اختلاف کا سوال نہیں ہے، دوسری صورت تحقیق مناط اور تنقیح مناط کو بھی اکثر منکرین قیاس نے تسلیم کیا ہے، البتہ تخریج مناط جمہور علماء امت کے یہاں ثابت ہے اور ظاہریہ اس کے منکر ہیں۔ (اسلامی عدالت: ۷۱۔۷۲)

قیاس سے استدلال میں امام بخاریؒ کا طریقۂ کار

علمائے کرام نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس کو حجت ماننے اور نہ ماننے کے سلسلے میں اختلاف کیا ہے، اس کی وجہ قیاس کے سلسلہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارتوں کا واضح نہ ہونا ہے، اکثر شراح حدیث نے ذکر کیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس قیاس کو مانتے ہیں جو صحیح ہو، علت کے واضح ہونے میں کوئی تکلف اور بعد نہ ہو، نیز وہ سنت کے خلاف نہ ہو، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھی بہت سے ابواب کے تراجم میں اس سے کام لیا ہے، کیوں کہ وہاں ترجمہ اور حدیث کی مطابقت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس واجتہاد کے بغیر سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

دیگر کچھ شراح حدیث کا کہنا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ظاہریہ کی طرح قیاس کے منکر ہیں، علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم میں پایا جانے والا اجتہاد قیاس نہیں ہے، بلکہ وہ تنقیح مناط کے باب سے ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ میں چار ابواب قائم کئے ہیں، جن کا تعلق قیاس سے ہے۔

(۱) باب مایذکر من ذم الرأی و تکلف القیاس، (ولاتقف)، لا تقل (ما لیس لک بہ علم)۔ (الاسرار ۳۶، قبل حدیث: ۷۳۰۷)

(۲) باب ما کان النبی ﷺ یسأل مما لم ینزل علیہ الوحی؟ فیقول: لاادری، اولم یجب حتی ینزل علیہ الوحی، ولم یقل برأی ولا قیاس، لقولہ

تعالى: بما أرىٰك الله (النساء: ۱۰۵) وقال ابن مسعود: سئل النبی ﷺ عن الروح فسكت حتى نزلت الآية (قبل حدیث ۷۳۰۹)

(۳) باب تعليم النبی ﷺ أمته من الرجال والنساء مما علمه الله، ليس برأی ولا تمثيل۔ (قبل حدیث: ۷۳۱۰)

(۴) باب من شبه اصلا معلوما باصل مبين، وقد بين الله حكمهما ليفهم السائل۔ (قبل حدیث: ۷۳۱۴)

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ پہلے ترجمہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (وتكلف القياس) ای اذا لم يجد الأمور الثلاثة واحتاج الى القياس، فلايتكلفه بل يستعمله على أوضاعه، ولايتعسف فی اثبات العلة الجامعة التی هی من اركان القياس، بل اذا لم تكن العلة الجامعة واضحة، فليتمسك بالبراءة الاصلية، ويدخل فی تكلف القياس: ما اذا استعمله على اوضاعه مع وجود النص، وما اذا وفد النص مخالفه وتأول لمخالفته شيئاً بعيداً، ويشتد الذم فيه لمن ينتصر لمن يقلده مع احتمال ان لا يكون الأول اطلع على النص۔ (فتح الباری: ۱۳/ ۲۸۲، لامع: ۳/ ۲۷ ۴، عمدۃ القاری: ۲۰/ ۲۲۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ان تراجم اربعہ میں سے تراجم ثلاثہ کے ظاہر سے قیاس کی نفی معلوم ہوتی ہے، جب کہ آخری ترجمہ سے قیاس کا اثبات معلوم ہوتا ہے، اور خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تراجم قائم کرنے میں قیاس سے خوب کام لیا ہے، لہٰذا اصل حقیقت سمجھنا ضروری ہے، اور اسی لئے حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''فمن حكى عن الامام البخاری انه منكر للقياس، بناء أو نظراً على هذا الباب الاول فقط، فلم يصب''۔ (حاشیہ لامع الدراری: ۳/ ۲۷ ۴)

اس سلسلہ میں محدثین اور فقہائے کرام کے استنباط کے درمیان جو فرق ہے اس کو جاننا ضروری ہے، اور اس سے اہم اس دور کے محض عقل وخرد کو سب کچھ سمجھنے والے معتزلہ

وغیرہ باطل فرقوں کی ریشہ دوانیاں جاننا بھی ضروری ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے یہ تراجم اسی پس منظر میں قائم ہوئے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عہد صحابہ کے اختلافات کی وجوہ اور دو مکتبۂ فکر حجازی وعراقی پر تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی وضاحت کی ہے، اور پھر باب الفرق بین أهل الحديث واصحاب الرأی کا عنوان قائم کر کے محدثین کا طریقۂ استنباط ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ قیاس کے سلسلے میں تین مسالک ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فأما من بعده (ای بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم) فان الوقائع كثرت والأقاويل انتشرت، فكان السلف يتحرزون من المحدثات، ثم انقسموا ثلاث فرق: الاولى تمكست بالامر، وعملوا بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "عليكم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين" فلم يخرجوا فی فتاويهم عن ذلک، واذا سئلوا عن شئ لا نقل عندهم فيه امسكوا عن الجواب وتوقفوا، والثانية: قاسوا مالم يقع على ما وقع وتوسعوا فی ذلک، حتى انكرت عليهم الفرقة الاولى كما تقدم، والثالثة: توسطت فقدمت الاثر مادام موجوداً فاذا فُقِد قاسوا۔

اس سلسلہ میں علمائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ فقہائے احناف و مالکیہ کبھی عام قیاس کرتے ہیں یعنی عمومی دلائل سے گفتگو کرتے ہیں اور ان دلائل عمومیہ کو خبر واحد پر مقدم کرتے ہیں تو اس کو سنت پر قیاس کو مقدم کرنا نہ سمجھا جائے بلکہ وہ نصوص کے دلائل کو اس کے مقابل نص پر ترجیح دینا ہے۔

دوسرے ترجمہ کے سلسلہ میں بھی ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: والحاصل ان الرأی ان كان مستنداً للنقل من الكتاب او السنة فهو محمود وان تجرد عن علم فهو مذموم، وعليه يدل حديث عبد اللہ بن عمرو المذكور فانه ذكر بعد فقد العلم ان الجهال يفتون برايهم۔ (فتح الباری: ۱۳/۲۹۱)

علامہ ابن التین نے بھی اس دوسرے ترجمہ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قیاس کی مطلق نفی نہیں کی ہے، بلکہ یہ مراد لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اشیاء کا جواب دیا اور کچھ کے بارے میں خاموشی اختیار کی اور ہر ایک مفہوم کے لئے الگ الگ باب قائم کیا، اور دو باب کے بعد "باب من شبه أصلا معلوما" قائم کر کے اس میں حدیث "لعله نزعه عرق" اور حدیث "فدين الله أحق ان يقضى" سے قیاس کو ثابت کیا ہے۔ (فتح الباری: ۲۹۱/۱۳)

تیسرے ترجمہ سے بھی قیاس کی مطلق نفی ثابت نہیں ہو رہی ہے، کیونکہ نبی کی شان غیر نبی سے اعلی وارفع ہے، ان کے قیاس کی تصویب وحی کے ذریعہ ہوتی ہے جبکہ ہمارا قیاس محض ظن وتکلف ہوتا ہے۔

چوتھے ترجمہ میں قیاس کا ثبوت ہو رہا ہے چنانچہ علامہ عینی، قسطلانی، علامہ قرطبی اور شیخ زکریا وغیرہ سب نے اس ترجمہ سے قیاس کا ثبوت ثابت کیا ہے، علامہ کرمانی نے بھی قیاس صحیح وفاسد کا ذکر کرتے ہوئے دونوں قسم کے تراجم کو تطبیق دیتے ہوئے فرمایا:

"ان ماورد تحت ترجمة "باب من شبه" فهو على سبيل القياس، وان ما اورده من النصوص تحت "باب تعليم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ليس برأى ولا تمثيل" فهو على سبيل الوحى بتعليم الله، وان ما أورده من النصوص تحت "باب ما كان النبى صلى الله عليه وسلم يسأل ۔۔۔۔۔۔ ولم يقل برأى ولا قياس" فهو على سبيل انتظار الوحى، فترجم البخارى لهذه الطرائق الثلاثة التى كان النبى صلى الله عليه وسلم يفعلها كما بين بترجمته "باب ما يذكر من ذم الرأى و تكلف القياس" رفض القياس عند وجود النص۔ (فتح الباری: ۲۹۱/۱۳)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاً معلوماً سے مقیس اور أصل مبین سے مقیس علیہ مراد لیا ہے، اور یبین اللہ حکمهما سے مراد مجتہد کے عمل قیاس کے ذریعہ اس حکم کا اظہار ہے جو کتاب وسنت میں مذکور ہوتا ہے، گویا مجتہد کا قیاس مظہر ہوتا ہے، مثبت تو اللہ

پاک کی ذات ہے۔(حاشیۃ لامع الدراری: ۳/ ۴۲۹) کچھ حضرات نے اس ترجمۃ الباب سے قیاس کے ثبوت کی نفی کی ہے، کیونکہ عبارت کا مجموعہ واضح طور پر مقیس علیہ، مقیس، علت اور حکم کو ثابت نہیں کر رہا ہے، جبکہ دیگر حضرات نے أصل مبین سے مقیس علیہ، أصلاً معلوماً سے مقیس، من شبہ سے علت جامعہ اور بین النبی ﷺ حکمهما سے اتحاد حکم فی المسئلتین کو ثابت کیا ہے، بعض نسخوں میں بین اللہ کا لفظ بھی ہے اس سے نفس مسئلہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود قیاس کے قائل ہی نہیں، بلکہ اس پر عمل پیرا بھی ہیں، لیکن اس سلسل میں معتزلہ اور خواہش پرست لوگوں کی قیاس میں مبالغہ آرائی اور تکلف کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قیاس کی مختلف انواع سے استدلال کرنا

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ تراجم بخاری کی تشریح کرتے ہوئے قیاس کی مختلف انواع ذکر کرتے ہیں: **و منه ما یکون ثبوت الحکم فیه بطریق الاولی بالنسبة الی المنصوصة، و منها ما یکون حکم الترجمة فیه مقیسا علی حکم الحدیث قیاساً مساویاً۔** (التواری: ص ۳۶)

قیاس ادنیٰ کی مثالیں

(۱) **باب اذا رأت المستحاضة الطهر، قال ابن عباس (تغسل و تصلی ولو ساعة) و یأتیها زوجها اذا صلت، الصلاة اعظم۔** (قبل حدیث ۳۳۱) **و یأتیها زوجها** والے الفاظ امام بخاری کے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نہیں ہیں، اس کے بعد جو حدیث ذکر کی (۳۳۱) اس میں شوہر کے صحبت کرنے کے جواز والے الفاظ نہیں ہیں، یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا نماز پر قیاس کرنا ہے، اور یہ قیاس اولویہ ہے کہ جب نماز جیسی اہم عبادت جائز ہے تو وطی بدرجہ اولی جائز ہوگی۔ (فتح الباری: ۴۲۹) بعض صحابہ

کرام وتابعین اس سے منع کرتے ہیں کہ رخصت صرف نماز کی ثابت ہے تو امام بخاری قیاس اولویہ کے ذریعہ ان کا رد فرماتے ہیں۔

(۲) باب یعطی فی الکفارۃ عشرۃ مساکین، قریباً کان او بعیداً۔ (قبل حدیث ۶۷۱۱) اس کے تحت اپنی بیوی سے رمضان میں عمداً صحبت کرنے والے صحابی کی روایت نقل کی، جس کے اخیر میں فأطعمہ اھلک کے الفاظ سے جماع کے کفارے میں قریبی رشتہ دار کو دینے کے جواز کو ثابت کر کے اس پر کفارۂ یمین کو قیاس کر رہے ہیں، نیز حدیث جب قریبی رشتہ دار کے لئے ثابت ہے تو بعید کو بھی ترجمہ میں شامل کر دیا کہ وہ تو بدرجہ اولی شامل ہوسکتا ہے۔

دور کے رشتہ دار کو قریب پر قیس کرنا مقیس اولی ہے، اور کفارۂ یمین کو کفارۂ افطار پر قیاس کرنا قیاس مساوی ہے۔

(۳) اسی طرح بیع مدبر کے جواز والی روایت سے کفارہ میں مدبر کی آزادی کو قیاس کیا اور پھر ام ولد اور مکاتب کو بھی بیع مدبر کے ساتھ لاحق کر دیا، کیونکہ مدبر کے مقابلہ میں ام ولد کی آزادی تو قوی ہے، جب مدبر کی آزادی معتبر ہے تو ام ولد کی بدرجۂ اولی جائز ہونی چاہئے، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: و ذکر المصنف حدیث جابر فی بیع المدبر فأشار فی الترجمۃ الی انہ اذا جاز بیعہ جاز ما ذکر معہ بطریق الاولی۔ (فتح الباری: ۱۱/۶۰۰)

قیاس مساوی کی مثالیں

(۱) باب ھل یتتبع المؤذن فاہ ھاھنا فھاھنا؟ و ھل یلتفت فی الاذان کے ماتحت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کی کیفیت نقل کرتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمہ کے ذریعہ اذان میں وضوء کو لازمی نہیں قرار دے رہے ہیں، اسی طرح اذان میں گھومنے کو (سمت قبلہ کا لازمی ہونا) جائز قرار دیتے ہیں، یہ حکم بخاری قیاساً ثابت کر رہے ہیں، لیکن قیاس دونوں طرف سے متنازع فیہ معلوم ہو رہا ہے، ممکن ہے کہ اذان کو نماز پر قیاس کیا جائے اور ذکر پر قیاس کرنا بھی ممکن ہے، ذکر والی روایت بھی ترجمۃ الباب کے

ماتحت لائے ہیں: کان النبی ﷺ یذکر اللہ علی کل أحیانہ۔ (حدیث: ۶۳۴) بعض فقہاء اس کو قیاس شبہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء کے قول کو نقل کیا جو اذان کے لئے وضوء کو نماز پر قیاس کر کے ضروری قرار دیتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کا رد کرتے ہیں کہ نماز کے مقابلہ میں ذکر کے ساتھ اذان کا قیاس کرنا اولیٰ ہے، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لأن الأذان من جملة الاذکار فلا یشترط فیہ ما یشترط فی الصلوۃ من الطھارۃ و لا من استقبال القبلة، کما لا یستحب فیہ الخشوع الذی ینافیہ الالتفات، و جعل الاصبع فی الأذن، بھذا تعرف مناسبة ذکرہ لھذہ الآثار فی ھذہ الترجمة و لاختلاف نظر العلماء فیھا اوردھا بلفظ الاستفھام و لم یجزم بالمحکم۔" (فتح الباری: ۲/ ۱۵۵، التواری: ۹۷)

(۲) باب الکفیل فی السلم، باب الرھن فی السلم، ان دونوں بابوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ذکر کی "قالت: اشتری رسول اللہ ﷺ طعاما من یھودی بنسیئة و رھنہ درعا لہ من حدید" (حدیث ۲۲۵۲۵۱) اس حدیث کے دوسرے ترجمہ سے رہن کے لفظ کی وجہ سے مناسبت ظاہر ہے، لیکن کفیل کا ذکر روایت میں نہیں ہے، کفیل کو رہن سے ملحق کیا، کیوں کہ یہ ایک حق ہے، اس سے رہن ثابت ہوتا ہے، لہٰذا اس میں کفیل بنانا جائز ہوا، ابن منیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رہن فی السلم بھی بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قیاس ہی ہے، کیونکہ حدیث کا تعلق تو ادھار بیع سے ہے، جس میں قرض مل گیا تھا، ادائیگی باقی تھی اور سلم کی تعریف اس پر صادق نہیں آرہی ہے۔ "وجہ المطابقة انہ قاس السلم علی البیع و الکفیل علی الرھن بجامع التوثقة۔ (التواری: ص: ۲۵۳)

(۳) باب آنیة المجوس و المیتة، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دو روایتیں ذکر کی ہیں، ان میں سے ایک کلب معلم اور اہل کتاب کے برتنوں سے متعلق ہے اور دوسری میں پالتو گدھے اور ان سے مستعمل برتنوں کا حکم ہے، دونوں روایتوں میں مجوس

اوران کے برتنوں کے متعلق کوئی حکم نہیں ہے، علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مجوس کو ان پر قیاس کیا، یا اس وجہ سے کہ مجوس اپنے کو اہل کتاب سمجھتے ہیں۔ (فتح الباری: ۹/ ۶۲۳)۔

ابن منیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''ترجم علی آنیة المجوسی، والأحادیث فی أهل الکتاب، لانه بنی علی أن المحذور منها واحد، وهو عدم توقیهم النجاسات'' (المتواری: ۲۰۴)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعض طرق میں مجوس کا بھی ذکر ہے، جیسے ترمذی حدیث ۱۵۶۰ میں ہے، ''عن ابی ثعلبه الخشنی قال: سئل رسول اللہ ﷺ عن قدور المجوس، فقال: انقوها غسلا و اطبخوا فیها! قال ابو عیسی: هذا حدیث حسن صحیح''۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ جس روایت کی سند میں کلام ہو اس کو ترجمۃ الباب بناتے ہیں پھر ترجمہ میں اس روایت کے حکم کو بطور الحاق ذکر کر دیتے ہیں۔ (فتح الباری: ۹/ ۶۲۳)۔

یہ قیاس مساوی کی مثالیں ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کو قیاس جلی سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ حنفیہ کی دلالۃ النص کے قریب ہے اور قیاس کے مقابلہ میں دلالۃ النص اقوی ہوتی ہے۔

قیاس ادنی قیاس اولوی کے برعکس ہے، کیونکہ قیاس ادنی میں مقیس علیہ کی علت مقیس میں (بعض اوقات کمی کی وجہ سے) کمزور ہوتی ہے، جبکہ قیاس اولوی میں علت مقیس علیہ سے بھی مقیس میں زیادہ واضح ہوتی ہے۔

(۱) باب الرجل یوضئ صاحبه۔ اس کے ماتحت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت فجعلت أصب علیه و یتوضأ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت ''جعل یصب الماء علیه وهو یتوضأ'' (حدیث: ۱۸۱، ۱۸۲) یہ دونوں روایات وضوء کرتے وقت دوسرے سے پانی لانے اور ڈالنے میں مدد لینے پر عدم کراہیت کو ثابت کرتی ہیں، لیکن بالمباشرۃ وضوء کرانے پر روایات میں کوئی اشارہ نہیں ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نے ان دونوں پر قیاس کرتے ہوئے یہ ترجمہ قائم کیا، ابن منیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
قاس البخاری توضئة الغیر له علی صبه علیه، لاجتماعهما فی معنی الاعانة علی أداء الطاعة۔ ((واللہ اعلم) (المتواری: ص: ۷۰)۔

قال ابن حجر: "**والفرق بینهما ظاهر، ولم یفصح البخاری فی المسألة بجواز ولا غیره، وهذه عادته فی الأمور المحتملة**" (فتح الباری: ۱/ ۲۸۵)

علامہ عینی ابن حجر رحمہ اللہ علیہ پر اشکال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب قائم کرنے سے ہی جواز معلوم ہوتا ہے، چاہے صراحۃ نہ لکھا ہو۔ (عمدہ: ۳/ ۳۶۴) یہ قیاس ادنی کی مثال ہے کیونکہ مقیس مقیس علیہ کے نہ مساوی ہے نہ اولی ہے، بلکہ ادنی مناسبت پائی جاتی ہے۔

(۳) **باب ما یقع من النجاسات فی السمن و الماء**، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں تین احادیث ذکر کی ہیں، دو کا تعلق جامد گھی میں چوہے گرنے سے ہے۔ اس کو اور اس کے اطراف کو نکال دینے سے بقیہ کھانا جائز ہے، حدیث: ۲۳۵، ۲۳۶) اور دوسری روایت میں قیاس کیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا ہے کہ پانی اوصاف ثلاثہ میں سے ایک تغیر سے بھی ناپاک ہوجائے گا، روایت یہ ہے "**کل کلم یکلمه المسلم فی سبیل الله تعالی، تکون یوم القیامة کهیئتها اذ طُعِنَت تفجر دما: اللون لون الدم، و العرف عرف المسک**"۔ (حدیث: ۲۳۷) اس روایت سے اسطرح استدلال کیا (جیسا کہ ابن جماعۃ نے نقل کیا) کہ پانی جب نجاست سے متغیر نہیں ہوا تو وہ اپنی طہارت پر باقی رہے گا جیسا کہ مالکیہ کا مذہب ہے، کیونکہ پر اور ہڈی اس کو متغیر نہیں کرتے ہیں، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد حدیث دم سے اس کی تاکید کرنا ہے کہ صفت کا بدلنا موصوف میں مؤثر ہوتا ہے، لہٰذا خون کی صفت کا مشک کی خوشبو میں تبدیل ہونے مشک کو پاک کرکے نجاست سے طہارت کی طرف منتقل کرنا ہوتا ہے، اسی طرح پانی کے اوصاف کا نجاست میں تغیر ہوجانا اس کو طہارت سے نکال کر نجاست میں تبدیل کردیگا، لہٰذا جب تغیر نہیں پایا جائے گا تو نجاست بھی نہیں پائی جائے گی۔ (مناجات تراجم البخاری ص: ۴۰، ۴۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "**وقد تعقبه بعضهم بأنه لا یدل علی ان**

النحاسة تنحصر بالتغير، و انما يدل على ان النحاسة تحصل بالتغير فحسب۔ (فتح الباری:۱/ ۳۴۵) علامہ عینی فرماتے ہیں: وجه المناسبة فی هذا انه لما كان مبنى الامر فی الماء: التغير بوقوع النحاسة، و انه يخرج عن كونه صالحاً للاستعمال لتغير صفته التی خلق عليها، اورد له نظيراً بتغير دم الشهيد، فان مطلق الدم نجس و لكنه تغير بواسطة الشهادة فی سبيل الله، و لهذا لا يغسل عن دمه، ليظهر شرفه يوم القيامة لاهل الموقف، بانتقال صفته المذمومة الى الصفة المحمودة حيث صار انتشاره كرائحة المسک۔ (عمدۃ القاری:۳/ ۴۴)

یہ قیاس ادنیٰ کی مثال ہے کیوں کہ اگر چہ علت تغیر کو مثال میں پیش کیا ہے لیکن یہ تغیر خلاف اصل کرامت کے طور پر ہے، لہٰذا اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ مثالیں ایسے قیاس کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے استعمال کی ہیں، جبکہ علت منصوص علیہ نہیں تھی جبکہ قیاس منصوص علیہ نصوص میں کرنا ہی اولی ہوتا ہے، اور یہ قیاس عبادات و کفارات جیسے امور تعبدی میں کیا جاتا تو اور بھی مناسب نہیں تھا۔

علامہ کشمیریؒ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قیاس و اجتہاد

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس کی نفی کرنے والے ابواب ثلاثہ کا جائزہ لینے کے بعد امام بخاریؒ کی طرف قیاس کے جواز کی نسبت کا انکار کیا، حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی سوال اٹھایا کہ پھر آپ یہ کہیں گے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قیاس کے کیسے منکر ہو سکتے ہیں؟ جبکہ ان کی کتاب بخاری شریف قیاس سے بھری پڑی ہے، تو میں اس کا جواب دیتا ہوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عمل قیاس نہیں بلکہ تنقیح مناط ہے۔

تنقیح مناط اور قیاس کے درمیان لطیف فرق

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کے درمیان فرق کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ جب نص (کتاب وسنت) کسی موقع پر وارد ہوتی ہے تو مجتہد اس میں غور و فکر کرتا ہے، اور اوصاف مؤثرہ اور غیر مؤثرہ کی تمیز و تنقیح کرتا ہے، تنقیح عمل کے بعد نص خاص نہیں رہتی

ہے بلکہ عام ہوجاتی ہے اور اس حکم اوصاف مؤثرہ میں پائی جانے والی تمام اشیاء پر منطبق ہوجاتا ہے، یہ تنقیح مناط ہے کہ مناط جہاں بھی محقق ہوگا: منصوص کا حکم اس پر محقق ہوگا۔ تنقیح میں مجتہد کی نظر اولاً نص پر ہوتی ہے، پھر خارجی جزئیات پر ہوتی ہے، پھر قیاس (مقیس علیہ، مقیس، علت وحکم) کی بنیاد پر نہیں، بلکہ مناط کے تحقق پر حکم کا مدار ہوتا ہے، نص میں پائی جانے والی علت ہی تنقیح کا سبب ہوتی ہے، قیاس کی طرح خارجی علت نہیں ہوتی ہے او رنہ دیگر جزئیات پر قیاس کرنا ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف قیاس میں اولاً جزئیات پر مجتہد کی نظر ہوتی ہے، (نص کی طرف نہیں ہوتی ہے) جب مجتہد اس کا حکم طلب کرتا ہے تو نصوص کی طرف نظر کرتا ہے تاکہ اس کو اس کے قریب (مقیس علیہ) کے ساتھ ملحق کردے، لہٰذا جب مجتہد کوئی نص پالیتا ہے تو اس کی تعلیل کرتا ہے اور تعلیل سے حکم عام ہوتا ہے، اس وقت اس کے لئے اس جزئی مسئلہ کا حکم اس معلل نص سے نکالنا آسان ہوجاتا ہے، لہٰذا قیاس اور تنقیح میں نصوص و جزئیات کی ترتیب برعکس ہوتی ہے یعنی قیاس میں اولاً جزئی پھر نص پر تعلیل کا عمل ہوتا ہے، جبکہ تنقیح میں اولاً نص اور بعد میں جزئیات پر حکم منطبق ہوتا ہے، یہ دونوں نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہی ہوتے ہیں، لیکن طریقہ عمل میں قوت وضعف کے اعتبار سے آپس میں تغایر ہوتا ہے۔ (فیض الباری: ۴/۵۰۷۔۵۰۸)۔

ثم قال: ثم التنقيح و ان ساوى القياس فى ا لمآل، لكنهما أمران متغايران، فان المجتهد فى التنقيح يفرق بين الاوصاف الدخيلة فى الحكم و غيرها، من غير التفات منه الى الخارج، فاذا تقرر المناط عنده عم حكم النص، و حينئذ فيجريه الى الجزئيات، بخلاف القياس، فانه يحتاج الى التعليل بعد التفاته الى الجزئيات، فان الحاقها بنص يحتاج الى تجريد النص عن خصوصيات المورد، ليعم حكمه، فاذا نظر فى علة الحكم عم حكمه، لكنه من خارج فكأن الحاكم فى التنقيح هو النص، و الحاكم فى القياس هو الالحاق، فان التعليل لاجل الالحاق لا غير، و من ههنا ظهر السر فى كون التنقيح

أقوی۔ (فیض الباری: ۵۰۹/۴)۔

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی توضیح اس طرح ہوسکتی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ تراجم اس طرح کے ضرور قائم کئے ہیں جن میں تنقیح کا عمل معلوم ہورہا ہے لیکن مطلقاً قیاس کا انکار سمجھ میں نہیں آرہا ہے، کیونکہ تنقیح کی تعریف میں شیخ زحیلی فرماتے ہیں: **تنقیح المناط لا یصلح مسلکاً مستقلاً من مسالک العلة، وھو خاص بالعلل المنصوصة، ولا یوجدی فی العلل المستنبطة** (۔الوجیز فی اصول الفقہ: ص، ۸۲) اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے علت غیر منصوصہ (مستنبطہ) میں بھی اجتہاد کیا ہے اور اس طرح کی کئی مثالیں بخاری میں واضح طور پر ہیں، جن میں قیاس کے شرائط کا وجود پایا جاتا ہے گویا تعلیل کا عمل پایا جاتا ہے، جس میں علت نہ منصوص علیہ ہے اور نہ نص ہی میں اشارہ پایا جاتا ہے۔ابوزہرہ لکھتے ہیں: "**العلة ھی الاصل الذی قام علیه القیاس و لقد صرح فخر الاسلام البزدوی بأن العلة رکن القیاس، ای الأساس الذیی قام علیه۔۔۔۔۔۔۔ و أساس القیاس ھو تعلیل النصوص، فیمن قرر تعلیلھا فقد قرر القیاس۔**" (اصول فقہ: ص، ۲۳۷)۔

بخاری شریف میں غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیل کا عمل بھی کیا ہے کچھ علتیں منصوص علیہ ذکر کی ہیں، کچھ مجتہد فیہ، تو کچھ میں حکمتوں کا بھی ذکر ہے۔ حاصل یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت قیاس کی مطلقاً نفی کرنا صحیح نہیں ہے، البتہ منصوص علیہ مسائل میں جہاں علت مؤثرہ کا ظہور نہ ہورہا ہو وہاں آپ قیاس سے پرہیز کرتے ہیں۔

لہٰذا! ان اصول بخاری کی مثالیں اور شراح حدیث کی تعلیلات بخاری پر تفصیلی گفتگو کا تقاضہ یہ ہے کہ امام بخاری کی طرف قیاس کی نسبت کو صحیح مانا جائے، البتہ قیاس ادنی یا قیاس ابعد وغیرہ کی مثالیں بھی بخاری میں پائی جاتی ہیں، جو شراح حدیث اور اساتذۂ بخاری کے لئے پریشانی کا باعث ضرور ہوتی ہیں، خاص کر کے احکام فقہیہ کے ثبوت کے لئے نص میں بہت دور کی تاویل تلاش کرنا فقہائے کرام کے لئے حیرانی کا سبب ضرور ہوتا

ہے، اور یہ اسی لئے ہوا جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرطوں کے مطابق روایات کو ہی بخاری شریف میں ذکر کیا اور ان روایات سے تمام مسائل کا ثبوت مشکل تھا، لہذا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے ذریعہ مسائل کا استنباط کیا، اس میں کچھ مسائل کا تنقیح مناط اور کچھ کا قیاس ادنی یا ابعد سے بھی ثبوت ہوا، جو عامۂ فقہاء اربعہ کے یہاں نہیں پایا جاتا ہے، اور اسی لئے اس روش پر آپ کے شاگردوں میں سے امام نسائی اور امام ترمذی بھی نہیں چل پائے، طبقہ اولی کے علاوہ دیگر طبقات کے راویوں سے انہوں نے روایات لیں اور ان سے مسائل کا ثبوت پیش کیا، اگر چہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح روایات کا اہتمام کیا لیکن سرد روایات پر ہی اکتفاء کیا، اجتہاد و استنباط سے آپ نے گریز کیا، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا امت پر یہ بھی احسان عظیم ہے کہ آپ نے صحیح روایات کے اہتمام کے ساتھ تراجم ابواب کے ذریعہ ہر زمانے میں پیش آنے والے مسائل کی تخریج کے لئے امت کے علماء کو آمادہ کیا اور عملی طور پر رہنمائی فرمائی۔

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی تحریر فرماتے ہیں: ''ہمیں اس کا بھی اعتراف کرنا چاہئے کہ ان کتب میں جو ابواب و تراجم ایک خاص فضا اور خاص ماحول میں اہم سمجھ لئے گئے تھے، آج بھی ان کو اسی نظر سے دیکھے چلے جانا، وہی جہمیت کی تردید، معتزلہ و خوارج کے ساتھ وہی جھگڑے، صفات کے عین وغیر ہونے کے متعلق وہی فلسفیانہ کاوشیں، پھر قرآن کریم کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کی وہی قدیم بحثیں زیر تحقیق لائے چلے جانا اور ایک ایسی زمین پر مالکیت و شافعیت کے لئے صف آرائی کرنا جہاں نہ کوئی شافعی ہے نہ مالکی، علم و فکر کے ان مظاہروں کو ہرگز اقتضاء علم نہیں کہا جا سکتا، اتباع سلف یہ ہے کہ جس طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وقت کے فنون کے مقابلہ کے لئے **کتاب الرد علی الجهمیه**، حجیت اخبار آحاد، صفات باری اور شئون باری پر مناسب عنوانات قائم کئے تھے ان کے قدم بقدم چل کر ہم بھی وقت کے مسائل کے لئے مناسب عنوانات قائم کریں، ہمیں اس میں ایک لمحہ کے لئے بھی شبہ نہیں ہے کہ اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے میں موجود ہوتے تو اپنی مجتہدانہ شان، دقت رسی، دقیقہ سنجی اور امت کی ضرورتوں

کے متعلق صحیح نبض شناسی اور دردمندی کی وجہ سے اپنے بابوں، ترجموں، اور عنوانوں کا رخ جہمیت و اعتزال کی تردید کے بجائے یقیناً ان ہی مسائل کی طرف پھیر دیتے جو ہمارے وقت کے الجھے ہوئے مسائل کہلاتے ہیں۔

یہی وجہ کہ آج بھی بخاری میں اجتماعیات و اقتصادیات اور دیگر ضروری مسائل کی جانب ایسی اہم تلمیحات موجود ہیں کہ اگر کوئی ذی علم ان سے استفادہ کرنا چاہے تو بہت کچھ استفادہ کرسکتا ہے، اور انہیں جدید اخذ و استنباط کی بنیاد قرار دے سکتا ہے، آخر حضرت شاہ ولی اللہ محدثین ہند میں ایک محدث ہی تو تھے، جنہوں نے اسی قسم کی ضروریات کا احساس کر کے عام و متعارف مباحث کے علاوہ اجتماعیات و اقتصادیات کے غیر متعارف اور حد درجہ مفید مباحث اپنی تصانیف میں پھیلا دیئے، آج حجۃ اللہ کو اٹھا کر دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ حنفی ہونے کے باوجود ان کی نگاہ میں مسائل فروعی کو کیا اہمیت حاصل ہے۔

بہر حال سلف کی خدمات کے پورے اعتراف کے ساتھ اگر صورت حال کو اس نظر سے دیکھا جائے تو خدمت حدیث کا گوشہ مجموعی طور پر خالی نظر آتا ہے اور بلاشبہ وقت کی شدید ترین ضروریات میں اہم ترین ضرورت باقی ہے کہ اس وقت احادیث نبویہ پر اس نقطۂ نظر سے دوبارہ نظر ڈالی جائے کہ بین الاقوامی اور اجتماعی مسائل میں دین کامل کی ہدایات کیا ہیں اور فرمودات نبویؐ میں وقت کے نئے نئے تقاضوں اور الجھنوں کا کیا حل پیش کیا گیا ہے، کسی زمانہ میں عدم اہمیت کی وجہ سے اگر ترتیب و تدوین احادیث کا یہ طریقہ بروئے کار نہیں لایا گیا تو اس دور کی ضرورتوں کا تقاضہ یہ کہ ایسے چھپے اور دبے ہوئے عنوانات ابھارے جائیں، ان کو اسلوب جدید کے سانچے میں ڈھالا جائے"۔ (ترجمان السنۃ: ۱، ۱۰، ۱۱)

امام بخاری اور اجماع کا ثبوت

شراح بخاری نے بخاری شریف کے متعدد تراجم سے اجماع کا ثبوت پیش کیا ہے:۔

(۱) **باب قول النبی ﷺ لا تزال طائفة من أمتی ظاهرين على الحق، وهم اهل العلم۔** "**وهم أهل العلم**" یہ حدیث شریف کا حصہ نہیں بلکہ یہ امام بخاریؒ کا کلام ہے۔ اس باب میں لا تزال طائفة والی روایت ((۷۳۱۱) کے علاوہ **من يرد الله به**

خیراً (حدیث: ۷۳۱۲) والی روایت ذکر کی ہے، علامہ ابن حجر امام نووی کا قول نقل کرتے ہیں: و فیه دلیل لکون الاجماع حجة، وهو أصح ما استدل به له من الحدیث۔ (فتح الباری: ۲۳/ ۲۹۵، نووی: ۱۳/ ۶۷)

دیگر حضرات نے اس ترجمۃ الباب سے اجماع کے ثبوت کو بہت دور کا قیاس کہا ہے، انہوں نے ذکر کیا کہ یہ ترجمہ امت کے اتفاق کی طرف دلالت کرتا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "أو یلبسکم شیعاً" والے ترجمہ (قبل حدیث ۷۳۱۳) سے ان کے قول کی نفی ثابت کی ہے، کیونکہ اس حدیث میں بڑے عذاب سے پناہ مانگی ہے۔ پھر جب "أو یلبسکم شیعا" والی آیت نازل ہوئی تو چھوٹے عذاب "و یذیق بعضکم بأس بعض" کو آپ ﷺ نے "هاتان أهون او ایسر" فرمایا، گو آپ ﷺ نے عذاب شدید کے مقابلے امت کے عدم اتفاق کو "أهون و ایسر" فرمایا۔ شیخ زکریاؒ: لاتزال طائفة کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ای غالبین ان یکونوا متفقین فیما بینهم، کما یدل علیه ظاهر سیاق الترجمة الاولی فنبه الامام البخاری بعقد هذا الباب علی انهم مع ظهورهم علی الحق و غلبتهم علیه لا یکونون متفقین فیما بینهم فهو اشارة الی اختلاف اهل الحق فیما بینهم لانه تعالی لم یقبل دعاه ﷺ فی عدم اختلاف الامة وتنازعهم۔ (حاشیہ لامع الدراری: ۳/ ۴۲۹، فتح الباری: ۱۳/ ۲۹۶)

(۲) باب ماذکر النبی ﷺ و حض علی اتفاق اهل العلم، و ما اجتمع علیه الحرمان، مکة و المدینة، وما کان بهما من مشاهد النبی ﷺ و المهاجرین والأنصار و مصلی النبی ﷺ والمنبر والقبر۔ (قبل حدیث ۷۳۲۲) اس باب میں ۲۴/ احادیث ذکر کی ہیں۔ (۷۳۲۲ سے ۷۳۴۵)

بعض علماء نے اس باب کے ترجمہ اور احادیث کو اجماع حرمین شریفین کی حجیت کے ثبوت کے لئے دلیل سمجھا ہے اور اس کے ضمن میں مطلقاً اجماع کے ثبوت کا بھی اعتبار کیا ہے۔

کئی حضرات نے اس باب کو اجماع اہل مدینہ کے ثبوت کے لئے سمجھا ہے۔ قال الکرمانی: و عبارة البخاری مشعرة بان اتفاق أهل الحرمین کلیهما اجماع۔

(فتح الباری: ۱۳/ ۳۰۶) قد نقل ابن حجر عن بعض المالکیة ان اعتبار حجیة اجماع اهل المدینة متضمن للحرمین ،حتی لو اتفق اهل المدینة کلهم و خالفهم ابن عباس فی شیئ لم یعد اجماعا۔و قال ابن بطال: قال المهلب : اعرضه فی هذا الباب تفضیل المدینة، بما خصها الله تعالی به من معالم الدین و انها دار الوحی و مهبط الملائکه بالهدی والرحمة، و بقعة شرفها الله تعالی بسکنی رسوله، و جعله فیها قبره و منبره۔ (ابن بطال: ۱۰/ ۲۷۰)

ابن المنیر مالکی اس سے مدینہ کے اہل علم خاص کر کے امام مالکؒ کی فضیلت مراد لے رہے ہیں۔المتواری: ۱۳۴)۔

علامہ کشمیری بھی فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کو حجیت اجماع خاص کر کے اہل الحرمین کے اجماع کی حجیت کے لئے ذکر کیا ہے۔(فیض الباری: ۴/ ۵۱۰) شیخ زکریاؒ بھی اہل مدینہ کی ہی فضیلت کو راجح قرار دے رہے ہیں، و لهذا اتی فی هذا الباب الأحادیث المتعلقة بالمدینة، و لم یتعرض لاحادیث مکة۔

(حاشیۃ لامع: ۳/ ۴۳۱)۔

علامہ ابن حجر کا رجحان یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ کے اہل علم کی تعریف اور فضیلت ثابت کی ہے، مدینہ منورہ کے عام لوگوں کی نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اہل مدینہ کی فضیلت تو ابواب الحج کے بعد (حدیث ۱۸۶۷ سے ۱۸۹۰) امام بخاریؒ ذکر کر چکے ہیں۔دوسری بات یہ کہ ابن حجر مدینہ کے اہل علم کی تعریف بھی مطلق نہیں مانتے ہیں، بلکہ صحابۂ کرام کے مختلف شہروں میں چلے جانے سے پہلے کے دور کے ساتھ اس کو حصر سمجھتے ہیں اور علامہ کرمانی کے اہل الحرمین والے قول کی بھی ابن حجر نفی کرتے ہیں: لعله أراد الترجیح به، لا دعوی الاجماع۔(فتح الباری: ۱۳/ ۳۰۶)

حاصل یہی ہے کہ تعارض کے وقت علماء کے اتفاق کو دیکھا جائے، پھر اہل الحرمین کے اجماع کو ترجیح دی جاوے، اس کی وجہ بھی ابن حجر یہ بیان فرماتے ہیں: ان اجماع اهل المدینة لا یعد حجة، و انما یتمیزون علی غیرهم بامرین، والراجح

ان اهل المدینۃ۔ ممن بعد الصحابۃ۔ اذا اتفقوا علی شیئ، کان القول بہ أقوی من القول بغیرہ، الا ان یخالف نصاً مرفوعاً، کما انہ یرجح بروایتھم، لشہرتھم بالتثبت فی النقل و ترک التدلیس۔ (فتح الباری: ۱۳؍۳۰۷) شیخ زکریاؒ بھی شیخ الہند کے حوالے سے اسی طرح ترجیح والا قول نقل کرتے ہیں۔ (الابواب والتراجم: ۶؍۳۲۳) حضرت شیخ نے قواعد الترجیح پر گفتگو کرتے ہوئے کچھ علماء کے نزدیک حجازیین کی حدیث کو دوسروں کی حدیث پر ترجیح دینے کا قول بھی ذکر کیا ہے۔

(۳) باب قولہ تعالی: "و کذالک جعلنا کم امۃً وسطاً" (البقرۃ: ۱۴۳) و ما أمر النبی ﷺ بلزوم الجماعۃ وھم أھل العلم۔ کچھ حضرات نے اس سے بھی حجیت اجماع کو ثابت کیا ہے۔ (الابواب والتراجم: ۶؍۲۲۴، فتح الباری: ۱۳؍۳۱۶) لیکن یہ استدلال بھی تام نہیں ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ عدالت کا ثبوت ہو رہا ہے اور عدالت کے وصف سے اہل سنت والجماعت مراد ہے۔ (فتح الباری: ۱۳؍۳۱۶)

حاصل کلام یہ کہ آیات و احادیث باب سے استدلال کے کمزور ہونے کے باوجود مجموعی طور پر ترجمۃ الباب کا اجماع سے تعلق واضح طور پر معلوم ہوتا ہے، کیونکہ لزوم جماعت سے مراد اہل علم ہی کا لزوم ہے، گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اہل علم کے اجماع کے قائل ہیں، اور ان میں اہل حرمین کو خصوصیت و امتیاز حاصل ہے۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ بخاری شریف میں صراحۃً اجماع کو نقل نہیں کیا، اور یہ عبارت نہیں آئی: "اجتمع أھل العلم علی کذا، أو اتفقوا، او نحو ذلک" بخاری شریف کے علاوہ آپ کا رسالہ خیر الکلام فی القراءۃ خلف الامام (ص: ۱۱) پر یہ عبارت ہے:

و ان کان ذلک اجماعا، لکان ھذا المدرک للرکوع مستثنی من الجملۃ مع انہ لا اجماع فیہ، معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس مسئلہ میں اجماع ہوتا تو امام بخاری اس کے مقتضی پر عمل پیرا ہوتے۔

اجماع سکوتی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب سے اجماع سکوتی کا استدلال کیا ہے:

باب میراث الجد مع الأب و الاخوة، و قال أبو بکر و ابن عباس و ابن الزبیر: الجد اب، و قرأ ابن عباس: یٰبنی ابن آدم۔ (الاعراف: ۲۶) و اتبعت ملة آباء ابراهیم و اسحق و یعقوب (یوسف: ۳۸) ولم یذکر ان احداً خالف ابا بکر فی زمانه، و أصحاب النبی ﷺ متوافرون۔ (قبل حدیث: ۶۷۳۷) علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: و کأنه یرید بذلک تقویة حجة القول المذکور، فان الاجماع السکوتی حجة، وهو حاصل فی هذا (فتح الباری: ۱۲/۲۰) علامہ عینی بھی فرماتے ہیں: و قوله "متوافرون" ای فیهم کثرة وعدد وهو اجماع سکوتی۔

(عمدۃ القاری: ۱۹/۲۱۸)

استحسان

قیاس واستحسان حقیقت میں دونوں ہی قیاس ہیں۔ ان میں سے ایک جلی ہے جس کا اثر حکم میں کمزور ہے، اسے قیاس کہا گیا ہے، اور دسرا خفی ہے، لیکن اس کا اثر قوی ہے اسے استحسان کہا گیا ہے، گویا وہ قیاس مستحسن ہے، پس ترجیح اثر کی وجہ سے ہوگی، ظہور وخفا کی وجہ سے نہیں جیسے دنیا وآخرت، دنیا ظاہر اور سامنے کی چیز ہے، آخرت چھپی ہوئی چیز ہے، لیکن آخرت اپنی صفائی اور پائیداری کی وجہ سے اس ناپائیدار دنیا کے تقاضوں پر ترجیح رکھتی ہے۔ اور کبھی قیاس کا اثر بعض مسائل میں قوی ہوتا ہے، پس اسے اختیار کیا جاتا ہے اور یہ استدلال مع الطرد کی نظیر ہے، وہ صحیح ہے لیکن استدلال بالمؤثر اس سے زیادہ قوی ہے، اصل اس باب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "میرے ان بندوں کو خوشخبری دے دو جو بات سنتے ہیں اور اس میں سے بہتر کی اتباع کرتے ہیں" حالانکہ قرآن کل کا کل "حسن" ہے پھر "احسن" اتباع کا حکم کیا گیا۔ مثال استحسان کی یہ ہے کہ عورت از سر تا قدم پردہ ہی پردہ ہے۔ یہ قیاس ظاہر ہے اور اسی کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد میں اشارہ ہے کہ "عورت پردہ پوش ہے" پھر بھی عورت کے اعضاء میں سے بعض کا دیکھنا ضرورت وحاجت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا۔ پس یہ استحسان ہوا کہ اس میں لوگوں کے لئے نرمی اور سہولت ہے جیسا کہ ہم نے پہلے کہا۔

استحسان کی تعریف

امام ابوالحسن الکرخیؒ نے ''استحسان'' کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''الاستحسان هو العدول فی مسألة عن مثل ماحکم به فی نظائرها الی خلافه بوجه هو أقوی'' (کتاب الاسرار للبزدوی: ۳/۴، تلویح وتوضیح: ۲/ ۸۱)

یعنی کسی مسئلہ خاص میں اس کے نظائر میں دیئے ہوئے حکم کے خلاف حکم دینا کسی قوی تر وجہ کے پیش نظر۔

پس حاصل یہ کہ کسی بھی استحسان میں کسی خاص واقعہ میں ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف عدول ہوتا ہے، یا عام کے افراد میں سے بعض خاص افراد کے لئے خاص حکم دیا جاتا ہے، یا کسی حکم کلی سے کسی جزئیہ کا استثناء ہوتا ہے۔ اور عدول یا تخصیص یا استثناء کسی دلیل کی روشنی میں ہوتا ہے، وہ دلیل کبھی نص ہوتی ہے، کبھی اجماع، کبھی قوی قیاس، کبھی مصلحت، کبھی تعامل اور کبھی ضرورت وحاجت۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: ''استحسان کا انکار کرنے والے جنہوں نے یہ کہا کہ جس نے استحسان کیا اس نے نئی شریعت بنائی، انہوں نے قائلین استحسان کی استحسان سے مراد کو ہی نہیں سمجھا''۔ (التقریر والتحبیر: ۱/ ۲۲۲)

''جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ ''استحسان'' دلیل متفق علیہ کا نام ہے، وہ نص ہو، اجماع ہو، ضرورت ہو یا قیاس خفی بمقابلہ قیاس ظاہر ہو، تو ثابت ہوا کہ ''استحسان'' سبھی علماء کے نزدیک حجت ہے اور اس میں اختلاف کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اور ابن حاجب کا قول بلاشبہ درست ہے کہ کوئی ایسا ''استحسان'' ہو ہی نہیں سکتا جو مختلف فیہ ہو''۔ (التقریر والتحبیر: ۱/ ۲۲۳)

احناف کے نزدیک استحسان کی حقیقت

احناف کے یہاں ایک امتیازی مآخذ اجتہاد ''استحسان'' ہے، استحسان کا اصل مقصود احکام میں لوگوں کے حالات کی رعایت ہے، اس موقع پر علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رعایت چشم کشا ہے:

الاستحسان ترک القیاس و الأخذ بما هو أوفق للناس، و قیل: الاستحسان طلب السهولة فی الاحکام التی یبتلی فیها الخاص و العام، و قیل: الأخذ بالسماعة و ابتغاء ما فیه الراحة، و حاصل هذاه العبارات انه ترک العسر للیسر و هو فی الدین و قال الله تعالیٰ: "یرید الله بکم الیسر و لا یرید بکم العسر" و قال صلی الله علیه وسلم: خیر دینکم الیسر۔ (المبسوط: ۱۰/ ۱۴۵)

استحسان قیاس کو چھوڑنے کو اور لوگوں کے موافق حال حکم کو قبول کرنے کا نام ہے، بعضے کہتے ہیں کہ ایسے احکام میں جن میں عام و خاص مبتلا ہوں، اس میں طلب سہولت کو کہتے ہیں، بعضوں نے لکھا: سہولت و رخصت کی جستجو سے عبارت ہے، بعضوں نے کہا: فراخی کو لینا اور راحت کی صورت کو منتخب کرنا استحسان ہے اور یہ دین کی ایک مستقل اصل ہے، ارشاد خداوندی ہے: اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتے ہیں، اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: تمہارا بہترین طریقہ آسانی ہے۔

ہماری کتب فقہ میں استحسانی مسائل بڑی تعداد میں ہیں، اور وہ سب عام طور پر اسی نوعیت کے ہیں کہ ان کے ذریعہ کسی مشکل کو دفع کیا گیا ہے، مثلاً کنویں میں اگر نجاست گر جائے تو شریعت نے پاکی اور تطہیر کا جو عام اصول بتلایا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ محض پانی نکال دینا کنویں کی پاکی کے لئے کافی نہ ہو۔ بلکہ کنویں کی دیواریں اور نیچے کی سطح بھی پانی سے دھو دی جائے، پاک کرنے کا یہ اصول چھوٹے برتنوں کے معاملہ میں تو قابل عمل ہے، لیکن اگر کنویں میں پاکی کے مسئلہ میں بھی اس عام قیاس کو لازم رکھا جاتا تو سخت دشواری کا سامنا ہوتا۔ اسی لئے اس دشواری سے بچانے کے لئے استحساناً پانی نکال دینے کو کافی قرار دیا گیا۔

احناف کے یہاں استحسان سے زیادہ کام لینے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے یہاں احکام کا مدار "علت" پر ہے نہ کہ "حکمت" پر، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علت کی رعایت کا تقاضا کچھ اور ہوتا ہے لیکن وہ شریعت کی مصلحت عامہ کے خلاف ہو جاتا ہے، ایسے مواقع پر ایسی صورتوں میں استثناء اور اس کو شریعت کی عمومی مصلحت اور حکمت کے مطابق کرنے کا کام استحسان سے لیا جاتا ہے، مثلاً قرض کا لین دین ایسی چیزوں میں جائز ہے جو "مثلی" ہوں، یعنی

جن کے مختلف افراد میں باہم قابل لحاظ تفاوت نہ ہو، جیسے ناپ کر اور تول کر خرید وفروخت کی جانے والی عام اشیاء، ایسی چیزیں کہ ان کے مختلف افراد میں خاصا تفاوت ہو، ان میں قرض کا لین دین جائز نہیں، اس علت کا تقاضا یہ تھا کہ روٹیوں میں بھی قرض کی اجازت نہ ہو، مگر شریعت کی رعایت کرتے ہوئے متاخرین نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پر فتوی دیتے ہوئے روٹی میں گن کر قرض اور لین دین کی اجازت دی۔ (ہدایہ، ربع سوم: ۷۰)۔

استحسان کا ثبوت امام بخاری کی نظر میں

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے استحسان کا ذکر دو جگہ کیا ہے: (۱) باب قول اللہ عز وجل: "من بعد وصية يوصين بها او دين" (النساء: ۲۲) اسی باب میں لکھا ہے: وقال بعض الناس: لا يجوز اقراره لسوء الظن به للورثة، ثم استحسن۔ (کتاب الوصایا حدیث: ۲۷۴۹) امام بخاریؒ نے اصل مسئلہ میں احناف سے مخالفت کی ہے، لیکن استحسان کے نتیجہ میں احناف کے موافق ہیں۔ یعنی احناف نے اقرار بالدین اور اقرار بالودیعہ، بضاعہ، اور مضاربت کے درمیان فرق کیا ہے، امام بخاریؒ یہ فرق کرنے میں احناف کے موافق ہیں، (۲) باب يمين الرجل لصاحبه انه أخوه، اذا خاف عليه القتل أو نحوه۔ اسی باب میں آگے لکھتے ہیں: يلزمه في القياس و لكنا نستحسن۔ (کتاب الاکراہ، قبل حدیث ۶۹۵۱)۔

دونوں مقامات میں انہوں نے احناف کو نشانہ بنایا ہے، لیکن شراح محدثین نے دونوں جگہ امام بخاریؒ کی غلط فہمی اور احناف کے صحیح مسلک کو ذکر کیا ہے۔ (المبسوط: ۲۲/ ۱۴۰)

علامہ ابن حجر پہلے مسئلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں: "وقد فرق بعض الحنفية بأن ربح المال في المضاربة مشترك بين العامل والمالك، فلم يكن كالدين المحض" (فتح الباری: ۵/ ۳۷۶) و ذكر العيني ان الحنفية لم يفرقوا في هذه المسئلة بالاستحسان، بل استدلوا بغير ذلك۔ (عمدۃ القاری: ۱۱/ ۲۷۳) دوسرے مسئلے کے متعلق مولانا بدر عالمؒ فرماتے ہیں کہ احناف کا استحسان کتاب وسنت کے موافق ہے، ان قياس الحنفية صحيح لأنه لا يستوى المباح كالبيع والهبة۔

الموقوف: مع المعصية كشرب الخمر و اكل الميتة التي لا تباح بحال الا للمضطر، وهاهنا لا اضطرار في رأي الحنفية، وجه عدم الاضطرار كون الامر متعلقا بالغير۔ (حاشیہ فیض الباری: ۴/ ۴۷۸، الابواب والتراجم: ۶/ ۲۶۳، ۲۶۴)

کچھ حضرات نے امام بخاریؒ کی طرف امام شافعیؒ کی موافقت میں استحسان کے عدم جواز کا قول منسوب کیا ہے، لیکن امام بخاریؒ نے بہت سے تراجم وتطبیقات میں اسی استحسان سے کام لیا ہے، جو احناف کے نزدیک استحسان کی شکل ہوتی ہے، اسی طرح آپ کی کتاب "خير الكلام في القراءة خلف الامام" (۱۱۔۱۲) پر بھی مثال موجود ہے، اسی طرح کتاب الزکوۃ (قبل حدیث: ۱۴۲۶) میں باب لا صدقة الا عن ظهر غنى میں بھی آپ نے استحسان سے ہی کام لیا ہے۔

حاصل یہی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے استحسان کی صراحۃً نفی نہیں فرمائی۔

اقوال صحابہ:

یہ بحث کہ اقوال اصحاب احکام شرع کے جاننے کے لئے حجت ہیں یا نہیں؟ اصولی مباحث میں خاص اہمیت کی حامل ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہوا، وہ مہبط وحی کے قریب رہے، سارے کے سارے صحابہ باجماع امت عادل ہیں، قرآن کریم نے انہیں براہ راست مخاطب کرتے ہوئے خیر امت قرار دیا اور "امت وسط" بتایا۔ آیت قرآن: "محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعاً سجداً يبتغون فضلاً من الله و رضواناً" (سورہ فتح: ۲۹) میں ان کے حسن نیت کی شہادت دی گئی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کو برا نہ کہنا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں کوئی احد کے پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو صحابہ کے ایک مد بلکہ نصف مد کی برابری نہیں کرسکتا۔ (رواہ الشیخان واحمد وابوداود والترمذی عن ابی سعید الخدری)

علاوہ ازیں صحابہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا تھا، ان میں سادگی تھی، تصنع نہیں، ان کے علم میں گہرائی تھی، ان کے قلوب ورع وتقوی سے معمور تھے، وہ تفقہ میں امت کے ممتاز ترین افراد تھے، نزول قرآن کے براہ راست مشاہد تھے، نزول آیات کے پس منظر سے پوری طرح واقف تھے، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اوران کے مقاصد سے اچھی طرح آشنا تھے، یہی وجہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ علی الاطلاق قول صحابی کو حجت تسلیم کرتے ہیں، اور یہی مسلک امام مالکؒ کا ہے، امام شافعیؒ کا قول قدیم اور امام احمد بن حنبلؒ کی دو روایتوں میں سے ایک جسے ابن قیم نے ترجیح دی ہے، یہی ہے۔

اقوال صحابہ کی چند صورتیں

(۱) کسی صحابی سے کسی مسئلہ میں کوئی قول ثابت اور مشہور ہو اور کسی دوسرے صحابی سے اس کے خلاف کوئی قول منقول نہ ہو تو یہ ''اجماع سکوتی'' تصور کیا جائے گا اور بالاتفاق واجب التسلیم ہوگا۔

(۲) صحابی کا قول ایسے امور کے بارے میں جس میں قیاس کو دخل نہیں بلا عذر حجت ہوگا، کہ دراصل صحابی کا قول ایسے امور میں اس کی اجتہادی رائے نہیں، بلکہ اسے وحی رسول پر مبنی ہدایت شمار کیا جائے گا۔

(۳) اسی طرح صحابی کا وہ قول جس کی تائید کتاب اللہ، سنت رسول اللہ یا اجماع امت سے ہوتی ہو، ان مؤیدات کی وجہ سے سبھی کے نزدیک واجب التسلیم ہوگا۔

(۴) اگر صحابی کا اپنے قول سے رجوع ثابت ہو تو وہ قول مرجوع عنہ بالاتفاق حجت نہیں ہوگا۔

(۵) اگر صحابہ کے مابین کوئی مسئلہ مختلف فیہ ہو تو مجتہد کو قوت دلیل کی بنیاد پر کسی قول کو قبول کرنے کا حق ہوگا۔

(۶) اگر کسی ایسے مسئلہ میں جس میں ابتلاء عام ہو اور مبتلی بہم کے جاری وساری عمل کے خلاف کوئی قول کسی صحابی کا ملے تو حجت نہیں ہوگا۔

مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ میں قول صحابہ امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبل کی راجح

رائے کے مطابق حجت ہوگا۔ امام شافعیؒ کی طرف یہ منسوب ہے کہ وہ اپنے قول جدید میں حجیت قول صحابی کے منکر ہیں، ان کے اس قول کو امام غزالی، آمدی اور ابن الحاجب نے اختیار کیا ہے اور یہی مذہب معتزلہ اور شیعہ کا ہے، علامہ ابن القیمؒ نے امام شافعیؒ کی طرف اس قول کی نسبت کا انکار کیا ہے۔ (مباحث فقہیہ: ۸۲۔ ۸۳، اصول ابوزہرہ: ۳۹۰)

صحابۂ کرام کے اقوال وافعال

امام بخاریؒ نے صحابۂ کرام کے فضائل اور ان کے اقوال وافعال بہت تفصیل سے نقل کئے ہیں، باب فضائل أصحاب النبی ﷺ، و من صحب النبی ﷺ اور آہ من المسلمین، فهو من أصحابه۔ (قبل خدیث: ۳۶۴۹) صحابی کی اس تعریف پر ابن حجرؒ فرماتے ہیں: و هذا الذی ذکره البخاری هو الراجح، انه ینبغی ان یقید بعبارة "ثم مات علی ذلک" حتی لا یدخل فی وصف الصحبة من رآه مسلما، ثم ارتد و مات کافراً۔ (فتح الباری: ۷/ ۴)

اقوال صحابہ سے نص کی تائید

(۱) باب اغتسال الصائم و بل ابن عمر ثوبا، فألقاه علیه و هو الصائم۔ (قبل حدیث: ۱۹۳۰) اس ترجمہ میں امام بخاریؒ نے صحابۂ کرم کے اقوال نقل کئے، حضرت ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور حضرت انسؓ کے علاوہ کئی تابعین کے اقوال بھی نقل کئے، جو سب روزہ کی حالت میں آپ ﷺ کے غسل کے سلسلے میں وارد ہیں، امام بخاریؒ اس کے ذریعہ ان لوگوں کا رد کرنا چاہتے ہیں جو روزہ کی حالت میں غسل کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ (المتواری: ص ۱۳۷)

جس مسئلہ میں کوئی خاص نص وارد نہ ہوئی ہو یا صراحت نہ ہو اس میں صحابۂ کرام کے اقوال نقل کرنا

(۱) باب ما جاء فی التقصیر، و کم یقیم حتی یقصر، (قبل حدیث:

۱۰۸۰) اس باب میں ابن عباسؓ کی روایت نقل کی: قال: أقام النبی ﷺ تسعة عشر یقصر، فنحن اذا سافرنا تسعة عشر قصرنا، و ان زدنا أتممنا۔ قصر کی مدت کے اختتام کے سلسلے میں آپ ﷺ سے کوئی صریح نص مذکور نہیں ہے، تو امام بخاریؒ نے صحابہ کے اقوال میں سب سے معتبر قول ذکر کیا، قال الخطابی: فالقول فی هذا الباب ما ذهب الیه ابن عباس و هو أصح ما روی فی هذا الباب۔ (اعلام الحدیث: ۱/ ۶۲۵)

(۲) باب الطلاق فی الاغلاق والکره، والسکران والمجنون و أمرهما، (قبل حدیث: ۵۲۶۹) امام بخاریؒ نے اس ترجمہ کے تحت بھی کئی صحابہ کرام کے اقوال ذکر کئے، طلاق کے ان مسائل کے سلسلے میں کوئی خاص نص وارد نہیں ہوئی ہے، عمومی نصوص کے ماتحت یہ داخل ہیں، طلاق مجنون وسکران کے عدم وقوع پر حضرت عثمانؓ کے اقوال نقل کئے، اور طلاق سکران اور مستکرہ کے عدم وقوع کے سلسلے میں حضرت ابن عباس کے اقوال نقل کئے، اسی طرح حضرت عقبہ بن عامرؓ اور حضرت علیؓ کے اقوال بھی نقل کئے ہیں، ان تمام میں کوئی خاص نص وارد نہیں ہوئی ہے۔

نص کے خلاف صحابہ کے قول کی مثال

باب أوقاف أصحاب النبی ﷺ و أرض الخراج و مزارعتهم و معاملاتهم۔ (قبل حدیث: ۲۳۳۴) اس باب کے ماتحت حضرت عمرؓ کا جو قول نقل کیا: لولا آخر المسلمین ما فتحت قریة الا قسمتها بین أهلها، کما قسم النبی ﷺ خیبر۔ (۲۳۳۴) اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ جو علاقہ وقوت وغلبہ سے فتح ہوا اس کو ۴/۵ کے حساب سے مجاہدین میں تقسیم کیا جائے۔ (الانفال ۴۱) اور حضرت عمرؓ کی روایت میں بھی غنیمت کی تقسیم کو ہی اصل قرار دیا ہے، لیکن آپ نے اس نص خاص کے خلاف اجتہاد فرمایا اور دوسری نص کے عموم "والذین جاءوا من بعدهم" (الحشر: ۸-۱۰) سے استدلال کیا جو مال غنیمت کے سلسلے میں نازل نہیں ہوئی ہے، (فتح الباری: ۵/ ۱۸)

حاصل یہ کہ اقوال صحابہ بخاری میں کثرت سے ذکر کئے گئے ہیں، و هذا الفصل

تدعو الیہ حاجۃ المعتنی بصحیح البخاری لکثرتہ فیہ۔ و باللہ التوفیق۔
(ماتمس الیہ حاجۃ القاری: ص/ ۸۵۔۸۶، فقہ الامام البخاری: ۱/ ۵۴)

افعال صحابۂ کرام نقل کرنے کا اہتمام

امام بخاریؒ نے اقوال صحابہ کی طرح افعال صحابہ کو نقل کرنے کا بھی خصوصی اہتمام کیا ہے، حدیث ۱۴۲۶ سے پہلے کا باب "باب لا صدقۃ الا عن ظھر غنیً" میں لفظ "کفعل أبی بکر" اسی طرح باب ھل یأمر الامام رجلاً فیضرب الحد غائباً عنہ؟ قد فعلہ عمرؓ (قبل حدیث ۶۸۵۹) اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے افعال کو کثرت سے ذکر کرتے ہیں، کیونکہ وہ آپ ﷺ کے افعال و اعمال پر کثرت سے عمل پیرا رہتے تھے، (قبل حدیث: ۲۶۵، قبل حدیث: ۱۵۷۴، حدیث: ۱۷۵۳)، و فعلہ أبو طلحۃ و أبو ھریرۃ، و ابن عباس، و حذیفہ رضی اللہ عنھم۔ (قبل حدیث: ۱۹۲۴) و فعلہ أبو سعید۔ (قبل حدیث: ۶۸۴۴) اقوال صحابۂ کرام کے حجت ہونے کے سلسلے میں امام بخاریؒ نے کوئی صراحت نہیں کی ہے، آپ کے بعض استدلالات حجیت کی طرف مشیر ہیں، تو بعض اقوال اس کے برخلاف عدم حجیت والے معلوم ہوتے ہیں۔ خطیب بغدادیؒ نے امام بخاریؒ کا قول نقل کیا ہے جس سے عدم حجیت کا پتہ چلتا ہے، قال البخاری رحمہ اللہ: و لست اروی حدیثاً من حدیث الصحابۃ او التابعین الاّ ولی فی ذلک اصل احفظ حفظاً عن کتاب اللہ و سنۃ رسول اللہ ﷺ۔ (تاریخ بغداد: ۲/ ۲۴) جبکہ ایک باب "باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، وقول اللہ تعالی: "واجعلنا للمتقین اماماً" (الفرقان: ۷۴) میں امام مجاہد کا قول نقل کیا ہے۔ قال (المجاھد) ائمۃ نقتدی بمن قبلنا و یقتدی بنا من بعدنا۔ امام بخاری کی اس تشریح سے پتہ چلتا ہے کہ مقتدیٰ کی اقتداء کی جائے، اور صحابہ سے بڑھ کر کس کی اقتداء ہو سکتی ہے۔ (قبل حدیث: ۷۲۷۵)

حاصل یہ ہوا کہ صحابۂ کرام یا تابعین کے اقوال اگر کتاب و سنت کے مطابق ہوں تو

امام بخاریؒ اس کو نقل کرتے ہیں، اور جو موافق نہ ہوں تو اس کو ذکر نہیں کرتے ہیں۔ ڈاکٹر یاسر الشمالی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الترجمة باٰثار عن الصحابة أو غيرهم: و فائدة ذكر ذلك في التراجم، الاشارة الى اعتماده و ترجيحه ما يذكره من هذه الأحاديث و الآثار۔ (مناهج المحدثين: ص/ ۱۰۷) اسی طرح دکتورہ نور حسین قاروت صحابۂ کرام کے فتاوی کے سلسلے میں امام بخاریؒ کا موقف ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتی ہیں:

ولا يميل الامام البخاري الى اخراج الرأى المخالف لاختياره، بل يقتصر على ذكر ما يوافق اختياره، و كذلك موقفه من التابعين۔ (فقه الامام البخاري في الوضوء و الغسل: ص/ ۱۳۷) اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری جب ترجمۃ الباب میں کسی صحابی یا تابعی کا قول ذکر کریں اور احادیث الباب بھی اس کے موافق ہو تو امام بخاری بھی اس رائے کے موافق ہوں گے۔ (الامام البخاری محدثا و فقیہا: ص/ ۱۷۰)

اما بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے: باب الحجة على من قال: ان أحكام النبي ﷺ كانت ظاهرة، و ما كان يغيب بعضهم عن مشاهد النبي ﷺ و امور الاسلام، (قبل حدیث: ۷۳۵۳) اس باب میں امام بخاریؒ نے واضح کیا کہ بعض صحابۂ کرام بعض سے احادیث معلوم کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے واقعہ میں اس کی تفصیل مذکور ہے، اسی طرح حدیث استئذان سے ناواقفیت پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: خفي علي هذا من أمر النبي ﷺ الهاني الصفق بالاسواق۔ (حدیث ۷۳۵۳) حضرت شیخ زکریاؒ نے ترجیح دی ہے کہ امام بخاریؒ نے اس ترجمہ سے اقوال صحابہ سے عدم حجیت مراد لی ہے۔ (حاشیۃ لامع الدراری: ۳/ ۴۳۴) حافظ ابن حجر بھی عدم حجیت والے قول کی طرف اشارہ کرتے ہیں: قال: وانما يورد ما يورد من الموقوفات من فتاوى الصحابة والتابعين و تفاسيرهم لكثير من الآيات على طريق الاستئناس التقوية لما يختاره من المذاهب في المسائل التي فيها الخلاف بين الأئمة۔ (هدى الساري: ص/ ۱۹)۔

باب سوم

تخریجات مع تدریبات

حدیث (1)

قال الإمام أبو عبد الله محمد بن إسماعيل البخاری رحمه الله فی کتاب العلم من صحیحه: (باب من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین).

حدثنا سعید بن عفیر قال حدثنا ابن وهب عن یونس عن ابن شهاب قال: قال حمید بن عبد الرحمن سمعت معاویة خطیباً یقول: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: "من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین وإنما أنا قاسم والله یعطی، ولا تزال هذه الأمة قائمة علی أمر الله لا یضرهم من خالفهم حتی یأتی أمر الله".

ترجمہ: ہم سے سعید بن عفیر نے بیان کیا، ان سے وہب نے یونس کے واسطے سے نقل کیا، وہ ابن شہاب سے نقل کرتے ہیں، ان سے حمید بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے معاویہ سے سنا۔ وہ خطبہ میں فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے دین کی سمجھ عنایت فرما دیتا ہے اور میں تو محض تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا تو اللہ ہی ہے اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا، انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے (اور یہ عالم فنا ہو جائے)۔

تخریج: صحیح بخاری حدیث نمبر (71)، (3116) اور (7312) صحیح مسلم حدیث نمبر (1037) (100)، ابن حبان (89)، طحاوی کی شرح مشکل الآثار "حدیث نمبر (1683) اور ابن عبدالبر کی "جامع بیان العلم"۔ 18 اور 19

صحابی کے متعلق: کاتب وحی، صحابی رسول، خلیفۃ المسلمین، جرنیل اسلام، فاتح عرب وعجم، امام تدبیر وسیاست، محسن اسلام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خوش نصیب انسان ہیں جن کو جلیل القدر صحابی ہونے کے ساتھ کاتب وحی اور پہلے اسلامی بحری بیڑے کے امیر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے کئی دفعہ دعائیں اور بشارتیں نکلیں، آپؓ کی بہن حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور ام المؤمنین ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ نے 19 سال تک 64 لاکھ مربع میل یعنی آدھی دنیا پر حکومت کی، تاریخ اسلام کے روشن اوراق آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کردار و کارناموں اور فضائل و مناقب سے بھرے پڑے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کے آئینہ اخلاق میں اخلاص، علم و فضل، فقہ و اجتہاد، تقریر و خطابت، غریب پروری، خدمت خلق، مہمان نوازی، مخالفین کے ساتھ حسن سلوک، فیاضی و سخاوت، اور خوف الٰہی کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔

قرآن مجید کی حفاظت میں ایک اہم سبب کتابت وحی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلیل القدر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر مشتمل ایک جماعت مقرر کر رکھی تھی جو کہ کاتب وحی تھے، ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چھٹا نمبر تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کاتب وحی بنایا تھا۔ (ازالۃ الخفاء)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خوش قسمت انسان ہیں جن کو کتابت وحی کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط تحریر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے، یہاں تک کہ سفر و حضر میں بھی خدمت کا موقع تلاش کرتے۔ چنانچہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں تشریف لے گئے تو سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے پیچھے گئے۔ راستہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کی حاجت ہوئی، پیچھے مڑ کے جو دیکھا تو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی لیے کھڑے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے متاثر ہوئے، چنانچہ وضو کے لیے بیٹھے تو فرمانے لگے: معاویہ! تم حکمراں بنو تو نیک لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا اور برے لوگوں کے ساتھ درگزر کرنا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرمایا کرتے تھے کہ اسی وقت مجھے امید ہوگئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی صادق آئے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی خدمت اور بے لوث محبت سے اتنے خوش تھے کہ بعض اہم خدمات آپ کے سپرد فرمادی تھیں۔ علامہ اکبر نجیب آبادی رقمطراز ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کی خاطر مدارات اور ان کے قیام وطعام کا انتظام واہتمام بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے سپرد کر دیا تھا۔ خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں آپ نے مانعین زکوٰۃ، منکرین ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جھوٹے مدعیان نبوت اور مرتدین کے فتنوں کے خلاف بھرپور حصہ لیا اور کئی کارنامے سرانجام دیے۔ (تاریخ اسلام)

سندی نکات:

1۔ سلسلہ سند کے تمام روات سوائے سعید بن عفیر کے صحاح ستہ کے ہیں۔

2۔ حدیث کے راویوں میں دو تابعی مدنی، قریشی اور زہری ہیں، وہ ابن شہاب الزہری اور ان کے شیخ حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔

3۔ راویوں کے سلسلہ میں دو مصری ہیں، شیخ البخاری سعید بن عفیر اور شیخ عبداللہ بن وہب۔

4۔ سند کے نصف اول کے رواۃ قریشی ہیں، اور وہ معاویہ رضی اللہ عنہ، حمید بن عبدالرحمٰن اور ابن شہاب الزہری ہیں، اور نصف ثانی کے رواۃ موالی ہیں، انصار کے مولی سعید ابن عفیر، قریش کے مولی ابن وھب اور بنی امیہ کے مولی یونس بن یزید۔

تشریح:

حدیث شریف سے مندرجہ ذیل نکات مستنبط ہوتے ہیں:

1۔ علم کے حصول کی حوصلہ افزائی۔

2۔ علماء کی دوسرے لوگوں پر فضیلت کا بیان۔

3۔ دیگر تمام علوم پر دین کو سمجھنے کی فضیلت کی وضاحت۔

4۔خدا تعالیٰ کی مرضی اور ارادے کو ثابت کرنا۔
5۔دین میں فقہ بندے کے لیے خدا کی خوشنودی کی علامت ہے۔
6۔لوگوں کو سنت کی طرف رہنمائی کرنا اور منبروں پر اس کا اعلان کرنا۔
7۔تقدیر پر یقین۔
8۔اس قوم کو بشارت کہ اس میں خیر باقی رہے گی۔

تفقہ فی الدین کی اہمیت وعظمت پر تفصیل:

"مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ" (جس سے اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے، اسے دین میں فقاہت دیتا ہے)۔مسند احمد کی روایت کے الفاظ یوں ہیں: "إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِعَبْدٍ خَيْرًا يُفَقِّهُهُ فِي الدِّيْنِ" جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین میں سمجھ عطا کرتا ہے"۔

اس روایت میں (خیراً) کو نکرہ لایا گیا ہے۔اس کی تنکیر تفخیم کے لیے ہے جو کسی شے کی عظمت اور کثرت کے بیان کے لیے آتی ہے۔مراد یہ ہے کہ تفقہ فی الدین پر عظیم اور کثیر خیر ملنے والی ہے۔چونکہ یہاں تنکیر سیاق شرط میں واقع ہوئی ہے اس لیے اس میں تعمیم کا معنی بھی پایا جاتا ہے، مطلب یہ کہ خیر سے مراد ہر طرح اور ہر قسم کا خیر ہے۔مسند احمد کی ایک روایت میں لفظ خیر معرف باللام لایا گیا ہے: "مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ الْخَيْرَ يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ" اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا کرتا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے تفقہ فی الدین سے نوازتا ہے گویا اسے کل خیر عطا کر دیتا ہے۔

ایک بار نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: "مَنْ خَيْرُ النَّاسِ" بہترین لوگ کون سے ہیں"؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "أَفْقَهُهُمْ فِي دِيْنِ اللّٰهِ وَأَوْصَلُهُمْ لِرَحِمِهٖ" "جو ان میں دین کی زیادہ سمجھ رکھتا ہے اور بہتر صلہ رحمی کرنے والا ہو"۔(مسند احمد) اس حدیث میں انسان کے بہتر ہونے میں تفقہ فی الدین کا ذکر کیا گیا اور اس کے بعد اس کے اعمال میں سے

ایک عمل کا ذکر کیا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں سمجھ کی وجہ سے انسان کے اعمال میں درستی پیدا ہوتی ہے۔ اہل خانہ، پڑوس اور دوسرے رشتے داروں حتی کہ دیگر جانداروں کے ساتھ بھی اس کا برتاؤ شریعت کی روشنی میں اچھا ہوتا ہے جس کی وجہ سے خود اس کی اور اس کی وساطت سے دوسروں کی زندگی اچھی گزرتی ہے۔ یہ تو اس کی دنیا کی زندگی کا امن وسکون ہے لیکن دین میں سمجھ اور اس کے مطابق پرسکون زندگی بسر کرنے والے کو بہترین اجر تو آخرت کی زندگی میں ملے گا: ''مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ '' (النحل :97) ترجمہ: جو عورت یا مرد نیک عمل کرے اور وہ صاحب ایمان ہو تو ہم اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور ان کے اعمال کا انھیں اچھا بدلہ دیں گے۔

تفقہ فی الدین کی اہمیت اس طرح سمجھی جا سکتی ہے کہ انسان کی غایت تخلیق عبادت ہے اور عبادت کا درست اور مقبول ہونا تفقہ پر منحصر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''لا خير في عبادةٍ ليس فيها تفقه'' (جامع الاصول) اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جس میں سمجھ شامل نہیں ہے۔ تفقہ کو عبادت کی خوبی اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اعمال کی صحت کا دارومدار ان کی شرائط وارکان پر ہے اور اس علم کا تعلق فقہ کے ساتھ ہے۔ پس فقہ کی موجودگی عبادت کے درست ہونے کے لیے لازمی ہے۔ محمد ابن الحکیم الترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انسان اللہ تعالیٰ کے احکام ونواہی کے مطابق ہی اس کی عبادت کرتا ہے پس جب انسان اپنی عقل وسمجھ بوجھ کے ذریعے احکام (کی تفصیل) معلوم کرتا ہے تاکہ ان کی پابندی کر سکے تو یہ عمل بھی عبادت میں شامل بلکہ محض عبادت ہی ہے۔ جس انسان کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم پہنچے اور وہ اس حکم کی خوبی اور فائدے کو معلوم نہ کر سکے اور جسے کوئی نہی پہنچے اور وہ اس امر ممنوع کی برائی کو معلوم نہ کر سکے تو وہ اندھیرے میں ہے۔ جب انسان حکم الٰہی کی خوبی اور امر ممنوع کی برائی جان لیتا ہے تو حکم پر عمل کرنا اور ممنوع سے رکنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ وہ دل وماغ کی پوری قوت اور آمادگی کے

ساتھ اس امر و نہی کو اختیار کرتا ہے وہ اس خدائی رہنمائی پر اللہ کا شکر گزار ہوتا ہے اور جو ان چیزوں سے واقف نہ ہو اس کا دل ان احکام کے بارے میں سخت اور اس کے جوارح ان احکام پر عمل میں سست ہوتے ہیں"۔ (نوادر الاصول)

احادیث مبارکہ میں تفقہ فی الدین حاصل کرنے کو باعث خیر و خوبی بتایا گیا تو اب یہ سمجھنا چاہیے کہ جو اس سے اعراض کرے گا وہ گویا اپنی بھلائی سے اعراض کر رہا ہے۔ علامہ نور الدین سندھی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "وَمَنْ لَا فِقْهَ لَهُ وَلَا طَلَبَ فَلَا خَيْرَ لَهُ لِتَنْزِيلِ الْحِرْمَانِ عَنْ خَيْرِ الْفِقْهِ مَنْزِلَةَ الْحِرْمَانِ عَنْ مُطْلَقِ الْخَيْرِ (حاشية على ابن ماجه)" جسے فقہ حاصل نہیں ہے اور نہ ہی اس کی طلب میں لگا ہے اس کے لیے کچھ خیر نہیں ہے کیونکہ فقاہت سے محرومی کل خیر سے محرومی کے برابر ہے"۔ علامہ کی اس تشریح سے دو صورتیں سامنے آتی ہیں کہ انسان یا تو حاملِ فقہ ہو یا طالبِ فقہ، اس کے علاوہ ہر صورت محرومی ہی کی کوئی شکل ہے۔ اس مفہوم کی تائید دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے: ﴿الْعَالِمُ وَالْمُتَعَلِّمُ شَرِيكَانِ فِي الْأَجْرِ وَلَا خَيْرَ فِي سَائِرِ النَّاسِ﴾ (سنن ابن ماجه) عالم اور متعلم اجر میں برابر شریک ہوتے ہیں اور ان کو چھوڑ کر دوسرے تمام لوگوں میں کوئی خیر نہیں ہے"۔

حدیث زیر مطالعہ کے ذیل میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "وَمَفْهُومُ الْحَدِيثِ أَنَّ مَنْ لَمْ يَتَفَقَّهْ فِي الدِّينِ أَيْ يَتَعَلَّمْ قَوَاعِدَ الْإِسْلَامِ وَمَا يَتَّصِلُ بِهَا مِنَ الْفُرُوعِ فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ: (فتح الباری) حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو شخص دین میں فقاہت پیدا نہ کرے یعنی اسلام کے قواعد و اصول اور فروعی احکام نہ سیکھے تو وہ کل خیر سے محروم ہو گیا۔

حدیث: 2

قال الإمام البخاري رحمه الله في بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم:

حدثنا عبدان قال أخبرنا عبد الله قال أخبرنا يونس عن الزهري ح وحدثنا بشر بن محمد قال أخبرنا عبد الله قال أخبرنا يونس ومعمر عن الزهري نحوه قال: أخبرني عبيد الله بن عبد الله عن ابن عباس، قال: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أجود الناس، وكان أجود ما يكون في رمضان حين يلقاه جبريل، وكان يلقاه في كل ليلة من رمضان فيدارسه القرآن، فلرسول الله صلى الله عليه وسلم أجود بالخير من الريح المرسلة".

ترجمہ:

ہم سے عبدان نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبداللہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے یونس نے بیان کیا، وہ الزہری سے، (تحویل) اور ہم سے بشر بن محمد نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے عبداللہ نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: ہم سے یونس اور معمر نے زہری کی سند سے بیان کیا، انہوں نے کہا: مجھ سے عبیداللہ بن عبداللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخاوت اور خیر کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی تھی جب جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان میں ملتے، جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان شریف کی ہر رات میں ملتے یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل علیہ السلام سے قرآن کا دور کرتے تھے، جب جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے لگتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتی ہوا سے بھی زیادہ بھلائی پہنچانے میں سخی ہو جایا کرتے تھے۔

تخریج

صحیح البخاری میں پانچ مرتبہ یہ حدیث وارد ہے:

1: بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

2: كتاب الصيام: باب أجود ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يكون في رمضان. ولفظه: حدثنا موسى بن إسماعيل حدثنا إبراهيم بن سعد أخبرنا ابن شهاب عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة أن ابن عباس رضي الله عنهما قال: "كان النبي صلى الله عليه وسلم أجود الناس بالخير وكان أجود ما يكون في رمضان حين يلقاه جبريل، وكان جبريل عليه السلام يلقاه كل ليلة في رمضان حتى ينسلخ يعرض عليه النبي صلى الله عليه وسلم القرآن فإذا لقيه جبريل عليه السلام كان أجود بالخير من الريح المرسلة.

3: في كتاب بدء الخلق: باب ذكر الملائكة ولفظه: حدثنا محمد ابن مقاتل أخبرنا عبد الله أخبرنا يونس عن الزهري قال: حدثني عبيد الله بن عبد الله عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أجود الناس، وكان أجود ما يكون في رمضان حين يلقاه جبريل، وكان جبريل يلقاه في كل ليلة من رمضان، فيدارسه القرآن"، فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم حين يلقاه جبريل أجود بالخير من الريح المرسلة. وعن عبد الله حدثنا معمر بهذا الإسناد نحوه وروى أبو هريرة وفاطمة رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم: "أن جبريل كان يعارضه القرآن".

4: في كتاب المناقب: باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم رواه عن شيخه عبدان بسنده في هذا الحديث وبمثل لفظه عند بشر بن محمد إلا أنه بدون "كان" في قوله: وكان أجود ما يكون الخ.

5: في كتاب فضائل القرآن: باب كان جبريل يعرض القرآن على النبي صلى الله عليه وسلم ولفظه: حدثنا يحيى بن قزعة حدثنا

إبراهيم بن سعد عن الزهري عن عبيد الله بن عبد الله عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: "كان النبي صلى الله عليه وسلم أجود الناس بالخير وأجود ما يكون في شهر رمضان، لأن جبريل كان يلقاه في كل ليلة في شهر رمضان حتى ينسلخ يعرض عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم القرآن، فإذا لقيه جبريل كان أجود بالخير من الريح المرسلة"۔

نیز یہ حدیث مسلم نے اپنی صحیح میں (2308)، بیہقی نے "الدلائل" 1/326 میں، نسائی نے "المجتبیٰ" میں 4/125، اور الکبریٰ (7993) میں، ابن حبان نے صحیح میں (6370) تخریج کی ہے۔

صحابی کے متعلق:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فضل وکمال کے اعتبار سے اپنے زمانے کے صف اول کے علماء میں سے تھے جن کی ذات گرامی ایسا صحیفہ تھی جس میں تمام علوم ومعارف جمع تھے۔ قرآن تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شعر وشاعری، فرائض اور مغازی وغیرہ۔ کوئی ایسا علم نہ تھا جس میں سے اللہ تعالیٰ نے ان کو حظِ وافر عطا نہ فرمایا ہو، بالخصوص کلام اللہ کی تفسیر وتاویل میں جو مہارت اور آیات قرآنی کے شان نزول اور ناسخ ومنسوخ کے علم میں جو وسعت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی شاید کسی کے حصہ میں آئی ہو۔

تدفین اور نماز جنازہ:

آخر کار علم وعمل کا یہ پیکر، حبر الامۃ، ابن عم رسول سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما 68 ھجری میں دار فانی سے دارِ باقی کی طرف تشریف لے گئے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت محمد بن حنیفہ رحمہ اللہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین کے بعد فرمایا:

"اليوم مات ربانی هذه الأمة"۔ (سیر اعلام النبلاء ج:4 ص:180)

کہ آج اس امت کا ایک عالمِ ربانی دنیا سے رخصت ہو گیا۔

سندی نکات:

1: حدیث کے سلسلہ سند میں دو مدنی تابعی ہیں، وہ ہیں ابن شہاب الزہری اور ان کے شیخ عبید اللہ بن عبد اللہ۔

2: راویوں میں تین مروزی ہیں: البخاری کے دونوں شیخ: عبدان اور بشر، اور ان کے شیخ: عبداللہ بن المبارک۔

3: سلسلہ حدیث میں عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود مدینہ کے سات فقہاء تابعین میں سے ایک ہیں۔

4: حدیث کی سند میں عبدان ایک لقب ہے جس کے لیے وہ مشہور تھے، اور ان کا نام عبداللہ بن عثمان ہے۔

تشریح:

حدیث سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

1۔ خدا نے اپنے نبی کو لوگوں میں سب سے زیادہ سخی بنایا۔

2۔ فیاضی کی صفت کا مرغوب ہونا۔

3۔ رمضان المبارک میں سخاوت بڑھانے کی تاکید۔

4۔ رمضان المبارک میں کثرت سے قرآن کی تلاوت کرنا مستحب ہے کہ یہ دوسرے اذکار سے افضل ہے، کیونکہ اگر ذکر افضل یا برابر ہوتا تو جبرائیل علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ذکر میں مشغول رہتے۔

5۔ نیک لوگوں کی زیارت کرنا مستحب ہے۔

6۔ قرآن کا دور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کی ایک صورت ہے۔

7۔ قرآن کو لگاتار پڑھنا نیکیوں میں اضافے کا سبب ہے۔

8۔ نیک آدمی کے ساتھ مذاکرہ کرنا پسندیدہ ہے تاکہ اس سے علم و دین میں اضافہ ہو۔

9۔ تلاوت قرآن کا سب سے بڑا ثمرہ یہ ہے کہ قاری پر اس کے اخلاق وعمل میں اس کا اثر ظاہر ہو جیسا کہ اس حدیث نبوی میں ہے۔

حدیث 3

قال البخاری رحمہ اللہ فی کتاب الإیمان من صحیحہ:

حدثنا عمرو بن خالد قال حدثنا اللیث عن یزید عن أبی الخیر عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما: " أن رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم أی الإسلام خیر؟ قال: "تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف۔

ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کی عمرو بن خالد نے، ان کو لیث نے، وہ روایت کرتے ہیں یزید سے، وہ ابوالخیر سے، وہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے کہ ایک دن ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ فرمایا کہ تم کھانا کھلاؤ، اور جس کو پہچانو اس کو بھی اور جس کو نہ پہچانو اس کو بھی، الغرض سب کو سلام کرو۔

تخریج:

امام بخاری نے اس حدیث کو تین جگہ ذکر فرمایا ہے۔

1: کتاب الإیمان فی باب إطعام الطعام من الإسلام۔

2: کتاب الإیمان فی باب إفشاء السلام من الإسلام ولفظہ: حدثنا قتیبۃ قال: حدثنا اللیث عن یزید بن أبی حبیب عن أبی الخیر عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما مثلہ۔

3: کتاب الاستئذان باب السلام للمعرفۃ وغیر المعرفۃ ولفظہ: حدثنا عبد اللہ بن یوسف حدثنا اللیث قال حدثنی یزید عن أبی الخیر عن عبد اللہ بن عمرو أن رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم أی الإسلام خیر: قال: "تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت

وعلى من لم تعرف".

مزید یہ حدیث الادب المفرد (1013) (1050) میں، مسلم (39)، ابوداؤد (5194)، النسا میں۔ 107/8، ابن ماجہ (3253)، ابن حبان (505)، موجود ہے۔

صحابی کے متعلق:

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص ابوعبدالرحمن رضی اللہ عنہما کا شمار صحابہ کرام کی اس جماعت میں ہوتا ہے جو علم و فضل اور عبادت و ریاضت کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتے تھے۔

آپ کا علمی ذوق:

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو علم کی تلاش اور جستجو بہت زیادہ تھی جس کی وجہ سے آپ نے اپنی مادری زبان کے علاوہ عبرانی زبان میں بھی اچھی خاصی مہارت حاصل کر لی تھی۔ دربار نبوی میں اکثر حاضر رہتے، جو کچھ زبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے اس کو زیب قرطاس کر لیتے تھے۔ اسی ذوق اور جستجو کی بناء پر جس قدر احادیث نبوی کا ذخیرہ آپ کے پاس تھا اس کا اندازہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے فرمان سے لگایا جا سکتا ہے، فرماتے ہیں: "ما كان أحدٌ أعلمَ بحديثِ رسولِ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ مني إلا ما كان من عبدِ اللهِ بنِ عمرٍو فإنَّهُ كان يكتبُ بيدِهِ ويعي بقلبِهِ و كنتُ أعي ولا أكتبُ"۔ سیر اعلام النبلاء ج4ص46

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما واحد شخص ہیں جن کے پاس مجھ سے زیادہ احادیث کا ذخیرہ موجود تھا، وجہ یہ تھی کہ عبداللہ بن عمرو احادیث لکھتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما جو کچھ زبان نبوت سے سنتے اس کو لکھ لیتے۔ آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ کے ارشادات اور ملفوظات کا ایک مجموعہ جمع کیا جس کا نام صادقہ رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہما اس مجموعہ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔

اخبار رسول کے بیان کرنے میں احتیاط:

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے جب کوئی بات پوچھی جاتی اگر آپ کو یاد ہوتی تو بتادیتے اگر زبانی کچھ یاد نہ ہوتا تو دیکھ کر جواب دیتے تھے۔

تعداد مرویات:

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے پاس احادیث نبوی کا بہت بڑا ذخیرہ تھا جیسا کہ حافظ الحدیث ابو ہریرہ رضی اللہ کا فرمان ہے۔لیکن آپ کی مرویات کی تعداد کتب احادیث میں سات سو[700] ملتی ہیں جن میں سے 7احادیث صحیح بخاری ومسلم دونوں میں ہیں۔ جب کہ 8احادیث صرف صحیح بخاری اور 20احادیث صرف صحیح مسلم میں ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ج4ص43،تہذیب ج7ص208)

سن وفات: آخر کار علوم نبوی کے بحر بیکراں، علم وعمل کے پیکر امام العابدین عالم ربانی سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بھی 65ھ کو دار الفناء کو چھوڑ کر دار البقاء کو کوچ کر گئے۔ (سیر اعلام النبلاء ج4ص48)

سندی نکات:

1: حدیث کی سند کے پانچوں راوی مصری ہیں۔

2: صحاح ستہ کے مصنفین میں سے چار مصنفین یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور ان تمام کے شیخ قتیبہ بن سعید ہیں۔

3: راویوں کے سلسلہ سند میں تین راوی ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے زمانے میں کسی نہ کسی علاقے کا مفتی تھا۔اور وہ ابوالخیر، یزید ابن ابی حبیب اور لیث بن سعد ہیں۔

4: ابوالخیر اور یزید بن ابی حبیب دونوں تابعی ہیں، لہذا یہ حدیث تابعی کی تابعی سے روایت ہے۔

5: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ہے کہ وہ اور ان کے والد کی عمر میں صرف گیارہ یا تیرہ سال کا فرق تھا۔

حدیث کی تشریح:

آپ کے ارشاد (کھانا کھلاؤ) کا مفہوم ہے کہ: کھانا کھلانا بہترین عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے کہ تم بھوکے کو سیر کرو، اس کی حاجت پوری کرو اور غریبوں کو وہ دو جو تمہارے لیے آسان ہو۔

اور حدیث میں ہے: ''آگ سے بچو، خواہ نصف کھجور ہی کیوں نہ ہو''

اور: ''تم ان کو سلام کرو جن کو تم جانتے ہو اور جن کو تم نہیں جانتے'' یعنی ہر ایک کو سلام کرو، چاہے تم اسے جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔

حدیث میں کھانا کھلانے کی ترغیب، مسلمانوں کے فائدے کا خیال رکھنا، ان کو جو بات یا فعل، براہ راست یا عقلی طور پر نقصان پہنچاتے ہیں ان سے پرہیز کرنا، اور ان کو حقیر سمجھنے سے پرہیز کرنا، اور متحد ہونے کی ترغیب ہے۔

مزید اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے:

1۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیر کے خواہش منداور حق کو جاننے والے تھے۔

2۔ علماء سے رجوع کرنا اور ان سے دینی امور کے بارے میں دریافت کرنا مستحسن عمل ہے۔

3۔ اسلام کی خصوصیات کا فرق ثابت کرنا۔

4۔ نیک صفات کی تلاش وجستجو۔

5۔ خدا کے لیے کام اخلاص سے کرنا باعث اجروثواب ہے۔

6۔ عاجزی سے کام لیں اور اس کی رہنمائی کریں۔

7۔ امن کے پھیلاؤ پر زور دینا اسلام کی خصوصیات میں سے ایک ہے۔

8۔ کھانا کھلانے کی ترغیب دینا کیوں کہ اسلام میں یہ پسندیدہ عمل ہے۔

9۔ مہمان کی عزت کرنا۔

حدیث 4

قال الإمام البخاری رحمہ اللہ فی کتاب الأدب من صحیحہ:

حدثنا آدم حدثنا شعبة حدثنا سعيد بن أبي بردة بن أبي موسى الأشعري عن أبيه عن جده قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "على كل مسلم صدقة". قالوا: فان لم يجد قال: "فيعمل بيديه فينفع نفسه ويتصدق". قالوا: فان لم يستطع أو لم يفعل؟ قال: "فيعين ذا الحاجة الملهوف". قالوا: فان لم يفعل؟ قال: "فليأمر بالخير أو قال بالمعروف". قال: فان لم يفعل؟ قال: "فليمسك عن الشر فانه له صدقة"

ترجمہ: ہم سے آدم نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے، ان سے سعید بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ اشعری نے بیان کیا، ان سے ان کے والد نے اور ان سے ان کے دادا (ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر مسلمان پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اگر کوئی چیز کسی کو (صدقہ کے لیے) میسر نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اپنے ہاتھ سے کام کرے اور اس سے خود کو بھی فائدہ پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی اگر اس میں اس کی طاقت نہ ہو یا فرمایا کہ نہ کر سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر کسی حاجت مند پریشان حال کی مدد کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے۔ فرمایا کہ پھر بھلائی کی طرف لوگوں کو رغبت دلائے، عرض کیا اور اگر یہ بھی نہ کر سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر برائی سے رکا رہے کہ یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔

تخریج:

بخاری نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں دو مقامات پر تخریج کیا ہے:

1۔ كتاب الأدب باب: كل معروف صدقة۔

2۔ في كتاب الزكاة باب على كل مسلم صدقة فمن لم يجد

فليعمل بالمعروف ولفظه: حدثنا مسلم بن إبراهيم حدثنا شعبة حدثنا سعيد بن أبي بردة عن أبيه عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "على كل مسلم صدقة"، قالوا يا نبي الله فمن لم يجد؟ قال: "يعمل بيده فينفع نفسه ويتصدق"، قالوا: فإن لم يجد؟ قال: "يعين ذا الحاجة الملهوف"، قالوا: فإن لم يجد؟ قال: "فليعمل بالمعروف وليمسك عن الشر فإنها له صدقة".

امام مسلم نے اس کو کتاب الزکاۃ میں تخریج فرمایا ہے:

حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة حدثنا أبو أسامة عن شعبة عن سعيد بن أبي بردة عن أبيه عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "على كل مسلم صدقة" قيل أرأيت إن لم يجد؟ قال "يعتمل بيديه فينفع نفسه ويتصدق"، قال: قيل أرأيت إن لم يستطع؟ قال: "يعين ذا الحاجة الملهوف"، قال: قيل له: أرأيت إن لم يستطع؟ قال:" يأمر بالمعروف أوالخير"، قال: أرأيت إن لم يفعل؟ قال "يمسك عن الشر فإنها له صدقة". وحدثنا محمد بن المثنى حدثنا عبد الرحمن بن مهدي حدثنا شعبة بهذا الإسناد.

اور یہ حدیث مندرجہ ذیل مصادر میں موجود ہے:

مسند الطيالسي (495)، مصنف ابن أبي شيبة 108/9، "المنتخب" لعبد بن حميد (561)، "الأدب المفرد" للبخاري (225) و (306)، "المجتبى" 64/5، و"الكبرى" (2318) للنسائي.

صحابی کے بارے میں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن کے باشندہ تھے مکہ مکرمہ میں آکر اسلام قبول کیا۔ پہلے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے پھر حبشہ سے کشتیوں پر سوار ہوکر تمام

مہاجرین حبشہ کے ساتھ آپ بھی تشریف لائے اور خیبر میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۰ھ میں ان کو بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تک یہ بصرہ کے گورنر رہے جب حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جنگ شروع ہوئی تو پہلے آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طرفدار تھے مگر اس جھگڑے سے منقبض ہو کر مکہ مکرمہ چلے گئے یہاں تک کہ ۵۲ ہجری میں آپ کی وفات ہوگئی۔ (اکمال، ص ۶۱۸)

سندی نکات:

1: اس کے تین راوی کوفی ہیں، ابوموسیٰ، ان کا بیٹا اور ان کا پوتا۔

2: شعبہ ابن الحجاج ہیں اور بخاری نے ان کو والد کی طرف منسوب نہیں کیا ہے کیونکہ بخاری کے راویوں میں ان کے علاوہ کوئی دوسرے شعبہ نہیں ہیں۔

3: راویوں کے سلسلہ میں حدیث میں ایک راوی کو امیر المومنین فی الحدیث کہا گیا ہے اور وہ شعبہ بن الحجاج ہیں، سفیان الثوری نے ان کو یہ لقب دیا ہے۔

تشریح:

حدیث سے مستفاد امور:

1۔ صدقہ کی ترغیب دینا۔

2۔ صدقہ، جیسا کہ مال خرچ کرنے پر بولا جاتا ہے، اسی طرح اس سے مراد تمام نیک اعمال بھی ہوتے ہیں۔

3۔ نیکی کے لیے کام کرنے اور کمانے کی ترغیب۔

4۔ حتی الامکان نیکی کی تلقین کرنا۔

5۔ اگر کوئی شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اسے کرنا اس کے لیے مشکل ہو جائے تو اسے چاہیے کہ کسی اور کام کی طرف بڑھے۔

6۔ نیک اعمال ثواب میں صدقہ دینے کے درجہ میں ہیں، خاص طور پر ان کے لیے جو اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔

7۔ استطاعت رکھنے والے کے لیے صدقہ کرنا دوسرے عمل سے بہتر ہے۔
8۔ حدیث میں اس شخص کے لیے تسلی ہے جو مستحب کام کرنے سے عاجز ہو۔
9۔ روزی کمانے اور اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی فضیلت، کیونکہ یہ اس کو سوال کی ذلت سے بچاتا ہے، اور دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔
10۔ انسان جو بھی اچھا کرتا ہے یا کہتا ہے وہ اس کے لیے صدقہ لکھا جاتا ہے۔
11۔ صدقہ عام معنوں میں صرف مالداروں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ہر کوئی اسے بغیر کسی مشقت کے کرنے پر قادر ہے۔
12۔ نیکی کے کام مختلف ہیں۔
13۔ ضرورت مندوں کی مدد کرنے کی تاکید۔
14۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔
15۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حق کو جاننے اور نیکی کے درجات سے واقف ہونے کے متمنی تھے۔

حدیث 5

قال الإمام البخاری رحمه الله فی کتاب الإیمان من صحیحه:

حدثنا یعقوب بن إبراهیم قال حدثنا ابن علیة عن عبد العزیز بن صهیب عن أنس عن النبی ح. وحدثنا آدم قال حدثنا شعبة عن قتادة عن أنس قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم. " لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من والده وولده والناس أجمعین"..

ترجمہ: ہمیں حدیث بیان کی یعقوب بن ابراہیم نے، ان کو ابن علیہ نے، وہ عبدالعزیز بن صہیب سے روایت کرتے ہیں، وہ انس رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں اور ہم کو آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، ان کو شعبہ نے، وہ قتادہ سے نقل کرتے ہیں، وہ انس رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہ ہوگا جب تک اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے

زیادہ اس کے دل میں میری محبت نہ ہو جائے۔

تنبیہ: اس روایت میں دو سندیں ہیں۔ پہلی سند میں حضرت امام کے استاد یعقوب بن ابراہیم ہیں اور دوسری سند میں آدم بن ابی ایاس ہیں۔ تحویل کی صورت اس لیے اختیار نہیں کی کہ ہر دو سندیں حضرت انس رضی اللہ عنہ پر جا کر مل جاتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان روایات میں جس محبت کا مطالبہ ہے وہ محبت طبعی مراد ہے کیونکہ حدیث میں والد اور ولد سے مقابلہ ہے اور ان سے انسان کو محبت طبعی ہی ہوتی ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت طبعی اس درجہ میں مطلوب ہے کہ وہاں تک کسی کی بھی محبت کی رسائی نہ ہو۔ حتیٰ کہ اپنے نفس تک کی بھی محبت نہ ہو۔

تخریج: اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک جگہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے۔

اس کو مسلم نے بھی کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے، الفاظ اس طرح ہے:

حدثني زهير بن حرب حدثنا إسماعيل بن علية ح وحدثنا شيبان بن أبي شيبة حدثنا عبد الوارث كلاهما عن عبد العزيز عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يؤمن عبد". وفي حديث عبد الوارث "الرجل" حتى أكون أحب إليه من أهله وماله والناس أجمعين". حدثنا محمد بن المثنى وابن بشار قالا حدثنا محمد ابن جعفر حدثنا شعبة قال سمعت قتادة يحدث عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من ولده ووالده والناس أجمعين.

صحابی کے متعلق:

نام ونسب:

انس بن مالک بن النضر بن ضمضم بن زید محدث مفتی ابوحمزہ انصاری، خزاعی،

مدنی، خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اسد الغابۃ ج 1 ص 177، الاستیعاب ص 90، سیر اعلام النبلاء ج 4 ص 202)

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اس وقت میں دس سال کا تھا۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو اس وقت میری عمر 8 برس تھی تو میری ماں (ام سلیم رضی اللہ عنہ) مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں اور عرض کی: یارسول اللہ! انصار کے مردوں اور عورتوں نے آپ کو تحائف پیش کیے اور میرے پاس میرے اس بچے کے علاوہ کوئی چیز نہیں تھی جو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور تحفہ کے پیش کرتی میرے اس بچے کو قبول فرمالیں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت۔ کیا کرے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خدمت رسول الله - صلى الله عليه وسلم - عشر سنين فما سبني سبة قط ولا ضربني ضربة قط ولا عبس في وجهي. (سير أعلام النبلاء ج4ص204، تهذيب الكمال للمزي ج1ص579)

یعنی 10 برس میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اس پورے عرصے میں کبھی بھی مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مارا نہ گالی دی اور نہ اپنے چہرے پہ شکن لائے (تیوری چڑھائی)۔

سن وفات:

خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا انس رضی اللہ عنہ وہ چراغ علم ہیں جن سے دنیا والے 93 برس اپنے علم کی شمع جلاتے اور تاریکیوں کو روشنی سے بدلتے رہے، ان کی وفات کے تعلق سے تین قول ہیں۔ (1) 91ھ (2) 92ھ (3) 93ھ آخری قول مشہور ہے اور یہی جمہور کا قول ہے اس حساب سے آپ کی کل عمر 103 برس بنتی ہے۔

آپ کی وفات پر امام مورق رحمہ اللہ نے فرمایا:

ذہب الیوم نصف العلم کہ آج آدھا علم رخصت ہوگیا۔ (تہذیب الکمال للمزی ج1 ص582، البدایہ، والنھایہ ج5 ص112)

نماز جنازہ:

آپ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت قطن بن مدرک الکلابی رحمہ اللہ نے پڑھائی، وصلی علیہ قطن بن مدرک الکلابی۔ (اسد الغابہ ج 1 ص 129، الاستیعاب ص91)

سندی نکات:

1۔ دونوں سندوں کے راوی صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں سوائے شیخ البخاری آدم بن ابی ایاس کے کہ ان سے مسلم اور ابن ماجہ نے روایت نہیں کی ہے۔

2۔ دونوں سندوں کے راوی بصری ہیں، سوائے بخاری کے دوشیخوں کے، یعنی یعقوب، جو بغدادی ہیں، اور آدم عسقلانی ہیں جو بغداد میں پلے بڑھے ہیں۔

3۔ بخاری کے شیخ یعقوب بن ابراہیم الدورقی ان سے چار سال پہلے فوت ہو گئے تھے اور صحاح ستہ کے مصنفین نے براہ راست ان سے روایت کی ہے۔

تشریح :

امت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں ایک اہم حق آپ سے محبت کرنا ہے اور ایسی محبت مطلوب ہے جو مال و دولت سے، آل اولاد سے بلکہ خود اپنی جان سے بھی بڑھ کر ہو۔ یہ کمال ایمان کی لازمی شرط ہے۔ آدمی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے نزدیک رسول کریم کی ذات گرامی ماں باپ سے، بیوی بچوں سے اور خود اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ بن جائے۔ یہ حب نبویؐ دین کی بنیاد اور اس کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ

وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (24) لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ۔

(سورۃ التوبۃ:25)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جسے تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ سے اور اس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب لے آئے، اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (التوبہ 24)

والدین، بیوی بچے، مال و دولت اور خاندان وقبیلہ وغیرہ ان سب کی محبت فطری ہے اور اللہ کی طرف سے انسانی فطرت میں ودیعت ہے۔ آیت بالا میں اس کی نفی نہیں بلکہ اس بات کا مطالبہ ہے کہ ان سب چیزوں کی محبت سے زیادہ اللہ و رسول سے اور اللہ کے دین سے محبت ہونی چاہئے اور یہ ایسی لازمی وضروری چیز ہے کہ اس کے نہ ہونے کی صورت میں سخت وعید ہے کہ اللہ کا عذاب بھی آسکتا ہے نیز آیت کے اخیر میں یہ کہہ کر کہ ''اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔'' اس طرف اشارہ فرما دیا کہ ایسے لوگ جو اللہ و رسول کو سب سے زیادہ محبوب نہیں رکھتے وہ فسق و گناہ میں مبتلا، راہِ حق سے ہٹے ہوئے اور ہدایتِ الٰہی سے محروم ہیں۔ ایک اور روایت سیدنا عبداللہ بن ہشامؓ اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ نبی کریم کے ساتھ تھے اور آپ سیدنا عمر بن الخطابؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ سیدنا عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ! یقیناً آپ صلی اللہ علیہ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری جان کے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یہاں تک کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب ہوجاؤں۔ یعنی اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ زبانِ رسالتؐ سے یہ بات سنی تھی کہ سیدنا عمرؓ نے عرض کیا، ہاں! اللہ کی قسم، اب آپ صلی اللہ علیہ مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: ہاں اب اے عمر" یعنی اب تمہارا ایمان مکمل ہوا۔ (صحیح بخاری)۔

یہ تمام روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہر بندۂ مومن کو رسول اللہ سے ضرور محبت ہونی چاہئے اور یہ محبت دنیا کی تمام محبوب چیزوں سے حتیٰ کہ اپنی عزیز جان سے بھی بڑھ کر ہونی چاہئے۔ جب تک کوئی شخص اس معیار پر پورا نہ اترے، اس کا ایمان بھی مکمل نہیں ہوسکتا۔ صحابہ کرامؓ نے اپنی ذات سے بڑھ کر رسول اللہ سے محبت کی ایسی مثالیں پیش کیں کہ عقلِ انسانی حیران رہ جاتی ہے اور تاریخ کسی اور شخص کے بارے میں ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے۔ سیدنا علیؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے ساتھ آپ لوگوں کی محبت کیسی ہوتی تھی؟ سیدنا علیؓ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ ہمیں مال و اولاد اور ہمارے ماں باپ سے زیادہ محبوب تھے اور اس سے زیادہ محبوب تھے جتنا کہ شدید پیاس کے وقت ٹھنڈا پانی ہوتا ہے۔

کتبِ سیرت میں صحابہ کرامؓ کی رسول اللہ سے بے پناہ محبت، جانثاری اور فداکاری کے بے شمار واقعات موجود ہیں، چند مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

* زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو کفار نے پکڑ لیا اور انہیں قتل کرنے کے ارادے سے حرم سے باہر لے چلے۔ راستہ میں ابوسفیان نے (جو اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے) ان سے کہا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تمہاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ کو (نعوذ باللہ) پھانسی دی جاتی اور تم گھر میں آرام سے رہتے؟ زید بن

دشنہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

والله ما أحب أن محمدا الآن فی مکانه الذی هو فیه تصیبه شوکة تؤذیه وأنا جالس فی أهلی (اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بات بھی گوارہ نہیں کہ میں چھوڑ دیا جاؤں اور اس رہائی کے بدلے محمد صلی اللہ علیہ کو اسی جگہ رہتے ہوئے جہاں آپ صلی اللہ علیہ اس وقت تشریف فرما ہیں کوئی کانٹا بھی چبھے۔) یہ سن کر ابوسفیان حیران رہ گیا اور یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ ہم نے کسی کو کسی سے ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا جیسی محبت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ، محمد صلی اللہ علیہ سے کرتے ہیں۔ (البدایہ والنھایہ)۔

نیز حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ :

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو انسان کے عزیز ترین لوگوں پر ترجیح دینا واجب ہے۔

2۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت واجب ہے اور محبت الٰہی کے ماتحت ہے۔

3۔ اعمال ایمان کا حصہ ہیں کیونکہ محبت دل کا عمل ہے۔

4۔ محبت رسول میں کمی کی وجہ سے کسی شخص کے کمال ایمان کی نفی ہوسکتی ہے۔

5۔ اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا معاملہ ہے، تو اللہ کی محبت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟۔

6۔ **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ** ۔البقرۃ:165

ترجمہ: اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا اور شریک بنا رکھے ہیں جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ سے رکھنی چاہیئے اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور کاش دیکھتے وہ لوگ جو ظالم ہیں جب عذاب دیکھیں گے کہ سب قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

حدیث 6

قال الإمام البخاری رحمه الله فی کتاب الإکراه من صحیحه:
حدثنا محمد بن عبد الله بن حوشب الطائفی حدثنا عبد الوهاب حدثنا أیوب عن أبی قلابة عن أنس رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الإیمان: أن یکون الله ورسوله أحب إلیه مما سواهما، وأن یحب المرء لا یحبه إلا لله، وأن یکره أن یعود فی الکفر کما یکره أن یقذف فی النار".

ترجمہ: ہم سے محمد بن عبداللہ بن حوشب طائفی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبدالوہاب ثقفی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ایوب نے بیان کیا، ان سے ابوقلابہ نے بیان کیا، اور ان سے انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین خصوصیتیں ایسی ہیں کہ جس میں پائی جائیں گی وہ ایمان کی شیرینی پالے گا اول یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اسے سب سے زیادہ عزیز ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی شخص سے محبت صرف اللہ ہی کے لیے کرے تیسرے یہ کہ اسے کفر کی طرف لوٹ کر جانا اتنا ناگوار ہو جیسے آگ میں پھینک دیا جانا۔"

تخریج:

اس حدیث کو بخاری نے چار جگہ نقل فرمایا ہے:

1: باب من اختار الضرب والقتل والهوان علی الکفر.

2: کتاب الإیمان باب حلاوة الإیمان اپنے شیخ محمد بن المثنی سے.

3: فی کتاب الإیمان باب من کره أن یعود فی الکفر کما یکره أن یلقی فی النار من الإیمان۔ الفاظ اس طرح ہیں:

حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا شعبة عن قتادة عن أنس رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الإیمان: من کان الله ورسوله أحب إلیه مما سواهما، ومن

أحب عبداً لا يحبه إلا لله، ومن يكره أن يعود في الكفر بعد إذ انقذه الله منه كما يكره أن يلقى في النار".

4: في كتاب الأدب باب الحب في الله سیاق اس طرح ہے :

حدثنا آدم حدثنا شعبة عن قتادة عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا يجد أحد حلاوة الإيمان حتى يحب المرء لا يحبه إلا لله، وحتى أن يقذف في النار أحب إليه من أن يرجع إلى الكفر بعد إذ أنقذه الله، وحتى يكون الله ورسوله أحب إليه مما سواهما.

نیز اس کو مسلم نے کتاب الایمان میں اس طرح نقل فرمایا ہے:

حدثنا إسحاق بن إبراهيم ومحمد بن يحي بن أبي عمر و محمد بن بشار جميعا عن الثقفي قال ابن أبي عمر حدثنا عبد الوهاب عن أيوب عن أبي قلابة عن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "ثلاث من كن فيه وجد بهن حلاوة الإيمان؛ من كان الله ورسوله أحب إليه مما سواهما، وأن يحب المرء لا يحبه إلا لله، وأن يكره أن يعود في الكفر بعد إذ أنقذه الله كما يكره أن يقذف في النار".

حدثنا محمد بن المثنى وابن بشار قالا حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة قال سمعت قتادة يحدث عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ثلاث من كن فيه وجه حلاوة الإيمان: من كان يحب المرء لا يحبه إلا لله، ومن كان الله ورسوله أحب إليه مما سواهما، ومن كان أن يلقى في النار أحب إليه من أن يرجع في الكفر بعد أن أنقذه الله منه".

حدثنا إسحاق بن منصور أنبأنا النضر بن شميل أنبأنا حماد عن ثابت عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بنحو

حدیثهم غیر أنه قال: "من أن یرجع یهودیاً أو نصرانیاً". اور ترمذی نے کتاب الإیمان باب (طعم الإیمان) میں نقل فرما کر ارشاد فرمایا: هذا حدیث حسن صحیح وقد رواه قتادة عن أنس عن النبی صلی الله علیه وسلم.

نسائی نے کتاب الإیمان میں اس طرح نقل کیا ہے:

أخبرنا إسحاق بن إبراهیم قال أنبأنا جریر عن منصور عن طلق بن حبیب عن أنس بن مالك قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ثلاث من کن فیه وجد بهن حلاوة الإیمان وطعمه أن یکون الله عزوجل ورسوله أحب إلیه مما سواهما، وأن یحب فی الله ویبغض فی الله، وأن توقد نار عظیمة فیقع فیها أحب إلیه من أن یشرك بالله شیئاً".

أخبرنا سوید ابن نصر قال حدثنا عبد الله عن شعبة عن قتادة قال سمعت أنس بن مالك رضی الله عنه یحدث عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الإیمان، من أحب المرء لا یحبه إلا لله عزوجل، ومن کان الله عزوجل ورسوله أحب إلیه مما سواهما، ومن کان أن یقذف فی النار أحب إلیه من أن یرجع إلی الکفر بعد إن أنقذه الله منه".

أخبرنا علی بن حجر قال حدثنا إسماعیل عن حمید عن أنس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "ثلاث من کن فیه وجد بهن حلاوة الإیمان: من کان الله ورسوله أحب إلیه مما سواهما، ومن أحب المرء لا یحبه إلا لله، ومن یکره أن یرجع إلی الکفر کما یکره أن یلقی فی النار".

صحابی کے متعلق: اس سے پہلے حدیث نمبر 5 میں گزر چکا ہے۔

سندی نکات:

1: راویوں کے سلسلہ کے تمام راوی بصری ہیں، سوائے شیخ البخاری کے، کیونکہ وہ

طائفی ہیں اور پھر کوفی ہیں۔

2: سند کے راوی تمام صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں، سوائے شیخ البخاری، محمد بن عبداللہ بن حوشب طائفی کے، ان سے صرف بخاری نے روایت کی ہے۔

لغوی مباحث:

'ثلاث من کن فیہ' میں 'ثلاث' مبتدا ہے اور باقی جملہ اس کی خبر ہے۔ مبتدا عام طور پر معرفہ ہوتا ہے۔ اگر تخصیص کا کوئی پہلو موجود ہو تو نکرہ بھی مبتدا ہو سکتا ہے۔ اس تخصیص کی متعدد صورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نکرہ کا مضاف الیہ حذف ہو۔ جیسے یہاں 'خصال' محذوف ہے۔

"حلاوة الإيمان" حلاوت کے لغوی معنی مٹھاس کے ہیں۔ مٹھاس اصل میں ایک حسی شے ہے، جیسے گڑ یا شہد کی مٹھاس۔ ایمان کے ساتھ حلاوت کے استعمال سے اس کا دل و دماغ کے لیے مرغوب ہونے کا پہلو واضح ہوتا ہے۔

"طعم الإيمان": طعم کا لفظ اردو کے لفظ ذائقہ کا مترادف ہے۔ یہاں 'طعم الإيمان' سے ایمان کی لذتیں مراد ہیں۔ جس طرح مادی چیزوں میں مرغوبات ہوتی ہیں، اسی طرح معنوی چیزوں میں بھی مرغوبات ہوتی ہیں۔ یہاں یہ تعبیر ایمان کی اسی مرغوبیت کو پیش نظر رکھ کر اختیار کی گئی ہے۔

حدیث کی تشریح:

خدا اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے بڑھ کر محبت دین کا تقاضا ہے۔ یہ بات بعینہٖ قرآن مجید میں بھی بیان ہوئی ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ میں ہے: 'وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ' (اور جو ایمان والے ہیں، وہ اللہ سے سب سے بڑھ کر محبت کرنے والے ہیں)۔ سورہ توبہ میں دین سے وابستگی کے ایک تقاضے کو پورا نہ کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ

تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ.

ترجمہ: "ان سے کہہ دو کہ تمھارے باپ، تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی، تمھاری بیویاں، تمھارا خاندان اور وہ مال جو تم نے کمایا ہے، وہ تجارت جس کے مندہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ مکانات جو تمھیں پسند ہیں، اگر تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرما دے۔ اور اللہ بدعہدوں کو بامراد نہیں کرتا"۔

اس آیت کریمہ میں ہر اس چیز کو گن کر نمایاں کیا گیا ہے جو خدا اور اس کے رسول کے ساتھ وابستگی کی راہ میں حائل ہو سکتی ہے اور بات اس نکتے پر ختم کی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اور دین کی نصرت کو ان سب سے بڑھ کر عزیز ہونا چاہیے۔ قرآن مجید میں یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اہل ایمان کے دلوں میں ایمان کو کیا حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ سورہ حجرات میں ارشاد ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ. (۴۹:۷)

ترجمہ: "اور لیکن اللہ نے تمہارے سامنے ایمان کو محبوب بنایا اور اس کو تمھارے دلوں میں آراستہ اور کفر و فسق اور نافرمانی کو تمھاری نگاہوں میں مبغوض کیا۔ یہی لوگ راہ راست پانے والے ہیں۔"

اس محبت سے مراد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ سب علائق پر اللہ اور اس کے رسول کے حق کو فائق رکھا جائے اور آدمی کسی صورت میں بھی اللہ کی ناراضی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت آدمی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی پیروی کرنے والا بنائے تو یہ ایک امتی کی اپنے رسول سے محبت ہے۔ اور اگر اس محبت کا اظہار صرف زبان تک محدود ہے تو خطرہ ہے کہ روز قیامت اس محبت کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو۔

حلاوت ایمان سے مراد وہ شرح صدر اور اطمینان ہے جو ایک مومن ہی کو نصیب

ہوتا ہے محض کلمہ گوئی اور زبانی اقرار رکھنے والا شخص ایمان کی اس مٹھاس سے ہمیشہ عاری رہتا ہے۔ حلاوتِ ایمان کے حصول لیے مذکورہ حدیث میں مومن کی تین خصلتیں یعنی عادات بیان کی گئی ہیں۔ اول یہ کہ اس کی اولین ترجیح اللہ رب العزت اور اس کے رسول کی محبت ہوتی ہے جس کا لازمی تقاضا اطاعت اور عملی تقلید کو اختیار کرنا ہے نیز اپنی تمام محبتوں اور نفرتوں کی اساس اللہ ہی کی محبت کو مقرر کر لینا ہے۔

اللہ اور اس کے رسول سے محبت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کے بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نا ہو جاؤں (صحیح البخاری) مثلاً دنیاوی محبتوں میں بہت بڑا درجہ والدین سے محبت اور ان کی اطاعت کو دیا گیا ہے لیکن جہاں ان کا حکم اللہ کے حکم سے ٹکرا جائے تو اللہ ہی کی اطاعت کو ترجیح دینا لازم و ملزوم ہو جاتا ہے چنانچہ تمام تر محبتوں کو اللہ ہی کی اتباع کے دائرے میں رکھنا کامل ایمان کے حصول کی شرط ہے۔

صالحین کی صحبت:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے پوچھا قیامت کب آئے گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا: اللہ اور رسول کی محبت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جس سے محبت کرتے ہو (روزِ قیامت) اسی کے ساتھ رہو گے۔ (صحیح مسلم)

اللہ کے لیے اس کے نیک بندوں سے محبت اللہ ہی کی محبت کا ثمرہ ہے اور دنیاوی و اخروی لحاظ سے یہ عمل غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے چنانچہ مومنین کے لیے یہ بھی ایمان کا ایک لازمی جز ہے اور دنیا میں بھی صالحین کی صحبت سے انسان کو نیک اعمال کی ترغیب اور آخرت کی یاد دہانی اور تعمیرِ شخصیت کے معاملات میں مدد ملتی ہے اور آخرت کی زندگی کے حوالے سے بھی قرآن میں کئی ایک مقامات پر انسان کا انجام انہی لوگوں کے ساتھ ہونے

کی خبر دی گئی ہے جن کی صحبت کا انتخاب وہ دنیا میں کرے گا۔

ایمان پر استقامت:

مومنین کی تیسری خصلت اپنے ایمان کو نہایت مضبوطی کے ساتھ اختیار کرنا اور اس پر ثابت قدمی اختیار کرنا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کی راہ میں کیسی کیسی مشکلات ہی کیوں نا برداشت کرنی پڑیں، اس کا دامن ہاتھ سے نا چھوڑا جائے۔ انبیاء اور اصحاب کی زندگیاں اس کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہیں۔ اللہ کے پیغمبر یوسف علیہ سلام نے ہر طرح کی مشکلات حتی کے قید و بند کی صعوبتوں کو ایک طویل عرصہ تک برداشت کیا لیکن اطاعتِ خداوندی پر نہایت صبر کے ساتھ قائم رہے۔

اسی جذبے کے احیاء کی آج پھر ضرورت ہے۔ اگر ہم جوان نسل میں کردار کی پاکیزگی، تقدس اور ایمان کی حلاوت نئے سرے سے پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان میں اس تعلق و محبت کو کوٹ کوٹ کر بھرنا ہوگا۔

حدیث 7

قال الإمام البخاری رحمه الله فی کتاب أحادیث الأنبیاء من صحیحه:

حدثنا الحمیدی حدثنا سفیان قال: سمعت الزهری یقول أخبرنی عبید الله بن عبد الله عن ابن عباس سمع عمر رضی الله عنه یقول علی المنبر: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: "لا تطرونی کما أطرت النصاری ابن مریم فإنما أنا عبده فقولوا عبد الله ورسوله".

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ مجھے اس طرح نہ بڑھاؤ (یعنی میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو)، جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا، میں اس کا بندہ ہی ہوں، لہٰذا تم اللہ کا بندہ اور رسول کہا کرو۔

تخریج:

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب أحادیث الأنبیاء باب قول اللہ تعالی {وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ} میں تخریج فرمایا ہے۔ اسی طرح دوسری بار کتاب المحاربین فی باب رجم الحبلی من الزنا إذا أحصنت میں لائے ہیں ،جس کی سند اس طرح ہے:

حدثنا عبد العزيز بن عبد الله حدثني إبراهيم بن سعد عن صالح عن ابن شهاب عن. عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود عن ابن عباس، وسياق محل الشاهد منه قول عمر رضي الله عنه: ألا ثم إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا تطروني كما أطرى عيسى بن مريم وقولوا عبد الله ورسوله".

یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے۔ بخاری کے شیخ حمیدی نے اپنی مسند میں اس کو اسی سند سے نقل فرمایا ہے۔ نیز یہ حدیث مندرجہ ذیل کتابوں میں موجود ہے:

مسند احمد (164، 154، 331)، سنن دارمی (2784) صحیح ابن حبان (6239)، مسند أبو یعلی (153)، مسند بزار (194 مسند طیالسی (24)۔

صحابی کے متعلق:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا شمار مکہ مکرمہ کے چند پڑھے لکھوں میں ہوتا تھا، لیکن وہ بھی اسی عرب معاشرے کا حصہ تھے، جہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از نبوت صادق وامین کہا جاتا تھا اور بعد از اعلانِ نبوت نعوذ باللہ! ساحر، شاعر، کاہن، اور نہ جانے کیا کیا کہا گیا۔

اہلِ مکہ کے جبر وستم بہت بڑھ چکے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سرِ عام تبلیغ تو درکنار، عبادت بھی نہیں کر سکتے تھے، چھپ کر دین اسلام کی تبلیغ وعبادت کی جاتی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد اس وقت اُنتالیس تھی۔ ایک رات بیت اللہ کے سامنے عبادت کرتے ہوئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے عجیب دعا کی، مانگی بھی

تو عجب شئے مانگی۔ کسی کے وہم وگمان میں نہیں تھا کہ دعا میں یہ بھی مانگا جاتا ہے، اسلام کی بڑھوتری کی دعا کی جاتی، اہلِ مکہ کے ایمان لانے کی دعا کی جاتی، دنیائے عالم میں اسلام کی اشاعت کی دعا کی جاتی یا اہل مکہ کے ظلم وستم کی بندش کے لیے ہاتھ اُٹھائے جاتے، لیکن میرے عظیم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ: ''اے اللہ! عمرو بن ہشام اور عمر بن خطاب میں سے کسی کو اسلام کی عزت کا ذریعہ بنا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں دو لوگوں کو نامزد کیا اور فیصلہ خدائے علام الغیوب پر چھوڑ دیا کہ اللہ! ان دونوں میں سے جو تجھے پسند ہو وہ دے دے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا۔

جناب سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''واللہ ما استطعنا أن نصلّي عندالكعبة ظاهرين حتى أسلم عمر رضی اللہ عنہ۔ ''اللہ کی قسم! ہم کعبہ کے پاس کھلے بندوں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔'' (مستدرک للحاکم)

اسی طرح حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو اسلام کو غلبہ نصیب ہوا، اور ہم کھلے بندوں اسلام کی دعوت دینے لگے اور ہم حلقہ بنا کر بیت اللہ میں بیٹھتے تھے، ہم بیت اللہ کا طواف کرنے لگے اور اب ہم پر اگر کوئی زیادتی کرتا تو ہم اس سے بدلہ لیتے تھے۔

کچھ اسی قسم کے تأثرات فقیہ الامت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: ''عمرؓ کا اسلام قبول کرنا ہماری کھلی فتح تھی، اور عمرؓ کا ہجرت کرنا ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت خاص تھی، اور آپؓ کی خلافت تو ہمارے لیے سراپا رحمت تھی، میں نے وہ دن بھی دیکھے ہیں جب ہم بیت اللہ کے قریب بھی نماز ادا نہیں کر سکتے تھے، لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو آپؓ نے کفار سے مقابلہ کیا، یہاں تک کہ وہ ہمیں نماز پڑھنے دینے لگے۔ (طبقات ابن سعد)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ: ''اللّٰهم ارزقني شهادة في

سبیلك وموتاً فی بلد حبیبك"۔۔۔"اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت کی موت دینا اور موت آئے تو تیرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شہر میں آئے۔"

آخری ایام حیات میں آپؓ نے خواب دیکھا کہ ایک سرخ مرغ نے آپؓ کے شکم مبارک میں تین چونچیں ماریں، آپؓ نے یہ خواب لوگوں سے بیان کیا اور فرمایا کہ میری موت کا وقت قریب ہے۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ ایک روز اپنے معمول کے مطابق بہت سویرے نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے، اس وقت ایک درّہ آپ کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور سونے والے کو اپنے درّہ سے جگاتے تھے، مسجد میں پہنچ کر نمازیوں کی صفیں درست کرنے کا حکم دیتے، اس کے بعد نماز شروع فرماتے اور نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے۔ اس روز بھی آپؓ نے ایسا ہی کیا، نماز ویسے ہی آپؓ نے شروع کی تھی، صرف تکبیر تحریمہ کہنے پائے تھے کہ ایک مجوسی کافر ابولؤلؤ (فیروز) جو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، ایک زہر آلود خنجر لیے ہوئے مسجد کی محراب میں چھپا ہوا بیٹھا تھا، اس نے آپؓ کے شکم مبارک میں تین زخم کاری اس خنجر سے لگائے، آپؓ بے ہوش ہو کر گر گئے اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر امامت کی اور مختصر نماز پڑھ کر سلام پھیرا، ابولؤلؤ نے چاہا کہ کسی طرح مسجد سے باہر نکل کر بھاگ جائے، مگر نمازیوں کی صفیں مثل دیوار کے حائل تھیں، اس سے نکل جانا آسان نہ تھا، اس نے اور صحابیوںؓ کو بھی زخمی کرنا شروع کر دیا، تیرہ صحابی زخمی، جن میں سے سات جاں بر نہ ہو سکے، اتنے میں نماز ختم ہو گئی اور ابولؤلؤ پکڑ لیا گیا، جب اس نے دیکھا کہ میں گرفتار ہو گیا تو اسی خنجر سے اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ (خلفائے راشدینؓ، از لکھنویؒ)

بالآخر آپ کی دعائے شہادت کو حق تعالیٰ نے قبول فرمایا اور دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں بلکہ مُصلائے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر آپ کو ۲۷ ذوالحجہ بروز چہار شنبہ (بدھ) زخمی کیا گیا اور یکم محرم بروز یک شنبہ (اتوار) آپ رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر مبارک تریسٹھ برس تھی، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور خاص روضۂ نبویؐ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں آپؓ

کی قبر بنائی گئی۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأرضاہ۔

سندی نکات:

1: شیخ البخاری اوران کے شیخ دونوں مکی ہیں اور باقی راویوں کا تعلق مدینہ سے ہے۔

2: حدیث کے راوی تمام صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں سوائے شیخ البخاری کے، کیونکہ مسلم نے ان سے اپنی صحیح میں کوئی حدیث نہیں لی ہے۔مگر مقدمہ میں روایت لی ہے اورابن ماجہ نے تفسیر میں ان سے روایت کی ہے۔

3: حدیث کی سند میں دو صحابی اور دو تابعی ہیں۔

تشریح :

اس حدیث سے ذیل کے فوائد اخذ کیے جاسکتے ہیں:

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پھیلانا اور منبروں پر اس کا اعلان کرنا۔

2۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال یہ ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو نصیحت کی اور واضح پیغام پہنچایا۔

3۔ شرک کی طرف لے جانے والے راستوں کو بند کرنا چاہیئے۔

4۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو مبالغہ آرائی کی، اس کی وضاحت اور امت محمدیہ کو اس سے باز رہنے کی تلقین۔

5۔ اس امت کو تنبیہ کرنا کہ عیسائی جس چیز میں پڑ گئے ہیں اس میں نہ پڑیں۔

6: غلو کی مذمت۔

اچھا ہے کہ اس پر تفصیل سے روشنی ڈال دی جائے کیوں کہ یہی اس حدیث کا بنیادی مضمون ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے لوگو! بچو تم دین میں غلو کرنے سے کیونکہ تم سے پہلے لوگ (قومیں) دین میں اسی غلو کیوجہ سے تباہ و برباد ہوئے ۔۔۔سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 1189

حدیث مرفوع۔مزید دیکھئے؛سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 969 حدیث مرفوع اور اور یہی کتاب حدیث 971 اور مسند احمد: جلد دوم: حدیث نمبر 14 حدیث مرفوع اور یہی کتاب حدیث 1138

دین میں غلو کرنے سے بچو۔

قُلْ يا أَهْلَ الْكِتابِ لا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلا تَتَّبِعُوا أَهْواءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيراً وَضَلُّوا عَنْ سَواءِ السَّبِيلِ (المائدۃ:77)

کہو کہ اے اہل کتاب! اپنے دین (کی بات) میں ناحق مبالغہ نہ کرو، اور ایسے لوگوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلو جو (خود بھی) پہلے گمراہ ہوئے اور دیگر لوگوں کو گمراہ کر گئے اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

غلو کی صراحت کے ساتھ ممانعت تو انہی دو آیات کریمہ میں ہے لیکن اس مفہوم کی قرآن مجید میں آیات کریمہ بہت کثرت کے ساتھ ہیں جن میں دین میں غلو سے منع کر دیا گیا ہے۔مثلاً: ملاحظہ فرمائیں، سورۃ المائدۃ: ۷۷، ۷۳، سورۃ التوبۃ: ۳۰، سورۃ الکھف: ۲۸، اور دیگر بہت سی آیات لیکن سوال یہ ہے کہ دین میں یہ غلو ہے کیا جس سے اس قدر سختی کے ساتھ منع کر دیا گیا ہے۔

غلو کا مفہوم:

غلو کے لغوی معنی تو حد اعتدال سے تجاوز، افراط وتفریط اور کسی کے مقام ومرتبہ میں کمی وبیشی کرنے کے ہیں۔جیسا کہ ائمہ لغت نے صراحت فرمائی ہے۔(ملاحظہ فرمائیں: الصحاح ۶/ ۲۴۴۸، المقاییس ۴/ ۳۸۸، المفردات: ۳۷۵، اللسان: ۵/ ۳۲۹۰، التاج: ۲۰، ۲۲، المصباح ۱۷۲)

اور اس کے اصطلاحی معنی بقول علامہ مناوی رحمہ اللہ دین میں تشدد اور حد اعتدال سے تجاوز کے ہیں۔(التوقیف: ۲۵۳)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دین میں غلو کے معنی افراط وتفریط کے ہیں، جیسا کہ یہودیوں نے اور عیسائیوں نے سیدنا عیسی علیہ السلام کے بارے میں افراط وتفریط سے کام لیا۔ یہودیوں نے ان کی شان اس قدر گھٹادی کہ وہ انہیں ایک شریف انسان بھی نہیں سمجھتے تھے اور عیسائیوں نے ان کی شان اس قدر بڑھادی کہ انہیں انسان کی بجائے اللہ سمجھنا شروع کردیا۔ (تفسیر القرطبی ۶/ ۷۷)

غلو شرک تک پہنچادیتا ہے:

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غلو انسان کو شرک جیسی مہلک بیماری میں مبتلا کردیتا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے انبیاء کرام کی شان میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ انہوں نے سیدنا عزیر اور سیدنا عیسی علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی جو لم یلد ولم یولد کے اوصاف سے متصف ہے، کوئی انسان خواہ وہ مقام ومرتبہ کے اعتبار سے کتنے ہی اونچے مقام پر کیوں فائز نہ ہو اس کا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے مگر غلو کی کرشمہ سازی ملاحظہ کیجئے کہ اس نے انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیا ہے اور خالق ومخلوق کے درمیان فرق کو ملحوظ نہ رہنے دیا۔ قوموں کو تباہ وبرباد کرنے والا یہ ایسا شدید مرض ہے کہ رحمۃ للعالمین، سرور دنیا ودین صلی اللہ علیہ وسلم فکر مند رہے کہ سابقہ امتوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ کی امت بھی کہیں اس میں مبتلا نہ ہوجائے۔ آخر وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فکر دامن گیر رہی حتی کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت بالکل آخری لمحات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ" (صحیح البخاری: ۴۳۵، وصحیح مسلم: ۵۳۱)

ترجمہ: یہود ونصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ اس حدیث کے راوی ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہم نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: یحذر ما صنعوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو یہود ونصاریٰ کے ان جیسے افعال کے ارتکاب سے ڈرا رہے تھے کیونکہ انبیاء واولیاء کی شان میں غلو ان کی عبادت کا سبب بن جاتا ہے اسی

وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

لاَ تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُه (صحيح البخاري، حديث: ۳۴۴۵)

میری شان میں اس طرح مبالغہ نہ کرنا جیسے عیسائیوں نے ابن مریم کی شان میں مبالغے سے کام لیا تھا۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں لہٰذا مجھے عبداللہ اور رسول اللہ کہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بڑی سختی کے ساتھ غلو سے منع فرمایا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تین بار ارشاد فرمایا:

هلك المتنطعون (صحيح مسلم، حديث: ۲٦۷)

غلو کرنے والے ہلاک ہو گئے)

متنطعون ان لوگوں کو کہتے ہیں جو حد اعتدال سے تجاوز کرتے ہوئے اپنے اقوال و افعال میں بے حد مبالغہ اور غلو سے کام لیتے ہیں۔

حدیث: 8

قال الإمام البخاري رحمه الله في كتاب الرقاق من صحيحه:

حدثنا هدبة بن خالد حدثنا همام حدثنا قتادة حدثنا أنس بن مالك عن معاذ بن جبل رضي الله عنه قال: بينا أنا رديف النبي صلى الله عليه وسلم ليس بيني وبينه إلا آخرة الرحل فقال: يا معاذ قلت لبيك يا رسول الله وسعديك ثم سار ساعة ثم قال: يا معاذ قلت لبيك رسول الله وسعديك ثم سار ساعة ثم قال: يا معاذ بن جبل قلت لبيك رسول الله وسعديك قال: "هل تدري ما حق الله على عباده"؟ قلت الله ورسوله أعلم، قال: "حق الله على عباده أن يعبدوه ولا يشركوا به شيئا". ثم سار ساعة ثم قال يا معاذ بن جبل قلت لبيك رسول الله وسعديك قال: "هل تدري ما حق العباد على

الله إذا فعلوه"؟ قلت: الله ورسوله أعلم. قال: "حق العباد على الله أن لا يعذبهم"..

ترجمہ: ہم سے ہدبہ بن خالد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ہمام بن حارث نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے قتادہ نے بیان کیا، ان سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور ان سے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ سوا کجاوہ کے آخری حصہ کے میرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے معاذ! میں نے عرض کیا، لبیک وسعدیک، یارسول اللہ! پھر تھوڑی دیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے پھر فرمایا، اے معاذ! میں نے عرض کیا، لبیک وسعدیک یارسول اللہ! پھر تھوڑی دیر مزید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے۔ پھر فرمایا، اے معاذ! میں نے عرض کیا لبیک وسعدیک، یارسول اللہ! فرمایا، تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا، اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اللہ ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر چلتے رہے اور فرمایا، اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا لبیک وسعدیک یارسول اللہ! فرمایا، تمہیں معلوم ہے کہ جب بندے یہ کرلیں تو ان کا اللہ پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا کہ بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے۔

تخریج:

امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں پانچ جگہ نقل فرمایا ہے:

1: فی باب من جاهد نفسه فی طاعة الله۔

2: فی کتاب الجهاد باب اسم الفرس والحمار، جس کا سیاق اس طرح ہے:

حدثنا إسحاق بن إبراهيم سمع يحي بن آدم حدثنا أبو

الأحوص عن أبي إسحاق عن عمرو بن ميمون عن معاذ رضى الله عنه قال: كنت ردف النبى عن على حمار يقال له عفير فقال: "يا معاذ هل تدرى ما حق الله على عباده وما حق العباد على الله"؟ قلت: الله ورسوله أعلم، قال: "فان حق الله على العباد أن يعبدوه ولا يشركوا به شيئاً، وحق العباد على الله أن لا يعذب من لا يشرك به شيئا" فقلت يا رسول الله أفلا أبشر به الناس؟ قال لا تبشرهم فيتكلوا".

3: فى كتاب اللباس باب إرداف الرجل خلف الرجل جس کی سند اور متن پہلی حدیث کے بالکل مشابہ ہے۔

4: فى كتاب الاستئذان باب من أجاب بلبيك وسعديك جس کے الفاظ اس طرح ہے:

حدثنا موسى بن إسماعيل حدثنا همام عن قتادة عن أنس عن معاذ قال: أنا رديف النبى صلى الله عليه وسلم فقال: "يا معاذ" قلت لبيك وسعديك ثم قال مثله ثلاثاً "هل تدرى ما حق الله على العباد"؟ قلت: لا، قال: "حق الله على العباد أن يعبدوه ولا يشركوا به شيئاً"، ثم سار ساعة فقال: "يا معاذ": قلت لبيك وسعديك، قال "هل تدرى ما حق العباد على الله إذا فعلوا ذلك؟ أن لا يعذبهم". حدثنا هدبة حدثنا همام حدثنا قتادة عن أنس عن معاذ بهذا.

5: فى كتاب التوحيد باب ما جاء فى دعاء النبى صلى الله عليه وسلم أمته إلى توحيد الله تبارك وتعالى جس کے الفاظ اس طرح ہیں:

حدثنا محمد بن بشار حدثنا غندر حدثنا شعبة عن أبي حصين والأشعث بن سليم سمعا الأسود بن هلال عن معاذ بن جبل قال: قال النبى صلى الله عليه وسلم "يا معاذ أتدرى ما حق الله على العباد"؟ قال: الله ورسوله أعلم، قال: "أن يعبدوه ولا يشركوا به

شيئا، أتدري ما حقهم عليه"؟ قال الله ورسوله أعلم، قال: "أن لا يعذبهم".

امام مسلم نے اس کو کتاب الإیمان میں تین چار سندوں سے نقل فرمایا ہے أبوداود نے اپنی سنن کے کتاب الجهاد باب فی الرجل یسمی دابته میں اس کی تخریج فرمائی ہے، جب کہ ترمذي نے کتاب الإیمان کے آخر میں اس کو اپنی سند سے نقل فرمایا ہے۔

صحابی کے متعلق:

آپ کا اسم گرامی معاذ بن جبل بن عمرو ہے اور کنیت ابوعبدالرحمن ہے۔ نسب نامہ یہ ہے: معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائذ بن عدی بن کعب بن عمرو بن ادی بن علی بن اسد ابوعبدالرحمن الانصاری الخزرجی۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ج3 ص 1847، رقم الترجمۃ: 8040)

قبول اسلام:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا تعلق مدینہ منورہ سے تھا، اس لیے جب مدینہ منورہ میں اسلام کی دعوت شروع ہوئی تو آپ نے اسلام قبول کرلیا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حلال وحرام کا سب سے زیادہ جاننے والا قرار دیا ہے۔ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: اعلم بالحلال والحرام معاذ بن جبل۔

(جامع الترمذی: ج2 ص219 باب مناقب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ)

یعنی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ میری امت میں حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اور جس فن میں حلال وحرام کے احکام بیان کئے جائیں اسے "علم فقہ" کہتے ہیں، تو گویا آپ علیہ السلام نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فقہ کا بڑا ماہر قرار دیا۔

وفات حسرت آیات: 18ھ میں 36 سال کی انتہائی کم عمر میں فقہ واجتہاد کا یہ نامور سپوت دنیا فانی چھوڑ کر دنیا باقی کی طرف رخصت ہوگیا۔ فرضی اللہ عنہ۔

سندی نکات:

1: حدیث کے تمام رواۃ صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں سوائے بخاری کے شیخ کے، ان سے بخاری کے علاوہ مسلم اور ابوداؤد نے روایت کی ہے۔

2: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب بصری ہیں۔ حضرت معاذ مدینہ سے ہیں۔

3: سلسلہ روایت میں دو صحابی ہیں معاذ بن جبل اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ لہٰذا حدیث ایک صحابی کی روایت دوسرے صحابی سے ہے۔

4: قتادہ کا شمار مشہور مدلسین میں ہے لیکن انہوں نے حدیث اپنے شیخ سے سننے کی سلسلہ میں صراحت کردی ہے، اس لے تدلیس سے محفوظ ہے۔

5: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف ہیں، اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ ابن مندہ نے آں حضور صلی اللہ علہ وسلم کے ردیف پر ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے، جن کی تعداد تیس بیان کی ہے۔

6: حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ یہ ان احادیث میں سے ایک ہے جسے بخاری نے ایک شیخ کی سند سے تین جگہوں پر نقل کیا ہے۔ اس طرح کی احادیث بخاری کی کتاب میں بہت کم ہیں۔

تشریح:

اللہ رب العالمین نے تمام مخلوقات کو وجود بخشا، انکے لئے دین و دنیا کی تمام ضروریات مہیا کیں اور بے شمار نعمتوں سے نوازا، دنیا کی ساری مخلوقات ایک لمحہ کیلئے بھی اللہ رب العالمین سے بے نیاز نہیں ہوسکتی، خصوصی طور پر انسانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی گوناگوں نعمتوں سے نوازا ہے اسکا شمار مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّواْ نِعْمَتَ اللّهِ لاَ تُحْصُوهَا إِنَّ الإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ (سورۃ إبراهيم : 34) اور جو کچھ تم نے مانگا سب

میں سے تم کو عنایت کیا۔ اور اگر خدا کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کرسکو۔ (مگر لوگ نعمتوں کا شکر نہیں کرتے) کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔) اور سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ انکی رہنمائی کیلئے رسولوں اور نبیوں کو مبعوث فرمایا جو انہیں اللہ تعالی کی معرفت کراتے رہے، اسلئے ہر فرد بشر پر ضروری ہے کہ اس منعم حقیقی اور کائنات کے رب کے حقوق کو پہچانے اور انہیں ادا کرنے کی کوشش کرے۔

حقوق اللہ:

اس ذات والا صفات کے حقوق بہت زیادہ ہیں ہم ان میں چند اہم اور خاص الخاص حقوق کو بیان کرتے ہیں۔

(1) اللہ تعالی کی معرفت: یہ سب سے پہلا اور اہم حق ہے جسکا ادا کرنا ہر شخص پر ضروری ہے، اس میں درج ذیل امور شامل ہیں:

1: اس کی ذات کی معرفت 2: اسکے صفات کی معرفت 3: اسکے حقوق کی معرفت:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (سورۃ الحدید: 3)

وہ (سب سے) پہلا اور (سب سے) پچھلا اور (اپنی قدرتوں سے سب پر) ظاہر اور (اپنی ذات سے) پوشیدہ ہے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے۔

(2): اللہ تعالی پر ایمان: اللہ تعالیٰ کی ایسی معرفت حاصل کی جائے جو اس پر ایمان لانے کی متقاضی ہو، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں درج ذیل امور شامل ہیں:

ا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے وجود پر ایمان لانا۔

ب۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان لانا۔

ت۔ اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر ایمان لانا۔

ث۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر ایمان لانا۔

(3): اللہ تعالیٰ کی عبادت: اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اسکا سب سے بڑا اور عظیم حق یہ ہے کہ اسکی عبادت کی جائے اور اسکی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے نہ

کسی نبی کو، نہ کسی ولی کو اور نہ ہی کسی دوسری مخلوق کو۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ (سورۃ الحج: 62)

یہ اس لئے کہ خدا ہی برحق ہے اور جس چیز کو (کافر) خدا کے سوا پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور اس لئے خدا رفیع الشان اور بڑا ہے۔

اللہ تبارک وتعالی کے اس حق کا تقاضا ہے کہ ہر قسم کی عبادت کو صرف اسی کیلئے خاص کیا جائے، یہی وہ اہم حق ہے جسکا ذکر اس حدیث مبارک میں ہوا ہے خواہ وہ:

1: عبادات قلبیہ ہوں، جیسے: محبت، خوف، رجاء، توکل وغیرہ۔

2: عبادات لسانیہ ہوں جیسے: دعاء، پناہ طلبی، فریاد طلبی وغیرہ۔

3: عبادات بدنیہ ہوں، جیسے: نماز، روزہ، طواف، رکوع، سجدہ وغیرہ۔

4: عبادات مالیہ ہوں، جیسے: صدقہ، قربانی، نذر ونیاز اور وقف وغیرہ۔

5: عبادات بدنیہ اور مالیہ سے مرکب ہوں، جیسے: حج وزیارت وغیرہ۔

ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ (سورۃ الأنعام: 102)۔

یہی (اوصاف رکھنے والا) خدا تمہارا پروردگار ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا (ہے) تو اسی کی عبادت کرو۔ اور وہ ہر چیز کا نگراں ہے۔

حدیث :9

قال البخاری رحمہ اللہ فی کتاب فضائل القرآن من صحیحہ:

حدثنا حجاج بن منهال حدثنا شعبة قال أخبرني علقمة بن مرثد سمعت سعد بن عبيدة عن أبي عبد الرحمن السلمي عن عثمان رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "خيركم من تعلّم القرآن وعلّمه". قال: وأقرأ أبو عبد الرحمن في إمرة عثمان حتى كان الحجاج. قال. وذلك الذي أقعدني مقعدي هذا. حدثنا أبو نعيم

حدثنا سفيان عن علقمة بن مرثد عن أبي عبد الرحمن السلمي عن عثمان بن عفان رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "إن أفضلكم من تعلم القرآن وعلمه".

ترجمہ:

ہم سے حجاج بن منہال نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ بن حجاج نے بیان کیا، کہا کہ مجھے علقمہ بن مرثد نے خبر دی، انہوں نے سعد بن عبیدہ سے سنا، انہوں نے ابوعبدالرحمٰن سلمی سے اور انہوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید پڑھے اور پڑھائے۔ سعد بن عبیدہ نے بیان کیا کہ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے لوگوں کو عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت سے حجاج بن یوسف کے عراق کے گورنر ہونے تک قرآن مجید کی تعلیم دی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ یہی حدیث ہے جس نے مجھے اس جگہ (قرآن مجید پڑھانے کے لیے) بٹھا رکھا ہے۔

تخریج:

بخاری کِتَاب فَضَائِلِ الْقُرْآنِ باب خیر کم من تعلّم القرآن وعلّمه.

یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے۔

أبو داود كتاب الصلاة باب في ثواب قراءة القرآن۔ سیاق اس طرح ہے:

حدثنا حفص بن عمر حدثنا شعبة عن علقمة بن مرثد عن سعد بن عبيدة عن أبي عبد الرحمن عن عثمان عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "خيركم من تعلم القرآن وعلمه".

ترمذی أبواب فضائل القرآن باب ما جاء في تعليم القرآن، سیاق اس طرح ہے:

حدثنا محمود بن غيلان حدثنا أبو داود أنبأنا شعبة أخبرني

علقمة ابن مرثد قال سمعت سعد بن عبيدة يحدث عن أبي عبد الرحمن عن عثمان ابن عفان أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "خيركم من تعلم القرآن وعلمه". قال أبو عبد الرحمن: فذاك الذى أقعدنى مقعدى هذا، وعلم القرآن فى زمن عثمان حتى بلغ الحجاج بن يوسف، قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، حدثنا محمود بن غيلان حدثنا بشر بن السرى حدثنا سفيان عن علقمة بن مرثد عن أبي عبد الرحمن السلمي عن عثمان بن عفان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خيركم أو أفضلكم من تعلم القرآن وعلمه"، هذا حديث حسن صحيح۔

ابن ماجه مقدمه باب فضل من تعلم القرآن وعلمه سیاق اس طرح ہے:

حدثنا محمد بن بشار حدثنا يحى بن سعيد القطان حدثنا شعبة وسفيان عن علقمة بن مرثد عن سعد بن عبيدة عن أبي عبد الرحمن السلمي عن عثمان بن عفان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. قال شعبة خيركم، وقال سفيان. " أفضلكم من تعلم القرآن وعلمه"، حدثنا على بن محمد حدثنا وكيع حدثنا سفيان عن علقمة بن مرثد عن أبي عبد الرحمن السلمي عن عثمان بن عفان۔ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " أفضلكم من تعلم القرآن وعلمه".

دارمی: كتاب فضائل القرآن باب خياركم من تعلم القرآن وعلمه

مسند احمد میں سیاق اس طرح ہے:

حدثنا وكيع حدثنا سفيان وعبد الرحمن عن سفيان عن

علقمة بن مرثد عن أبي عبد الرحمن عن عثمان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أفضلكم من تعلم القرآن وعلمه"، وقال: حدثنا محمد ابن جعفر وحجاج قالوا حدثنا شعبة قال: سمعت علقمة بن مرثد يحدث عن سعد بن عبيدة عن أبي عبد الرحمن السلمي عن عثمان بن عفان عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "إن خيركم من علم القرآن أو تعلمه"، قال محمد بن جعفر وحجاج فقال أبو عبد الرحمن: فذاك الذي أقعدني هذا المقعد، قال حجاج قال شعبة: ولم يسمع أبو عبد الرحمن من عثمان ولا من عبد الله ولكن قد سمع من علي قال عبد الله بن أحمد: قال أبي وقال بهز عن شعبة قال علقمة بن مرثد: أخبرني، وقال: خيركم من تعلم القرآن وعلمه، حدثنا عفان حدثنا شعبة أخبرني علقمة بن مرثد وقال فيه: من تعلم القرآن أو علمه، وقال حدثنا يحي بن سعيد عن سفيان وشعبة عن علقمة بن مرثد عن سعد بن عبيدة عن أبي عبد الرحمن عن عثمان عن النبي صلى الله عليه وسلم قال سفيان: أفضلكم وقال شعبة: "خيركم من تعلم القرآن وعلمه".

صحابی کے متعلق:

خلیفہ سوم سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے معزز قبیلے سے تھا۔ والد عفان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ سلسلہ نسب عبد المناف پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی نانی نبی پاک کی پھوپھی تھیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کا نام عثمان اور لقب "ذوالنورین" ہے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ رضی اللہ عنہ "السابقون الاولون" کی فہرست میں شامل تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ اول سیدنا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کیا تھا۔ طبقات ابن سعد کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے چوتھے نمبر پر اسلام قبول کیا۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اعلی سیرت و کردار کے ساتھ ثروت و سخاوت میں بھی مشہور تھے۔

35ھ میں ذی قعدہ کے عشرہ میں باغیوں نے سیدنا عثمان ذوالنورین کے گھر کا محاصرہ کیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے صبر اور استقامت کا دامن نہیں چھوڑا، صحیح بخاری میں آپکی شہادت کا واقعہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے، محاصرہ کے دوران آپ رضی اللہ عنہ کا کھانا اور پانی بند کر دیا گیا تقریبا چالیس روز بھوکے پیاسے 82 سالہ مظلوم مدینہ سیدنا عثمان ذوالنورین کو جمعۃ المبارک 18 ذوالحجہ کو انتہائی بے دردی کے ساتھ روزہ کی حالت میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوے ظالموں نے شہید کر دیا، اسلامی تاریخ میں آپکی شہادت کو انتہائی مظلومانہ شہادت کے نام سے جانا جاتا ہے، شہادت سے کچھ پہلے آپ رضی اللہ عنہ کو خواب میں رسول اکرم کی زیارت بھی ہوئی۔

اللہ تعالیٰ آپ پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، اور امتِ مسلمہ کو آپکی سیرت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سندی نکات:

1۔ دونوں اسناد کے تمام راوی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔

2۔ دونوں سندوں کے راوی تمام کوفی ہیں سوائے عثمان رضی اللہ عنہ کے، جو مدنی ہیں، اور سوائے حجاج بن منہال اور ان کے شیخ شعبہ کہ وہ دونوں بصری ہیں۔

3۔ صحیح البخاری میں علقمہ بن مرثد کی صرف تین حدیثیں ہیں۔ ان میں سے یہ ایک ہے، دوسری کتاب الجنائز میں اور تیسری فضائل الصحابۃ میں ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں ذکر کیا ہے۔

4۔ سند میں دو راوی تابعین کے طبقہ میں سے ہیں یعنی ابوعبدالرحمٰن السلمی اور ان کے داماد سعد بن عبیدہ۔ اسی طرح سعد سے روایت کرنے والے راوی علقمہ بن مرثد ہیں۔ حافظ نے الفتح میں ان کے بارے میں کہا ہے: وہ کوفہ کے ثقہ لوگوں میں سے ہیں جو اعمش کے طبقے

سے ہیں۔اور اعمش چھوٹے تابعی ہیں۔

5۔ ابوعبدالرحمٰن السلمی اپنی کنیت سے مشہور تھے اور ان کا نام عبداللہ ابن حبیب ابن ربیعہ تھا۔

6۔ یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی ان ایک سودس احادیث میں سے ایک ہے جن پر ناقدین حدیث نے تنقید کی ہے۔

حدیث کی تشریح:

حدیث سے یہ امور اخذ کئے جاسکتے ہے:

1۔ قرآن سیکھنے اور سکھانے کی ترغیب۔

2۔ قرآن سیکھنے اور سکھانے والے کی فضیلت واہمیت۔

3۔ عالم جو کچھ جانتا ہو اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔

4۔ سلف صالحین سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے اور علم پر عمل کرنے کے خواہشمند تھے جیسا کہ ابوعبدالرحمٰن سلمی اس حدیث کو سن کر قرآن پڑھانے بیٹھ گئے۔

قرآن مجید کی بے انتہا عظمت کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور باری تعالی کی حقیقی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، یہ اللہ پاک کا بے انتہا کرم اور اس کی عظیم ترین نعمت ہے کہ اس نے اپنے رسول امین کے ذریعہ وہ کلام ہم تک پہنچایا اور ہمیں اس لائق بنایا کہ اس کی تلاوت کرسکیں اور اپنی زبان سے اس کو پڑھ سکیں، پھر اس کو سمجھ کر اپنی زندگی کا رہنما بنا سکیں. جو بندہ اخلاص وعظمت واحترام کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے وہ بڑا خوش نصیب ہے اور حق یہ ہے کہ انسان اس سے آگے کسی شرف کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

زیر بحث حدیث میں قرآن کی تعلیم وتعلم کا اہتمام کرنے والے کو سب سے بہتر و افضل بندہ قرار دیا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر عظمت وفضیلت حاصل ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام کو مخلوق کے

کلام پر عظمت وفضیلت حاصل ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا سیکھنا سکھانا دوسرے تمام اچھے کاموں سے افضل واشرف ہوگا، علاوہ ازیں یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اہم پیغمبرانہ وظیفہ وحی کے ذریعہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ سے لینا، اس کی حکمت کو سمجھانا اور دوسروں تک اس کو پہنچانا اور اس کو سکھانا تھا، اس لئے اب قیامت تک جو بندہ قرآن مجید کے سیکھنے سکھانے کو اپنا شغل و وظیفہ بنائے گا وہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص مشن کا علمبردار اور خادم ہوگا اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص الخاص نسبت حاصل ہوگی اس بنا پر قرآن پاک کے متعلم ومعلم کو سب سے افضل واشرف ہونا ہی چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے سیکھنے سکھانے پر خصوصی توجہ دی اور اس کی فضیلت بیان فرمائی، اس کے یاد کرنے اور یاد رکھنے پر توجہ دلائی، ایک بار چند صحابہ صفہ میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے آئے اور یوں مخاطب ہوئے: تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ صبح کو وادی بطحان یا عقیق جائے اور وہاں سے موٹی تازی خوبصورت دو اونٹنیاں لے آئے اور اس میں کسی گناہ وقطع رحمی کا مرتکب بھی نہ ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم سب یہ چاہتے ہیں آپ نے فرمایا: تمہارا ہر روز مسجد جا کر دو آیتیں سیکھ لینا دو اونٹنیوں کے حصول سے بہتر ہے اور تین آیتیں سیکھ لینا تین اونٹنیوں سے بہتر ہے اسی طرح جتنی آیتیں سیکھو گے اتنی اونٹنیوں سے بہتر ہے (صحیح مسلم وابوداود، بروایت عقبہ بن عامر)۔

لیکن یہاں ایک بات یہ ذہن نشین رکھنے کی ہے کہ یہ عظیم فضیلت اس وقت تک حاصل نہ ہوگی جب تک کہ قرآن کے سیکھنے سکھانے میں درجہ ذیل امور کا لحاظ نہ رکھا جائے:

1: اخلاص: یعنی قرآن مجید کا سکھانا وسیکھنا اخلاص کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، اس کا مقصد ریاء ونمود اور کوئی دنیاوی غرض نہ ہو، اگر بدقسمتی سے کسی دنیوی غرض کے لئے قرآن سیکھنے سکھانے کو کوئی پیشہ بنائے تو بتقاضائے فرمان نبی وہ ان بدنصیبوں میں سے ہوگا جو سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے اور اس کا ایندھن بنیں گے۔ اللھم

احفظنا۔

۲: عمل: قرآن کے نزول کا مقصد علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی ہے لہٰذا جو شخص قرآن کا علم تو حاصل کرتا ہے اور لوگوں کو سکھاتا بھی ہے لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتا، اس کی مقرر کردہ حدود کا لحاظ نہیں رکھتا تو وہ شخص اس فضلیت کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرے شرعی اصطلاح میں عالم نہیں کہا جاتا اور نہ ہی اس کا علم شرعی علم کہلاتا ہے۔

۳: گناہوں سے پرہیز کرے: اہل علم کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو خلاف شرع کاموں کا ارتکاب کرتا ہے وہ جاہل ہے، کیونکہ علم شرع اس امر کا متقاضی ہے کہ اس کا سیکھنے والا خلاف شرع کاموں سے دور رہے، لہٰذا جو شخص قرآن سیکھنے سکھانے کے ساتھ قرآن کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کر رہا ہے تو گویا قرآن پر اسکا صحیح ایمان نہیں ہے ۔

حدیث: 10

قال الإمام البخاری رحمه الله فی کتاب الجهاد: باب یکتب للمسافر مثل ما کان یعمل فی الإقامة.

حدثنا مطر بن الفضل حدثنا یزید بن هارون حدثنا العوام حدثنا إبراهیم أبو إسماعیل السکسکی قال: سمعت أبا بردة واصطحب هو ویزید بن أبی کبشة فی سفر. فکان یزید یصوم فی السفر فقال له أبو بردة: سمعت أبا موسی مرارا یقول: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "إذا مرض العبد أو سافر کتب له مثل ما کان یعمل مقیماً صحیحاً".

ترجمہ: ہم سے مطر بن فضل نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عوام بن حوشب نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابراہیم ابواسماعیل سکسکی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میں نے ابو بردہ بن ابی موسیٰ سے سنا، وہ اور یزید بن ابی کبشہ ایک سفر میں ساتھ تھے اور یزید سفر کی حالت میں بھی روزہ رکھا کرتے تھے۔ ابو بردہ نے کہا کہ میں نے (اپنے والد) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بارہا سنا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا

ہے تو اس کے لیے ان تمام عبادات کا ثواب لکھا جاتا ہے جنہیں اقامت یا صحت کے وقت یہ کیا کرتا تھا۔

تخریج:

بخاری نے اس حدیث کو کتاب الجهاد: باب یکتب للمسافر مثل ما کان یعمل فی الإقامة میں روایت فرمایا ہے۔ اسی طرح الأدب المفرد میں بھی روایت فرمایا ہے۔ جس کا سیاق اس طرح ہے:

باب یکتب للمریض ما کان یعمل وهو صحیح. حدثنا قبیصة بن عقبة قال: حدثنا سفیان عن علقمة بن مرثد عن القاسم بن مخیمرة عن عبد الله بن عمرو عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "ما من أحد یمرض إلا کتب له مثل ما کان یعمل وهو صحیح".

أبو داود نے کتاب الجنائز: باب إذا کان الرجل یعمل عملا صالحا فشغله عنه مرض أو سفر میں اس کو روایت فرمایا ہے:

حدثنا محمد بن عیسی ومسدد المعنی قالا: حدثنا هشیم عن العوام بن حوشب عن إبراهیم بن عبد الرحمن السکسکی عن أبی بردة عن أبی موسی قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم غیر مرة ولا مرتین یقول: "إذا کان العبد یعمل عملا صالحا فشغله عنه مرض أو سفر کتب له کصالح ما کان یعمل وهو صحیح مقیم".

صحابی کے متعلق: حدیث نمبر 4 میں گزر چکا ہے۔

سندی نکات:

1۔ حدیث کے راوی تمام صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں۔ سوائے شیخ البخاری مطر بن الفضل کے کیوں کہ ان سے صرف البخاری نے حدیث روایت کی ہے، اور سوائے ابراہیم

السکسکی کے کیوں کہ بخاری کے علاوہ صرف ابوداؤد اور نسائی نے ان سے روایت کی ہے۔

2۔ اس حدیث کو ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری نے اپنے والد ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ بیٹے کی والد سے روایت ہے۔

3۔ اس حدیث کی سند میں دو راوی واسطی ہیں یزید بن ہارون اور ان کے شیخ العوام ابن حوشب۔

تشریح: حدیث سے معلوم ہوتا ہے:

1۔ سلف صالحین سنت کی اتباع اور لوگوں کو اس کی طرف رہنمائی کرنے کے خواہاں تھے۔

2۔ دینی علوم میں مذاکرہ اور دلائل وشواہد کی طرف توجہ۔

3۔ بندوں کے اعمال لکھنے کا ثبوت۔

4۔ اگر کوئی مسلمان حالت صحت میں نیک عمل کرتا ہے اور بیمار ہونے کی وجہ سے نہیں کر پاتا ہے تو اس کے لئے صحت کی حالت میں اس کے عمل کی طرح اجر لکھا جاتا ہے۔

5۔ مسافر کو اتنا اجر دیا جاتا ہے جیسا کہ وہ حضر میں کرتا ہے۔

6۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان فرمانا اور ان کو ثواب سے نوازنا اگر چہ وہ عمل نہ کر سکیں۔

7۔ انسان کی کمزوری وعاجزی اور اس کا بیماری واعذاری میں مبتلا ہونا۔

8۔ نیت پر ثواب ملنا اگر چہ عمل نہ کر سکے۔

9۔ سفر کرنے کا ثبوت کہ وہ انسان کی ضروریات میں سے ہے۔

01۔ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کی وسعت کے بقدر مکلف کرتا ہے۔